UNIVERSAL
LIBRARY

OU_188730

UNIVERSAL
LIBRARY

TEXT FLY WITHIN BOOK ONLY

OSMANIA UNIVERSITY LIBRARY

Call No. ٩٢٢٥٩٦١ Accession No. ٦٠٩٤

Author محمد - م

Title سیرت خیر البشر 6094

This book should be returned on or before the date last marked below.

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰىٓ اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ط

سیرت خیر البشر

مولا [illegible] ی صاحب

[illegible] بہ القرآن مع تفسیر اردو و ترجمۃ القرآن

مع تفسیر وغیرہ

احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور نے

کریمی پریس لاہور میں

باہتمام میرا میر بخش مینیجر چھپوا کر شائع کیا

تعداد طبع ۴۰۰۰ - قیمت قسم لائبریری ایڈیشن ۱۲ قیمت قسم اعلیٰ ۸

بار اول

ضروری التماس

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت برادران اہل اسلام کے سامنے پیش کرنے کیلئے کسی تمہید کی ضرورت نہیں میری اصل غرض اس سیرت کے لکھنے میں صرف اس قدر نہیں کہ آنحضرت صلعم کے صحیح حالات پبلک کے سامنے مختصر پیرایہ میں پیش کئے جائیں۔ بلکہ زیادہ تر مد نظر یہ ہے کہ ہم مسلمان جو حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیرو کہلاتے ہیں اپنی زندگیوں کو اس پاک زندگی کے نمونہ پر بسر کرنے کی کوشش کریں۔ اس زندگی کا کمال یہ ہے کہ اگر یہ ایک بادشاہ کیلئے نمونہ کا کام دے سکتی ہے تو ایک مزدور کیلئے بھی وہی کام دیتی ہے اگر ایک امیر کیلئے اس میں ہدایت موجود ہے تو ایک غر[illegible] اگر ایک فاتح قوم کیلئے یہ روشنی کا کام دے سکتی ہے تو ایک مظلوم [illegible] مصیبـ[illegible] زندگی کے مختلف شعبوں میں سے کسی شعبہ میں کوئی کام کرتا ہوا اور اس [illegible] سے حاصل ہو ادنیٰ سے اعلیٰ تک ۔ آمی سے لیکر اعلیٰ درجہ کے تعلیم یافتہ تک [illegible] اکر جرنیل تک غرض ہر ایک حالت اور ہر ایک حیثیت کا انسان خیر البشر کی سیر[illegible]

جس مختصر پیرایہ میں یہ سیرت لکھی گئی ہے وہ اس [illegible] ہوں موٹے موٹے واقعات کو نہایت سادہ طریق پر بیان کیا گیا ہے [illegible] نا[illegible] کا آپ سے ظہور ہوا اور جن کی ضرورت ہر انسان کو اپنی زندگی میں پیش آتی ہے توجہ دلائی گئی ہے۔ واقعات کے بیان میں ہی مخالفین کی نکتہ چینیوں کا جواب بھی آ گیا ہے یہ زندگی فی الحقیقت ایسی ہے کہ دشمن کو بھی دوست بنا لیتی ہے اور دوست کا دل تو ایسا عشق محبت سے بھر جاتا ہے کہ دنیا کی تمام محبتیں اس کے سامنے ہیچ ہو جاتی ہیں +

لا یؤمن احدکم حتی اکون احب الیه من والده وولده والناس اجمعین ط

محمد علی۔ احمدیہ بلڈنگس۔ لاہور

فہرست مضامین سیرت خیر البشر

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
نقشہ ملک عرب۔ اندرون سرورق		امرء القیس کا واقعہ	۱۳
۱۔ ملک عرب اور اہل عرب ۱-۷		فال نکالنا	۱۳
جزیرہ عرب کی حدود	۱	یمن کا بادشاہ اور عیسائی پادری	۱۴
اندرونی حالت۔ بڑے بڑے حصے	۲	عرب اور تمدن	۱۴
حجاز اور مکہ	۴	حکومت اور اتفاق کی عدم موجودگی	۱۵
خانہ کعبہ کی قدامت پر میور کی شہادت	۴	میور کی شہادت	۱۵
قرآنی شہادت	۵	قرآنی شہادت	۱۵
مدینہ منورہ	۶	خانہ جنگی	۱۶
قدیم اقوام عرب	۶	رسول اللہ کا احسان	۱۶
حضرت اسمٰعیل اور قریش	۷	عرب کی معاشرت	۱۶
۲۔ زمانہ جاہلیت ۸-۳۱		عورت سے سلوک	۱۶
بعثت نبوی سے پہلے کا زمانہ	۸	زناکاری بطور پیشہ	۱۷
کل روئے زمین پر تاریکی	۸	نیوگ کی رسم	۱۷
ہندوستان و ایران	۹	عورت ورثہ کا حصہ	۱۷
عیسائیت کی ذلیل حالت	۹	کثرت طلاق	۱۷
کتبخانہ اسکندریہ	۱۰	عشق و محبت کے مخرب تذکرے	۱۸
عیسائیت اور شراب خوری	۱۰	سبع معلقات	۱۸
عرب اور فن شاعری	۱۰	قرآن شریف کا کمال	۱۸
عرب کے اوصاف حمیدہ	۱۱	عورت کے حقوق	۱۸
عرب کی مذہبی حالت	۱۱	لڑکیوں کا زندہ درگور کرنا	۱۹
بتوں اور دیگر اشیاء کی پرستش	۱۲	عرب اور شراب خوری	۱۹

مضمون	صفحہ
عرب کی توہم پرستیاں	۲۰
ان حالات سے نکالنے والا	۲۱
۳- ملک عرب میں اصلاحات ۲۲-۲۸	
اطراف عرب میں پیغمبر	۲۲
قوم عاد کی طاقت	۲۲
حجاز میں کوئی پیغمبر نہیں آیا	۲۳
عرب میں یہودیت کی تبلیغ	۲۳
عیسائیت اور اس کی تبلیغ	۲۴
حنیف	۲۴
تینوں کی ناکامی	۲۵
رسول اللہ صلعم کی کامیابی اور میور کا اعتراف	۲۷
۴- آنحضرت صلعم کے ظہور کی بشارتیں ۲۹-۳۸	
انبیائے عالم اور وعدہ ظہور نبوی	۲۹
اس میں حکمت	۳۰
توریت و انجیل کی خصوصیت	۳۰
حضرت ابراہیم سے وعدہ	۳۱
صلیبی جنگیں	۳۲
حضرت موسیٰ کی مثیل کی پیشگوئی	۳۳
وہ نبی	۳۴
مثیل موسیٰ ہونے کا دعویٰ قرآن میں	۳۴
دس ہزار قدوسیوں کی پیشگوئی	۳۵
یسعیاہ کی پیشگوئی اور ہجرت	۳۵
فارقلیط	۳۶
روح القدس فارقلیط نہیں	۳۷

مضمون	صفحہ
۵- سلسلہ نسب و پیدایش ۳۹-۴۳	
آپ کا خاندان	۳۹
عبدالمطلب اور اس کی اولاد	۳۹
آباء اور اُمہات کی فطری پاکیزگی	۴۰
والد کا انتقال	۴۰
ولادت مبارک	۴۱
محمد اور احمد نام رکھا جانا	۴۱
عجیب نشانات کا ظاہر ہونا	۴۱
عیسائیت کی خانہ کعبہ کو برباد کرنے کی کوشش	۴۲
ابرہہ اور عبدالمطلب	۴۲
عبدالمطلب کی دعا	۴۲
اصحاب فیل	۴۲
۶- حالات قبل از بعثت ۴۴-۵۲	
ایام رضاعت	۴۴
والدہ کا انتقال	۴۴
رضاعی ماں اور بہنوں سے آپ کا سلوک	۴۴
عبدالمطلب کا انتقال	۴۵
ابوطالب کی کفالت	۴۵
بحیرا راہب کا واقعہ	۴۵
حرب فجار	۴۵
حلف الفضول	۴۵
آپ کی دیانت امانت کا عام اعتراف	۴۶
کعبہ کی تعمیر اور نصب حجر اسود	۴۶
حضرت خدیجہ سے نکاح	۴۶

مضمون	صفحہ
آپ کی اولاد	۴۷
حضرت خدیجہ سے محبت کا راز	۴۸
آپ کے اخلاق حمیدہ سے عام گرویدگی	۴۹
زید کا واقعہ	۴۹
ابوطالب کی محبت کی وجہ	۴۹
آپ کے احباب میں بلند اخلاق	۵۰
غربا یتامی سے ہمدردی	۵۰
جھوٹ ہنسی مخول سے نفرت	۵۱
قلب مقدس	۵۱
شرک اور بتوں سے نفرت	۵۱
مخلوق خدا کی ہدایت کا جوش	۵۲
۷۔ بعثت	**۵۳-۵۷**
سچے خوابوں کا آنا	۵۳
پیغام اول	۵۳
قوت قلب	۵۴
وحی کی شدت	۵۴
خدیجہ کا تسکین دینا	۵۵
ورقہ بن نوفل سے ملاقات	۵۵
زمانہ فترت	۵۶
ارادہ خودکشی کی روایت کی عدم صحت	۵۶
فترت میں حکمت	۵۷
۸۔ پہلے ایمان لانے والے	**۵۸-۶۵**
حضرت خدیجہ	۵۸
ورقہ	۵۹

مضمون	صفحہ
حضرت ابوبکر۔علی۔زید	۵۹
پہلے مومن رازدار دوست تھے	۶۰
حضرت عثمان اور دوسرے مسلمان	۶۰
ارقم کا گھر	۶۱
مدت فترت پر استدلال	۶۱
حضرت حمزہ کا ایمان لانا	۶۱
حضرت عمر کا ایمان لانا	۶۲
ضعفاء	۶۴
ابن ام مکتوم اور صاحب خلق عظیم	۶۴
غربا کو بڑا بنانا	۶۵
صداقت پر ایک دلیل	۶۵
۹۔ کفار کی ایذا رسانی	**۶۶-۶۹**
مومنین کو کیوں دکھ دیے جاتے ہیں	۶۶
ایذا رسانی میں تدریجاً ترقی	۶۷
ایذا رسانی کی شدت ضعفاء پر	۶۷
بلال اور دیگر مومنین کا استقلال	۶۸
شرفا کے ساتھ سختی	۶۸
ایذا رسانی سے کوئی مرتد نہیں ہوا	۶۹
۱۰۔ ہجرت حبش	**۷۰-۷۵**
حبش میں ہجرت کا ارشاد	۷۰
پہلے مہاجرین	۷۰
ان کا تعاقب اور نجاشی کو اکسانا	۷۱
حضرت جعفر کی تقریر نجاشی کے سامنے	۷۱
نجاشی کی تصدیق	۷۲

مضمون	صفحہ
تعاقب کی وجہ	۷۲
ہجرت ثانیہ	۷۳
واپسی	۷۳
حبش میں مسلمانوں کا طریق عمل	۷۴
والنجم کا سجدہ اور ہجرت حبش سے تعلق	۷۵
۱۱- دعوت الی الاسلام سے روکنے کی کوششیں ۷۶-۸۴	
دعوت عام	۷۶
صداقت و امانت پر دشمنوں کی گواہی	۷۶
ابولہب کی عداوت	۷۶
ابوطالب کے پاس وفد قریش کا آنا	۷۷
دوسرا وفد	۷۸
ابوطالب کی درخواست آپ سے	۷۸
آنحضرت کا استقلال اور ابوطالب کا عزم	۷۹
تیسرا وفد	۸۰
قریش کا وفد آنحضرت کی خدمت میں	۸۱
شعب ابی طالب میں محصور ہونا	۸۲
معاہدہ کفار کا انجام	۸۳
ابوطالب اور خدیجہ کی وفات	۸۴
۱۲- مکہ کے آخری ایام ۸۵-۹۲	
آنحضرت کی بڑھتی ہوئی مشکلات	۸۵
طائف کا سفر	۸۵
بیکسی میں دعا	۸۷
حج میں مختلف قبیلوں کے پاس جانا	۸۸
اہل مدینہ سے ملاقات اور بیعت عقبہ اولی	۸۹

مضمون	صفحہ
بیعت عقبہ ثانیہ	۹۰
قریش کا اہل مدینہ کا تعاقب	۹۱
صحابہ کا مدینہ میں ہجرت کرنا	۹۱
دشمنوں میں تنہائی اور خدا پر بھروسہ	۹۲
۱۳- ہجرت ۹۳-۱۰۲	
دارالندوہ میں آخری منصوبہ	۹۳
دشمنوں کے اندر سے نکل جانا	۹۴
ابوبکر کی رفاقت	۹۴
غار ثور	۹۵
دشمنوں کا تلاش میں نکلنا	۹۶
سفر مدینہ	۹۷
سراقہ کا واقعہ	۹۷
مکہ میں واپس لانے کا خدائی وعدہ	۹۸
ہجرت کی اہمیت	۹۹
عظیم الشان تبدیلی اور میور کا اقرار	۱۰۰
صحابہ کا مقام	۱۰۱
۱۴- مدینہ کے ابتدائی ایام ۱۰۳-۱۰۹	
مدینہ میں ورود اور قبا میں قیام	۱۰۳
مسجد قبا	۱۰۴
خاص شہر میں داخلہ	۱۰۴
مسجد نبوی کی بنا	۱۰۴
اصحاب صفہ	۱۰۵
اذان	۱۰۵
مہاجرین و انصار میں مواخاۃ	۱۰۵

مضمون	صفحہ
مہاجرین کی پہلی اور پچھلی حالت	۱۰۷
مدینہ کی مختلف قوموں میں اتحاد	۱۰۸
۱۵- جنگ بدر ۱۱۰-۱۲۰	
قریش کا قبائل کو اکسانا	۱۱۰
قریش کا مدینہ کی چراگاہ پر حملہ	۱۱۱
مسلمانوں کو مدافعت کی اجازت	۱۱۱
چھوٹے چھوٹے دستوں کے باہر نکلنے کی غرض	۱۱۱
بعض قبائل کے ساتھ معاہدات	۱۱۲
ابن حضرمی کے قتل کا واقعہ	۱۱۲
قریش کی جنگ کی تیاری	۱۱۳
تجارتی قافلہ	۱۱۴
مسلمانوں کی مقابلہ کے لئے تیاری	۱۱۴
مسلمان فوج کی حالت	۱۱۵
حملہ کی پہل کفار کی طرف سے	۱۱۵
مسلمانوں کی فتح	۱۱۶
جنگ میں قدرت خداوندی کا نظارہ	۱۱۷
قیدیوں سے سلوک	۱۱۸
ایک کھلا نشان	۱۱۸
مقابلہ لشکر سے تھا نہ تجارتی قافلہ سے	۱۲۰
۱۶- جنگ اُحد ۱۲۱-۱۲۹	
ابوسفیان کا مدینہ پر حملہ	۱۲۱
آنحضرت کا صحابہ سے مشورہ	۱۲۱
مسلمان فوج کی حالت اور صف آرائی	۱۲۲
ابوعامر	۱۲۳
کفار کی پسپائی	۱۲۴
تیراندازوں کی غلطی	۱۲۴
خالد کا حملہ	۱۲۴
آنحضرت کا منتشر فوج کو جمع کرنا	۱۲۵
زخم کھا کر گرنا اور مسلمانوں کا اجتماع	۱۲۶
ابوسفیان کو جواب	۱۲۷
قاتل دشمنوں کے لئے دعا	۱۲۷
خواتین مدینہ کا جوش	۱۲۸
آنحضرت کا تعاقب قریش	۱۲۸
اُحد میں مسلمانوں کو شکست نہیں ہوئی	۱۲۹
۱۷- قبائل عرب اور مسلمان ۱۳۰-۱۳۶	
آنحضرتؐ کو حفاظت قوم کا فکر	۱۳۰
قبائل عرب میں جوش	۱۳۱
اسلام کی تبلیغ اور مشکلات	۱۳۲
بئر معونہ اور ستر قاریوں کا قتل	۱۳۲
واقعہ رجیع اور دس قاریوں کا قتل	۱۳۳
بددعا سے روکا جانا	۱۳۴
بدر صغریٰ	۱۳۵
چھوٹے چھوٹے غزوات	۱۳۵
غزوہ بنی المصطلق	۱۳۵
جویریہؓ سے نکاح	۱۳۶
۱۸- جنگ احزاب ۱۳۷-۱۴۱	
قبائل عرب کا اجتماع	۱۳۷
خندق کا کھودنا	۱۳۸

مضمون	صفحہ
آنحضرت صلعم اور صحابہ مزدوروں میں	۱۳۸
فارس و روم کی فتح کی خوشخبری	۱۳۹
فوجوں کا ٹڈی دل	۱۴۰
مومنوں کا ایمان	۱۴۰
محاصر فوج کا رات کو بھاگنا	۱۴۱
۱۹۔ یہودیوں اور مسلمانوں کے تعلقات ۱۴۲-۱۴۸	
یہود کا حسد اور شرارتیں	۱۴۲
بنی قینقاع کی جلاوطنی	۱۴۳
بنی نضیر کا مقابلہ اور جلاوطنی	۱۴۳
بنی قریظہ اور حکم کا توریت پر فیصلہ	۱۴۵
جنگ خیبر	۱۴۵
آنحضرت صلعم کو زہر دینے کی کوشش	۱۴۷
صفیہؓ سے شادی	۱۴۷
۲۰۔ صلح حدیبیہ ۱۴۹-۱۵۹	
اسلام کی حیرتناک قوت مقابلہ	۱۴۹
آنحضرت کا بارادہ حج نکلنا	۱۵۰
حدیبیہ پر رکاوٹ	۱۵۱
شرائط صلح	۱۵۲
ابوجندل کا واقعہ	۱۵۳
حضرت عمر کا اعتراض	۱۵۳
فتح مبین	۱۵۴
میل جول سے اسلام کی ترقی	۱۵۵
اسلام کی زبردست کشش کا ثبوت	۱۵۶
آنحضرت صلعم کا ایفائے عہد	۱۵۸

مضمون	صفحہ
مظلوم مسلمانوں کی نوآبادی	۱۵۹
۲۱۔ بادشاہوں کو دعوت ۱۶۰-۱۶۵	
ساری دنیا میں پیغام پہنچانے کی بنیاد	۱۶۰
مقوقس کے نام خط	۱۶۰
قیصر کے نام خط	۱۶۱
اتحاد مذاہب کی بنیاد	۱۶۲
کسریٰ کے نام خط	۱۶۲
گورنر یمن کا سپاہی بھیجنا	۱۶۲
نجاشی کے نام خط	۱۶۳
موتہ کی جنگ اور ایک غلام کی کمانڈ	۱۶۳
آنحضرت کا یقین اسلام کی آخری کامیابی پر	۱۶۴
مہر نبوی	۱۶۵
۲۲۔ فتح مکہ ۱۶۶-۱۷۳	
قریش کی عہد شکنی	۱۶۶
مکہ پر چڑھائی	۱۶۷
رحم مجسم	۱۶۸
آپ کا اعلان اہل مکہ کے لئے	۱۶۸
عکرمہ اور خالد کا مقابلہ	۱۶۹
خانہ کعبہ کی بتوں سے آخری تطہیر	۱۶۹
آپ کا خطبہ	۱۷۰
بینظیر عفو	۱۷۰
قبولیت اسلام	۱۷۲
تلوار سے مسلمان کرنے کا الزام اور دشمن کا اعتراف	۱۷۳
۲۳۔ جنگ حنین اور واقعات متعلقہ ۱۷۴-۱۸۱	

مضمون	صفحہ
ہوازن کا اجتماع	۱۷۴
کثرت فوج اور سامان جنگ کی افراط	۱۷۴
مسلمانوں کے قدم اکھڑنا اور آنحضرتؐ کا استقلال	۱۷۵
طائف کا محاصرہ	۱۷۶
ثقیف کے لئے دعا	۱۷۷
اسلامی جنگوں کی غرض	۱۷۷
آپ کا رضاعی بہن کا احترام	۱۷۸
چھ ہزار قیدیوں کا بلا فدیہ آزاد کرنا	۱۷۹
تالیف قلوب اور انصار کی محبت	۱۸۰
۲۴۔ ملک عرب میں اسلام کا چرچا	**۱۸۲۔۱۸۵**
قریش کی مخالفت کی ناکامی کا اثر	۱۸۲
وفد بنی تمیم	۱۸۳
بنی طے	۱۸۳
حاتم طائی کی بیٹی سے حسن سلوک	۱۸۴
کعب بن زہیر کا اسلام	۱۸۴
وفود کا آنا اور تعلیم کا انتظام	۱۸۵
۲۵۔ جنگ تبوک	**۱۸۶۔۱۸۹**
سلطنت روما کے غلبہ کی پیشینگوئی	۱۸۶
پرستاران صلیب کی ناشکرگزاری	۱۸۷
مشکلات مہم تبوک	۱۸۷
آپ کا بغیر جنگ کے واپس آنا	۱۸۸
ملک گیری آپ کے مدنظر نہ تھی	۱۸۹
۲۶۔ منافق اور ان کا انجام	**۱۹۰۔۱۹۴**
منافق اور عبداللہ بن ابی	۱۹۰
منافقوں کی اسلام کو نابود کرنے کی کوششیں	۱۹۱
مسجد ضرار	۱۹۲
عبداللہ بن ابی جیسے دشمن پر رحم	۱۹۳
منافقوں کا انجام	۱۹۳
۲۷۔ وفدوں کا سال	**۱۹۵۔۱۹۹**
عروہ کا اسلام اور اہل طائف کی شرارت	۱۹۵
ان کا وفد	۱۹۶
یمن مہرہ عمان بحرین یمامہ کے وفد	۱۹۶
بنی تغلب کا عیسائی وفد	۱۹۷
نجران کا عیسائی وفد	۱۹۷
وفد بجیلہ	۱۹۸
وائل اور اشعث	۱۹۸
عامر ابن الطفیل کا واقعہ	۱۹۸
اطراف عرب میں اسلام کا چرچا	۱۹۹
۲۸۔ حجۃ الوداع	**۲۰۰۔۲۰۳**
نویں سال کے بعد مشرکین کا حج میں نہ آنا	۲۰۰
حجۃ الوداع کا نظارہ	۲۰۰
جبل عرفات پر خطبہ اور مساوات حقوق انسانی	۲۰۱
۲۹۔ وفات نبی کریم صلعم	**۲۰۴۔۲۰۷**
اسامہ کا لشکر اور آپ کی بیماری	۲۰۴
ابوبکرؓ کو امام مقرر کرنا	۲۰۵
آپ کی وفات	۲۰۶
عمرؓ کا انکار اور حضرت ابوبکرؓ کا خطبہ	۲۰۶
۳۰۔ ازواج مطہرات	**۲۰۸۔۲۲۲**

مضمون	صفحہ
پچاس سال کی عمر تک ایک ہی بی بی	۲۰۸
حضرت عائشہ سے نکاح	۲۰۸
سودہ سے نکاح	۲۰۹
حفصہ سے نکاح	۲۰۱
زینب بنت خزیمہ سے نکاح	۲۰۹
ام سلمہ سے نکاح	۲۰۹
زینب بنت امیم سے نکاح	۲۰۹
جویریہ سے نکاح	۲۱۰
ام حبیبہ سے نکاح	۲۱۰
صفیہ سے نکاح	۲۱۰
ماریہ قبطیہ	۲۱۰
میمونہ	۲۱۱
ایک سے زیادہ بیبیوں کا نمونہ پیغمبروں میں	۲۱۱
عالمگیر مذہب کے بانی کی ضروریات	۲۱۲
شہوات اور جذبات پر آپ کا غلبہ	۲۱۳
شادیوں کی غرض	۲۱۵
خاص وجوہات۔ مردوں کی قلت	۲۱۸
مصلحت ملکی کا تقاضا	۲۱۹
طلاق کے نام سے بدنامی کا دور کرنا	۲۱۹
اپنی اور غیر قوموں کی عورتوں کو برابر مرتبہ دینا	۲۲۱
۳۱۔ آنحضرت صلعم کے عادات و اخلاق۔ ۲۲۳۔ ۲۳۷	
اخلاق قرآنی کی مجسم تصویر	۲۲۳
سادگی اور اخلاص ہر قسم کا کام کر لینا	۲۲۳
بے تکلفی	۲۲۴

مضمون	صفحہ
کھانا کھانے کے عادات	۲۲۵
لباس کی سادگی اور صفائی	۲۲۶
دوستوں سے تعلقات	۲۲۷
دشمنوں سے فیاضی	۲۲۸
انصاف	۲۲۹
بڑائی سے احتراز	۲۳۰
غربا کی ہمدردی اور مظلوموں کی حمایت	۲۳۱
مہمان نوازی	۲۳۲
کلام میں نرمی اور محبت	۲۳۲
امانت۔ صدق۔ راستبازی	۲۳۲
عفت۔ عفو	۲۳۳
حیا	۲۳۴
رافت و رحمت	۲۳۵
بڑوں اور چھوٹوں کی عزت	۲۳۵
اولاد کی عزت	۲۳۶
فروتنی۔ حلم۔ شجاعت۔ استقلال	۲۳۶
۳۲۔ مصلحین عالم میں آپ کو ممتاز کرنیوالے امور۔ ۲۳۸۔ ۲۴۸	
بے نظیر کامیابی	۲۳۸
تمام قوموں کی طرف اور آخر دنیا تک مبعوث ہونا	۲۴۰
قومی اور ملکی قیود کو توڑنا	۲۴۲
فطرت انسانی کی تمام شاخوں کی تربیت کرنا	۲۴۳
ہر قسم کے کمالات کو جمع کرنا	۲۴۳
کمالات نبوی کا حالات زمانہ سے بلند ہونا	۲۴۵
انسانوں قوموں اور مذاہب میں عظیم الشان صلح کی بنیاد	۲۴۷

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ؕ

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ ؕ

پہلا باب

مُلک عرب اور اہل عرب

اِنَّ اَوَّلَ بَیۡتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیۡ بِبَکَّۃَ مُبٰرَکًا وَّھُدًی لِّلۡعٰلَمِیۡنَ (آل عمران-۹۵)

پُرانی دنیا یعنی ایشیا افریقہ اور یورپ کے وسط میں وہ مُلک ہے جو جزیرۃُ العرب کے نام سے موسوم ہے۔ گویا دنیائے قدیم کے لئے یہ بمنزلۂ قلب ہے اسی ملک سے دُنیا کے آخری مذہبی رہبر حضرت محمد مصطفٰے احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلّم کا ظہور ہوا۔ اس کے جنوب میں بحر ہند مشرق میں خلیج فارس اور دریائے دجلہ وفرات جو شمال تک چلے گئے ہیں اور مغرب میں بحیرہ احمر اور بحیرہ روم ہیں۔ اور یوں اسکے قریبًا چاروں طرف سمندر اور دریا ہیں اور یہی وجہ ہے کہ مؤرخین اور جغرافیہ نویسوں نے اس کو جزیرہ نما نہیں بلکہ جزیرہ قرار دیا ہے اور عراق عرب اور عرب شام کو اس جزیرہ کے اندر شامل کیا ہے۔ جو موجودہ عرب کے نقشہ میں الگ نظر آتے ہیں۔ اور جن کو نکالکر

عرب کا رقبہ ۱۲ لاکھ مربع میل ہے۔ اس میں سے ایک تہائی ریگستان ہیں جن میں سے سب سے بڑا وہ ریگستان ہے جو ملک کے جنوب میں عین وسط میں واقع ہے اور رُبع خالی یا الدَّھنا کے نام سے مشہور ہے اس کا رقبہ اڑھائی لاکھ مربع میل ہے۔ ملک عرب میں کوئی دریا نہیں چھوٹے چھوٹے نالے ہیں جو ریگستان میں غائب ہو جاتے یا سمندر میں گرتے ہیں ملک کے عین بیچوں بیچ جنوب سے شمال تک ایک سلسلۂ کوہستان چلا گیا ہے جس کا نام جَبَل السَّراۃ ہے اس کی سب سے بڑی چوٹی آٹھ ہزار فٹ بلند ہے۔ عرب کی سب سے بڑی پیداوار کھجور ہے۔ قدیم زمانہ میں عرب سونے چاندی جواہرات اور خوشبودار مصالح کے لئے مشہور تھا۔ اونٹ یہاں کا نہایت قیمتی اور مفید جانور ہے اور خوبصورتی اور تیزی اور جفاکشی میں عرب کے برابر گھوڑے دنیا میں نہیں ملتے۔

وہ قطعۂ ملک جو اب عرب کے نام سے موسوم ہے اس میں درحقیقت وہ حصص بھی شامل ہیں جو اب تقسیم ملکی میں عرب سے علیحدہ نظر آتے ہیں یعنی عراق عرب اور عرب شام۔ عراق عرب ملک ایران سے ملتا ہوا حصہ ہے جس میں حضرت عمرؓ کے زمانہ میں شہر بصرہ اور کوفہ آباد ہوئے جو اس زمانہ میں اور بعد میں اسلامی علوم کے مرکز رہے۔ عرب شام شمالی حصہ ہے جو فی الحقیقت حلب تک چلا گیا ہے۔ اسی لئے عرب جغرافیہ نویسوں نے ملک عرب کی شمالی حد نہر فرات کو قرار دیا ہے۔ اسی حصہ میں کوہ سینا ہے جہاں حضرت موسےٰ پر نزول وحی ہوا۔ اس حصہ میں عمالقہ عرب کی کسی زمانہ میں عظیم الشان حکومت تھی۔

دوسرے بڑے بڑے حصے یا صوبے حسب ذیل ہیں یعنی اول حجاز یا وہ سرزمین جس میں حرم کی مقدس زمین ہے یعنی وہ زمین جو ہمیشہ سے سارے ملک میں خاص عزت کا مقام چلا آیا ہے اور جس کی حدود کے اندر جنگ کرنی یا جنگ جاری رکھنی منع تھی۔ اسی زمین حرم میں خانہ کعبہ واقع ہے۔ توریت میں اس کو فاران کے نام سے پکارا گیا ہے۔ اس کے تین بڑے شہر مکہ معظمہ مدینہ منورہ اور طائف ہیں۔ یہ صوبہ مستطیل کی صورت میں بحر احمر کے ساتھ

ساتھ چلا گیا ہے۔ اور اس میں دو بڑے بندرگاہ واقع ہیں یعنی جدّہ جہاں سے مکہ معظمہ کو جاتے ہیں اور ینبوع جہاں سے مدینہ منورہ کو جاتے ہیں۔ مشرق کی طرف یہ صوبہ نجد سے ملا ہوا ہے۔ اور اس کے جنوب میں عسیر ہے جو یمن کا ایک حصہ ہے ✦

دوسرا بڑا صوبہ یمن ہے۔ جو عرب کے جنوب میں واقع ہے۔ حضر موت اور احقاف بھی درحقیقت اسی کے حصے ہیں۔ سرزمین یمن عرب میں سب سے زیادہ سرسبز اور شاداب ہے اور سب سے زیادہ اس کا متمدن حصہ رہا ہے۔ اب بھی بڑی بڑی عمارتوں کے کچھ کھنڈرات یہاں پائے جاتے ہیں ترقی زراعت کے لئے یہاں کوہستان سے اترنے والے چشموں کے پانی کو روکنے کے لئے بڑے بڑے بند بنائے گئے جن میں سب سے زیادہ مشہور سدِ مأرب ہے جس کی تباہی کا ذکر قرآن شریف میں بھی ہے۔ معدنیات جواہر اور بخورات وغیرہ جن کے سبب سے عرب کسی زمانہ میں مشہور تھا یہی ان کی تجارت کا مرکز تھا۔ عاد کی عظیم الشان سلطنت جس کا ذکر قرآن شریف میں آتا ہے یہیں قایم تھی۔ یہ خاص حصہ احقاف کے نام سے مشہور ہے۔ حضر موت یمن کا وہ حصہ ہے جو انتہائے جنوب میں ساحل بحر ہند کے ساتھ ساتھ واقع ہے یمن کا دار الخلافہ صنعاء ہے اور عدن کی مشہور بندرگاہ بھی اسی صوبہ میں ہے صنعاء کے شمال کی طرف نجران ہے جہاں عیسائیت اسلام کے آنے سے پہلے پھیل گئی تھی یہیں کا وہ مشہور مسیحی وفد ہے جو نبی کریم صلعم کی خدمت میں حاضر ہوا اور جس کو مسجد نبوی میں ٹھہرنے کی جگہ دی گئی نجران کے شمال کو عسیر ہے ✦

تیسرا بڑا حصہ نجد ہے جو جبل السراۃ سے وسط ملک عرب میں مشرق کو چلا گیا ہے۔ یہ ایک سطح مرتفع ہے جو سمندر سے تین چار ہزار فٹ بلند ہے۔ اور نہایت سرسبز و شاداب قطعہ ہے یہاں قبیلہ غطفان آباد تھا جس کی تادیب کے لئے ایک دفعہ آنحضرت صلعم کو بھی ایک غزوہ میں وہاں جانا پڑا۔ نجد کے تین طرف صحرا ہے یعنی مغرب شمال اور مشرق۔ اور اس کے جنوب میں یمامہ ہے بنو حنیفہ جن میں مسیلمہ کذاب پیدا ہوا یہیں کے رہنے والے تھے ✦

ملک عرب کے مشرق میں جنوب کی طرف بحر عُمان کے ساتھ ساتھ کا قطعہ زمین عُمان کے نام سے موسوم ہے جس کا پایۂ تخت مُسقط ہے جہاں اب ایک برائے نام الگ سلطان مُسقط ہے اور اس کے شمال کو خلیج فارس کے ساتھ ساتھ وہ علاقہ ہے جو بحرین کے نام سے مشہور ہے اس کو الاحساء بھی کہا جاتا ہے۔ اور یہ جگہ موتیوں کے لئے مشہور ہے۔ اس کے ساتھ ہی حیرہ ہے جو کسی زمانہ میں ایک سلطنت تھی ٭

دوسرے قابل ذکر مقامات میں سے حجر ہے۔ جہاں حضرت صالح کی قوم ثمود آباد تھی یہ مدینہ سے جانب شمال واقع ہے۔ جنگ تبوک کو جاتے وقت نبی کریم صلعم کا یہاں سے گزر ہوا۔ اب تبوک اور حجر دونوں حجاز ریلوے پر سٹیشن ہیں۔ حجر کے مغرب کو مدین واقع ہے جو حضرت شعیب کا مقام ہے۔ مدینہ منورہ کے شمال میں ایک مشہور مقام خیبر ہے جو یہودیوں کا مرکز تھا۔ اور جہاں ان کے بڑے بڑے مضبوط قلعے اور اپنی حکومت تھی غزوہ خیبر میں نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم یہاں تشریف لے گئے ٭

جیسا کہ اوپر ذکر ہوا صوبۂ حجاز کے تین بڑے شہر مکّہ۔ مدینہ اور طائف ہیں طائف کی شہرت اس لئے ہے کہ وہ ایک سرسبز اور ٹھنڈی جگہ دامن کوہ میں ہے جہاں پانی کے چشموں اور پھلوں کی بہتات ہے۔ یہ مکّہ معظّمہ سے مشرق کی طرف قدرے جنوب کو واقع ہے عموماً امرائے حجاز گرمیاں طائف میں بسر کرتے ہیں۔ مگر حجاز کے نامور شہر مکّہ معظّمہ اور مدینہ منورہ ہیں۔ مکّہ کو بکّہ بھی کہا جاتا ہے اور اُمّ القُریٰ کے نام سے بھی یہ موسوم ہے جس کے معنی ہیں بستیوں کی ماں۔ اس کے چاروں طرف پہاڑیاں ہیں اور اس کی موجودہ آبادی کوئی پچاس ہزار کے قریب ہے۔ یہ قدیم زمانہ سے عرب کا دارالخلافہ چلا آتا ہے۔ نہ اس لحاظ سے کہ سارے عرب میں کبھی ایک سلطنت قائم تھی بلکہ اس لحاظ سے کہ وہ روحانی اور مذہبی رنگ میں کل عرب کا مرجع چلا آتا ہے جس کی وجہ اس میں خانہ کعبہ کا ہونا ہے جو ایسے قدیم زمانہ سے جس سے پرے تاریخ کچھ پتہ نہیں دیتی سارے عرب کے لئے زیارت کا مقام رہا ہے چنانچہ سرولیم میور

نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سوانح میں ذیل کے الفاظ اس کے متعلق لکھے ہیں :-

"مکہ کے مذہب کی نمایاں خصوصیات کی ابتدا کے لئے ایک نہایت ہی قدیم زمانہ تجویز کرنا پڑتا ہے ڈائیڈورس سکولس سنہ عیسوی سے نصف صدی پیشتر لکھتا ہوا عرب کا ذکر کرتے ہوئے جو بحیرہ احمر پر واقع ہے لکھتا ہے کہ اس ملک میں ایک معبد ہے جس کی عرب لوگ بہت ہی عزت کرتے ہیں۔ ان الفاظ میں یقیناً خانہ کعبہ کا جو مکہ میں ہے ذکر کیا گیا ہے کیونکہ اور کسی معبد کا عرب میں نام بھی نہیں جس کی عزت عرب میں عام طور پر ہوتی ہو زبانی روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ قدیم ترین زمانہ سے خانہ کعبہ کا حج عرب کے ہر گوشہ کے لوگ کرتے رہے ہیں یمن اور حضرموت سے خلیج فارس کے کنارہ سے شام کے صحرا سے حیرہ اور عراق عرب سے لوگ ہر سال مکہ میں جمع ہوتے ہوئے پائے جاتے ہیں[ل] اس قدر عام طور پر سارے ملک کے اندر اس عزت کا حاصل ہونا یقیناً ایک ایسے قدیم زمانہ سے ہونا چاہئے جس کے پرے کوئی اور قدیم زمانہ تجویز نہیں ہو سکتا۔"

سر ولیم میور نے روایات اور تاریخ کی بنا پر خانہ کعبہ کی قدامت کو ثابت کیا ہے۔ قرآن شریف میں جہاں اس پاک گھر کا ذکر آتا ہے اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے چنانچہ آیت مندرجہ عنوان میں خانہ کعبہ کو اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ کہا گیا ہے یعنی سب سے پہلا گھر جو دنیا میں خدا کی عبادت کے لئے مقرر کیا گیا۔ گویا اسی گھر سے سب سے پہلے چراغ نبوت روشن ہوا اور عجیب بات ہے کہ بالآخر اسی سے ختم نبوت کا آفتاب بھی طلوع ہوا۔ اسی گھر سے مکہ کی عزت ہے۔ قدیم زمانہ میں جو تجارت یمن اور ملک شام میں تھی جس کا زمانہ حضرت مسیح سے کوئی اڑھائی ہزار برس پیشتر ہے اس وقت یہ بھی کاروان کی ایک منزل گاہ تھی۔ قرآن شریف سے ہی یہ بھی ثابت ہے کہ حضرت ابراہیم سے بھی پہلے یہ مقدس گھر دہاں موجود تھا۔ چنانچہ جب حضرت ابراہیم نے حضرت اسمٰعیل کو جو اس وقت ایک چھوٹا بچہ تھا۔

ل سر ولیم میور کے اس بیان سے جس میں عراق عرب اور صحرائے شام سے لوگوں کا مکہ معظمہ میں جمع ہونا تسلیم کیا گیا ہے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ عراق عرب اور شام ملک عرب کے ہی حصے تھے اور ان کو عرب سے علیحدہ کرنا غلطی ہے ۱۲

وہاں چھوڑا تو آپ بارگاہ الٰہی میں یوں عرض کرتے ہیں رَبَّنَآ اِنِّیٓ اَسْکَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ بِوَادٍ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ عِنْدَ بَیْتِکَ الْمُحَرَّمِ اے ہمارے رب میں نے اپنی نسل کا حصہ ایک غیر آباد وادی میں تیرے عزت والے گھر کے پاس بسایا ہے پس معلوم ہوا کہ خانہ کعبہ اس وقت بھی وہاں موجود تھا +

مدینہ منورہ کا پہلا نام یثرب تھا - آنحضرت صلعم کے یہاں تشریف لانے پر اس کا نام مَدِیْنَۃُ النَّبِی - المدینہ - یا مدینہ ہو گیا - یہ شہر بھی قدیم ہے بعض قرآن تاریخی سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ۱۶۰۰ء قبل مسیح سے پہلے کا بنا ہوا ہے اور اول اس میں عمالیق آباد ہوئے - ان کے بعد یہودی اور اوس اور خزرج جو ایک ہی قحطانی قبیلہ کی دو شاخیں تھیں یہاں آباد ہوئے نبی کریم صلعم کی تشریف آوری پر یہی دو قومیں اور یہودی وہاں آباد تھے - اور انہی دو قوموں نے انصار کا نام بارگاہ الٰہی سے پایا - اپنی بعثت سے تیرھویں سال میں نبی کریم صلعم مکہ معظمہ سے ہجرت کر کے مدینہ آگئے اور یہیں وفات پائی یہیں آپ کا روضہ مبارک ہے مدینہ مکہ سے ۲۷۰ میل شمال کی جانب واقع ہے اور مکہ کی طرح بالکل خشک نہیں - یہاں زراعت بھی ہوتی ہے اور میوہ دار درخت بھی بہت ہیں - موسم سرما میں مکہ معظمہ کی نسبت سردی بھی زیادہ ہوتی ہے +

عرب کی قدیم ترین قومیں جن کا پتہ چلتا ہے - عاد - ثمود - طسم - جدیس ہیں جن میں سے عاد و ثمود کا نام قرآن شریف میں آتا ہے - یہ سب سے پرانی قومیں عرب بائدہ کے نام سے مشہور ہیں - قوم نوح کی تباہی کے بعد قوم عاد کا بڑا عروج ہوا - یہاں تک کہ اس قوم کی آبادیاں عرب سے باہر دور دور تک پھیل گئیں بابل اور مصر تک بلکہ اور کئی مقامات میں ان کا پھیل جانا ثابت ہوتا ہے گویا ان کا عروج عرب میں اور عرب سے باہر بھی تھا - اس قوم کی تباہی کے بعد قوم ثمود نے ترقی پکڑی +

ان کے بعد بنو قحطان کا عروج ہوا ان کا اصل وطن یمن تھا - اور انہوں نے بھی اپنے زمانہ میں بڑی طاقت اور اقتدار حاصل کیا - انہی میں سے اوس اور خزرج تھے -

یہ سب قومیں عرب عاربہ یا پرانے عرب کہلاتے ہیں۔

سب سے آخر حضرت اسمٰعیل آئے جن کی اولاد عرب مستعربہ کے نام سے مشہور ہوئی۔ حضرت اسمٰعیل کو ان کے والد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حکم الٰہی کے ماتحت مع ان کی والدہ حضرت ہاجرہ کے اس مقام پر چھوڑا جہاں خانہ کعبہ ہے۔ یہ بات درست نہیں کہ حضرت ابراہیم نے حضرت سارہ کے کہنے پر حضرت ہاجرہ اور اسمٰعیل کو گھر سے نکال دیا تھا۔ بلکہ حدیث نبوی سے بالصراحت ثابت ہے کہ جب حضرت ابراہیم نے ان کو وہاں چھوڑا تو حضرت ہاجرہ نے دریافت کیا کہ کیا آپ ہم کو خدا کے حکم سے یہاں چھوڑتے ہیں تو آپ نے جواب دیا ہاں۔ قرآن شریف سے بھی یہی ثابت ہے۔ پھر اس کے بعد باپ اور بیٹے نے حکم الٰہی پاکر خانہ کعبہ کی جو معلوم ہوتا ہے کہ ویران ہو چکا تھا از سر نو تعمیر کی اور دونوں نے مل کر وہ دعا کی جس کا ذکر قرآن شریف میں ہے رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ جس کی وجہ سے ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دعائے ابراہیم کہلائے۔ حضرت اسمٰعیل کی اولاد بہت بڑھی اور مختلف قبایل میں تقسیم ہو گئی انہی میں سے ایک قبیلہ قریش کے نام سے مشہور ہے جس کا نام قرآن شریف میں بھی آتا ہے اسی قبیلہ میں سے جس کی پھر کئی شاخیں ہیں ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خاندان بنو ہاشم میں پیدا ہوئے

دُوسرا باب

زمانۂ جاہلیت

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ (الروم - ۴۱)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور سے پہلے زمانہ کا نام قرآن کریم نے زمانہ جاہلیت رکھا ہے۔ اور یوں ایک لفظ میں وہ نقشہ کھینچ دیا ہے جس کی تفصیلات پر کئی کتابیں لکھی جا سکتی ہیں۔ اور اس حالت کو صرف عرب کے بت پرستوں سے مخصوص نہیں کیا بلکہ اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ کی حالت کو بھی ایسا ہی بیان کیا ہے اور پھر صرف مُلک عرب کی ہی نہیں بلکہ تمام دُنیا کی حالت کو ایک بگڑی ہوئی حالت قرار دیا ہے جیسا کہ فرمایا ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ خشکی اور تری میں یعنی کل روئے زمین پر فساد پھیل گیا۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس سے پہلے دنیا میں کبھی تہذیب کی حالت ہی پیدا نہیں ہوئی بلکہ جو کچھ تہذیب اور اخلاق مختلف قوموں اور ملکوں میں اللہ تعالےٰ کے انبیاء لاتے رہے اس پر ایک لمبا زمانہ گزر کر اب وہ حالت تبدیل ہو چکی تھی اور تمام دُنیا حقیقی تہذیب سے دُور پڑی ہوئی تھی۔ گو یہ لفظ ملک عرب کے ایک اُمّی کے مُنہ سے نکلے کہ تمام روئے زمین پر اس وقت فساد پھیل گیا ہے جسے نہ دُنیا کے ملکوں کی حالت کے دیکھنے کا موقع ملا۔ نہ اس زمانہ میں کوئی کتابیں یا اخبار تھیں جو دنیا کا یہ نقشہ کھینچ دیتیں مگر آج تاریخ کے صفحات کو اُلٹنے سے اس کلام کی صداقت ایک اعجاز کے رنگ میں ظاہر ہوتی ہے۔ یورپ تو اس وقت واقعی وحشیانہ حالت میں تھا ہاں اس کا جنوب مشرقی حصہ ایک عظیم الشان متمدّن سلطنت کا مرکز تھا۔ جسے رومی سلطنت کہا جاتا ہے اور یہ سلطنت عیسائی تھی۔ دُنیا کے تراعظوں

میں سے ایک ایشیا ہی تھا جس میں تہذیب کی روشنی کچھ نمایاں اثر دکھا چکی تھی لیکن اس کے مختلف ممالک کی حالت کو جب دیکھا جاتا ہے تو وہ بھی زمانہ جاہلیت کا ہی نقشہ دکھاتی ہے۔ ہندوستان جو قدیم مشرقی تہذیب کا مرکز تھا اس وقت کی اس کی اخلاقی حالت کا اندازہ اسی سے ہو سکتا ہے کہ نہایت گندی اور ذلیل حرکات اور فحش کام دیوتاؤں اور پاک اور نیک لوگوں کی طرف منسوب کئے جاتے تھے۔ جس سے صرف یہ اندازہ ہو سکتا ہے کہ بدی کا دور دورہ کس قدر زور پر تھا کہ نیکوں کی طرف بھی بُری باتیں منسوب کی جانے لگیں یہی حالت ممالک ایران کی تھی: اور اس کی وجہ یہ تھی کہ مقدس اور راستباز انسانوں کو گزرے ہوئے ایک لمبا زمانہ گزر گیا تھا۔ جیسا کہ قرآن شریف نے فرمایا فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْأَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوبُهُمْ ان پر ایک لمبا زمانہ گزر گیا اس لئے ان کے دل سخت ہو گئے +

آنحضرت صلعم سے قریب ترنبی بلحاظ زمانہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔ اس لئے اگر کچھ نیکی اور تہذیب اخلاق کا اثر نظر آسکتا تھا تو عیسائی مذہب میں ہی سب سے بڑھ کر توقع ہو سکتی تھی۔ مگر اس وقت کی عیسائیت کی کیا حالت تھی؟ اس پر بہترین شہادت عیسائی مورخین کی ہی ہو سکتی ہے۔ اس زمانہ کی حالت کا نقشہ کھینچتے ہوئے ایک بشپ لکھتا ہے کہ اندرونی فسادوں کے سبب سے آسمانی سلطنت پوری ابتری بلکہ عین دوزخ کا نمونہ ہو رہی تھی۔ سر ولیم میور نے بھی اسی کے قریب لکھا ہے:

"ساتویں صدی کی عیسائیت خود گری ہوئی اور بگڑی ہوئی تھی۔ اس کو باہم لڑنے جھگڑنے والے فرقوں نے نکما کر رکھا تھا۔ اور ابتدائی زمانہ کے پاک اور فراخ ایمان کی جگہ توہم پرستی کی بیہودگیوں نے لے لی تھی"۔ یہ نقشہ عیسائیت کا جو عیسائی مصنفین نے کھینچا ہے اس کی عامہ حالت کے متعلق ہے۔ توحید تو مدت سے رخصت ہو چکی تھی۔ تثلیث کے عقیدہ کی ایجاد نے بیشمار پیچیدگیاں پیدا کر دی تھیں۔ انسان کو

خدا یا خدا کو انسان بنانے کے لئے اور تین کو ایک اور ایک کو تین کرنے کے لئے مختلف فرقے اپنی ذہانت ایک دوسرے کے خلاف استعمال کرتے تھے۔ اور ایک طومار باہمی مباحثات کا ایسا پیدا ہو گیا جس نے انسانوں کو مذہب کی اصل غرض سے بہت دور ڈال دیا۔ چنانچہ سکندریہ کے مشہور کتبخانہ کے جلانے کا ذکر کرتے ہوئے گبن لکھتا ہے۔ کہ گو مسلمانوں کے زمانہ سے پہلے اس کا جل چکنا معلوم ہوتا ہے لیکن اگر جیسا کہا جاتا ہے حضرت عمرؓ کے حکم سے ہی اسے جلا یا گیا ہو اور اس آگ کے ذریعہ سے چھ ماہ تک سکندریہ کے حمام گرم کئے گئے ہوں تو ان لچر کتابوں کا اس سے بہتر مصرف اور کوئی نہ ہو سکتا تھا۔ عیسائیت کی مشہور بدیاں شراب خوری قمار بازی اور زنا اس وقت بھی اپنے پورے زور پر تھیں۔ چنانچہ مشہور مصنف ڈوزی نے حضرت علیؓ کا یہ فقرہ نقل کیا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ بنی تغلبؔ نے عیسائیت سے سوائے شراب خوری کے اور کچھ نہیں سیکھا۔ غرض عیسائی مذہب جو اس وقت دنیا کے مذاہب میں سب سے آخری مذہب تھا۔ اس کی حالت بھی بالکل گری گزری تھی اور اس کے اندر اخلاق کی اصلاح کا کوئی سامان باقی نہ رہا تھا۔ دنیا کی یہ عام حالت جس پر تاریخ گواہ ہے۔ قرآن کریم کے ان الفاظ کی صداقت کو واضح کرتی ہے جو عنوان میں درج ہیں۔ سب سے زیادہ غور طلب امر یہ ہے کہ خود عرب کی حالت اس وقت کیا تھی اور کیوں قرآن شریف نے اسلام کے ظہور سے پہلی حالت کا نام جاہلیت رکھا ہے ایک عیسائی مسلمانوں کے اس زمانہ کا نام ایام جاہلیت رکھنے پر ان پر غلط بیانی کا الزام لگاتا ہے اور کہتا ہے کہ عربوں کو فن تحریر کا علم حاصل تھا اور فن شاعری اپنے اوج پر تھا۔ اور اسلام سے پہلے کے اشعار اعلیٰ درجہ کی قابلیت اور کمال شاعری ظاہر کرتے ہیں۔ مگر یہ یاد رکھنا چاہئے کہ گو فن تحریر سے عرب لوگ ناواقف نہ تھے پھر بھی تحریر کا کام ان کے اندر

شاذونادر تھا حتیٰ کہ ان کے اشعار تک لکھے نہ جاتے تھے۔ اور جاہلیت کے کل اشعار سوائے مُعلّقات کے جس کو لکھ کر خانہ کعبہ پر آویزاں کیا گیا زبانی روایت سے ہی چلے آتے تھے۔ رہے اشعار سو شعر گوئی کو کبھی کسی نے معیار تہذیب قرار نہیں دیا۔ بلکہ ہر سوسائٹی کی ابتدائی حالت میں شعر کے ساتھ لوگوں کو خاص دلچسپی ہوتی ہے اور اس کی وجہ ظاہر ہے کہ اس وقت دلچسپی کے وہ دوسرے سامان موجود نہیں ہوتے جو تمدن و تہذیب سے پیدا ہوتے ہیں زبان کی خوبصورتی اشعار میں ہر زمانہ میں مل سکتی ہے مگر خیالات کی وسعت تہذیب سے پیدا ہوتی ہے۔ اور عرب کے اشعار خیالات کی وسعت کے زیور سے معرّا ہیں۔

اس میں بھی شک نہیں کہ عربوں میں بعض اوصاف حمیدہ بھی تھے۔ مہمان نوازی آزادی کی محبت۔ دلیری اور جوانمردی۔ قومی وفاداری۔ فیاضی وغیرہ کئی اوصاف میں وہ اُس وقت اپنی نظیر نہ رکھتے تھے۔ مگر چند اچھے اوصاف کا کسی قوم کے اندر پایا جانا جبکہ اس کے مقابلہ پر جاہلیت اور وحشیانہ حالت کمال کو پہنچی ہوئی ہو تہذیب نہیں کہلاتا۔ اگر کسی غریب مسافر کے ساتھ اعلیٰ درجہ کی مہمان نوازی کا سلوک ہوتا تھا۔ تو دوسری طرف راہ چلتوں کو لوٹ لینا بھی ان کا عام شیوہ تھا۔ قومی وفاداری بیشک ان میں ایک بڑی خوبی تھی مگر اسی کا یہ نتیجہ تھا کہ ادنیٰ ادنیٰ باتوں پر جہاں کسی قوم کے ایک فرد سے دوسری قوم کے کسی فرد کو کچھ خفیف سا نقصان پہنچ جاتا۔ یا وہ کسی معاملہ کو اپنی ہتک سمجھ لیتا۔ تو ایسی ایسی خونریز جنگیں چھڑ جاتیں جو قوموں کی قوموں کو نیست و نابود کر دیتیں اور قومی کینہ بیس بیس پچاس پچاس سال تک نہ جاتا۔ نیک اوصاف اس خطرناک اندھیری رات میں جو اسلام سے پہلے ملک پر چھائی ہوئی تھی کسی دھندلے سے ستارہ کی روشنی کی طرح تھے جو بادل پھٹ کر کہیں سے نظر آجاتا اور پھر آن کی آن میں غائب ہو جاتا ہے۔

عرب کی اصل حالت کیا تھی۔ اول مذہب کو لو۔ وہ ایک اللہ کو ضرور مانتے تھے

خدا یا خدا کو انسان بنانے کے لئے اور تین کو ایک اور ایک کو تین کرنے کے لئے مختلف فرقے اپنی ذہانت ایک دوسرے کے خلاف استعمال کرتے تھے۔ اور ایک طومار باہمی مباحثات کا ایسا پیدا ہو گیا جس نے انسانوں کو مذہب کی اصل غرض سے بہت دور ڈال دیا۔ چنانچہ سکندریہ کے مشہور کتبخانہ کے جلانے کا ذکر کرتے ہوئے گبن لکھتا ہے۔ کہ گو مسلمانوں کے زمانہ سے پہلے اس کا جل چکنا معلوم ہوتا ہے لیکن اگر جیسا کہا جاتا ہے حضرت عمرؓ کے حکم سے ہی اسے جلایا گیا ہو اور اس آگ کے ذریعہ سے چھ ماہ تک سکندریہ کے حمام گرم کئے گئے ہوں تو ان لچر کتابوں کا اس سے بہتر مصرف اور کوئی نہ ہو سکتا تھا۔ عیسائیت کی مشہور بدیاں شراب خوری قمار بازی اور زنا اس وقت بھی اپنے پورے زور پر تھیں۔ چنانچہ مشہور مصنف ڈوزی نے حضرت علیؓ کا یہ فقرہ نقل کیا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ بنی تغلب نے عیسائیت سے سوائے شراب خوری کے اور کچھ نہیں سیکھا۔ غرض عیسائی مذہب جو اس وقت دنیا کے مذاہب میں سب سے آخری مذہب تھا۔ اس کی حالت بھی بالکل گئی گزری تھی اور اس کے اندر اخلاق کی اصلاح کا کوئی سامان باقی نہ رہا تھا۔ دنیا کی یہ عام حالت جس پر تاریخ گواہ ہے۔ قرآن کریم کے ان الفاظ کی صداقت کو واضح کرتی ہے جو عنوان میں درج ہیں۔ سب سے زیادہ غور طلب امر یہ ہے کہ خود عرب کی حالت اس وقت کیا تھی اور کیوں قرآن شریف نے اسلام کے ظہور سے پہلی حالت کا نام جاہلیت رکھا ہے ایک عیسائی مسلمانوں کے اس زمانہ کا نام ایام جاہلیت رکھنے پر ان پر غلط بیانی کا الزام لگاتا ہے اور کہتا ہے کہ عربوں کو فن تحریر کا علم حاصل تھا اور فن شاعری اپنے اوج پر تھا۔ اور اسلام سے پہلے کے اشعار اعلیٰ درجہ کی قابلیت اور کمال شاعری ظاہر کرتے ہیں۔ مگر یہ یاد رکھنا چاہئے کہ گو فن تحریر سے عرب لوگ ناواقف نہ تھے پھر بھی تحریر کا کام ان کے اندر

شاذونادر تھا حتیٰ کہ ان کے اشعار تک لکھے نہ جاتے تھے۔ اور جاہلیت کے کل اشعار سوائے مُعلّقات کے جس کو لکھ کر خانہ کعبہ پر آویزاں کیا گیا زبانی روایت سے ہی چلے آتے تھے۔ رہے اشعار سو شعر گوئی کو بھی کسی نے معیار تہذیب قرار نہیں دیا۔ بلکہ ہر سوسائٹی کی ابتدائی حالت میں شعر کے ساتھ لوگوں کو خاص دلچسپی ہوتی ہے اور اس کی وجہ ظاہر ہے کہ اس وقت دلچسپی کے وہ دوسرے سامان موجود نہیں ہوتے جو تمدن و تہذیب سے پیدا ہوتے ہیں زبان کی خوبصورتی اشعار میں ہر زمانہ میں مل سکتی ہے مگر خیالات کی وسعت تہذیب سے پیدا ہوتی ہے۔ اور عرب کے اشعار خیالات کی وسعت کے زیور سے معرا ہیں ✦

اس میں بھی شک نہیں کہ عربوں میں بعض اوصاف حمیدہ بھی تھے۔ مہمان نوازی آزادی کی محبت۔ دلیری اور جوانمردی۔ قومی وفاداری۔ فیاضی وغیرہ کئی اوصاف میں وہ اُس وقت اپنی نظیر نہ رکھتے تھے۔ مگر چند اچھے اوصاف کا کسی قوم کے اندر پایا جانا جبکہ اس کے مقابلہ پر جاہلیت اور وحشیانہ حالت کمال کو پہنچی ہوئی ہو تہذیب نہیں کہلاتا۔ اگر کسی غریب مسافر کے ساتھ اعلیٰ درجہ کی مہمان نوازی کا سلوک ہوتا تھا۔ تو دوسری طرف راہ چلتوں کو لوٹ لینا بھی ان کا عام شیوہ تھا۔ قومی وفاداری بیشک ان میں ایک بڑی خوبی تھی مگر اسی کا یہ نتیجہ تھا کہ ادنیٰ ادنیٰ باتوں پر جہاں کسی قوم کے ایک فرد سے دوسری قوم کے کسی فرد کو کچھ خفیف سا نقصان پہنچ جاتا۔ یا وہ کسی معاملہ کو اپنی ہتک سمجھ لیتا۔ تو ایسی ایسی خونریز جنگیں چھڑ جاتیں جو قوموں کی قوموں کو نیست و نابود کر دیتیں اور قومی کینہ بیس بیس پچاس پچاس سال تک نہ جاتا۔ نیک اوصاف اس خطرناک اندھیری رات میں جو اسلام سے پہلے ملک پر چھائی ہوئی تھی کسی دھندلے سے ستارہ کی روشنی کی طرح تھے جو بادل پھٹ کر کہیں سے نظر آجاتا اور پھر آن کی آن میں غائب ہو جاتا ہے ✦

عرب کی اصل حالت کیا تھی۔ اول مذہب کو لو۔ وہ ایک اللہ کو ضرور مانتے تھے

مگر نہ عملی رنگ میں۔ خدا کی پرستش کی جگہ وہ بتوں کی پرستش کرتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ اللہ تعالیٰ نے مختلف کاموں کی انجام دہی مختلف بتوں اور دیویوں دیوتاؤں کے سپرد کر رکھی ہے۔ اس لئے وہ ہر بات میں انہی بتوں اور دیوتاؤں کی طرف رجوع کرتے تھے۔ پس ان کا ایک خدا کی ہستی کا عقیدہ عام طور پر بالکل بے معنی اور بیجان عقیدہ تھا پھر وہ نہ صرف بتوں کی پرستش کرتے تھے بلکہ ہوا سورج چاند ستاروں وغیرہ کی پرستش بھی ان میں ہوتی تھی۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ پتھروں درختوں ڈھیروں کی پرستش بھی کی جاتی تھی۔ جہاں کہیں ان کو اچھا اور خوبصورت سا پتھر نظر آ جائے اس کو سجدہ کرتے اور اگر پتھر نہ ملتا تو ریت کے ایک ڈھیر پر اونٹنی کا دودھ دوہ کر اس کی پرستش کرتے۔ فرشتوں کو وہ دیویاں سمجھ کر ان کو خدا کی بیٹیاں قرار دیتے تھے۔ بڑے بڑے نامور اشخاص کے نام پر بھی بت تراش کر ان کی پوجا کرتے تھے۔ اور صرف گھڑے ہوئے پتھروں ہی کی نہیں بلکہ بن گھڑے پتھروں کی بھی پوجا کرتے تھے جب سفر پر جاتے تو چار پتھر ساتھ لے جاتے کیونکہ ریگستانی علاقہ میں سیکڑوں میلوں تک پتھر بھی نہ مل سکتا تھا۔ ان چار پتھروں میں سے تین چولھے کا کام دیتے اور چوتھا پوجا پاٹ کے کام آتا۔ بعض وقت تین ہی پتھر ساتھ رکھ لیتے اور روٹی پکا کر جب چولھا فارغ ہوتا تو اسی کے پتھروں میں سے ایک کو اُٹھا کر اس کی پوجا کر لیتے۔ خانہ کعبہ کے تین سو ساٹھ بتوں کے علاوہ قبیلے اپنے بُت الگ بھی رکھتے تھے بلکہ ہر گھر میں الگ الگ بُت رہتا تھا۔ جہاں دودھ وغیرہ اشیا کے چڑھاوے چڑھتے تھے۔ اور وہاں پروہت کوئی نہ ہونے کی وجہ سے ان چیزوں کو کتے کھا جاتے تھے۔ غرض بت پرستی ان لوگوں کے خون کے اندر ایسی رچی ہوئی تھی کہ انکی روزمرہ زندگی کے تمام کاروبار پر اس کا اثر تھا۔ ان کا یہ اعتقاد تھا کہ اللہ تعالیٰ نے تمام کاروبار عالم کو اور اپنی قدرتوں کو جیسے بیمار کو شفا دینا۔ اولاد دینا قحط و وبا وغیرہ کا دُور کرنا دوسروں کے سپرد کر رکھا ہے۔ اور یہ بھی کہ بتوں کی پرستش سے خدا تعالیٰ کا قرب حاصل

ہوتا ہے۔ وہ بتوں کو سجدہ بھی کرتے تھے ان کے گرد طواف بھی کرتے تھے۔ ان پر قربانیاں کرتے تھے۔ کھیتوں کی پیداوار میں سے اور مویشیوں کی نسل میں سے ان کے لئے نذریں مانتے اور ان پر چڑھاوے چڑھاتے تھے۔ اس ذلیل کُن بت پرستی سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بیس سال کے عرصہ میں سارے ملک عرب کو آزاد کر دیا اور نہ صرف ہمیشہ کے لئے بُت پرستی ملک عرب سے رخصت ہوئی بلکہ توحید کی ایک ایسی آگ ان کے سینوں کے اندر لگا دی کہ وہ چاروں طرف دنیا میں پھیل گئے اور خدا کے نام کو ہر طرف بلند کیا۔ ایک انسان کی بدولت بت پرستوں کے ایک وسیع ملک نے بت شکن کا نام پایا۔ بارہ لاکھ مربع میل میں سے ایسی گہری اور دیرینہ بت پرستی کو بیس سال کے عرصہ میں ایسا نکالنا کہ پھر اس کا نام تک وہاں نہ آئے۔ اس کام کا کرنے والا واقعی خَیْرُ الْبَشَر کے نام کا مستحق ہے۔ گو بت پرستی اُن کا عام شیوہ تھا مگر ان میں بعض لوگ ستاروں کی پرستش بھی کرتے تھے اور اسی وجہ سے عرب میں یہ بھی عام عقیدہ ہو گیا تھا کہ ستاروں کی گردش کا اثر انسانوں کی قسمت پر پڑتا ہے۔ مینہ برسنا وغیرہ یہ تمام باتیں جو انسان کی بُرائی بھلائی سے تعلق رکھتی ہیں ان کو وہ ستاروں کی طرف منسوب کرتے تھے۔ ان میں لامذہب اور دہریہ لوگ بھی تھے۔ جہاں ایک طرف ذلیل ترین بُت پرستی نے عام طور پر لوگوں کو اپنا غلام بنایا ہوا تھا۔ ان میں بعض لوگ اللہ تعالیٰ کی ہستی رُوح کی بقا جزا و سزا کے مُنکر بھی تھے۔ اور مذہب کی کچھ بھی حیثیت نہ سمجھتے تھے۔ بلکہ خود بت پرست بعض وقت بتوں کے ساتھ اِستہزا کر لیتے تھے۔ چنانچہ مشہور شاعر امرء القیس کا قصہ لکھا ہے کہ جب اس کا باپ مارا گیا تو اس نے عربوں کے دستور کے مطابق بت کے سامنے جا کر فال نکالی کہ وہ اپنے باپ کے خون کا قصاص لے یا نہیں۔ فال نکالنے کا یہ دستور تھا کہ جب کبھی کوئی بڑا کام کرنا ہوتا تھا۔ تو تین تیر لئے جاتے تھے جن میں سے ایک پر لا لکھا ہوا ہوتا تھا یعنی نہیں دوسرے پر نعم یعنی ہاں تیسرا خالی ہوتا تھا۔ اگر لا والا تیر

نکلتا تو وہ کام نہ کیا جاتا نعم والا نکلتا تو کر لیا جاتا۔ خالی نکلتا تو پھر فال نکالی جاتی۔ جب امرءالقیس نے فال نکالی تو تین مرتبہ ہی لا والا تیر نکلا تب اس نے جھنجھلا کر تیر کو پھینک دیا اور بت کو مخاطب کرکے کہا کہ کمبخت اگر تیرا باپ مارا جاتا تو پھر تو قصاص کے لئے لو کا حکم نہ دیتا۔ ایک موقعہ پر یمن کے ایک بادشاہ نے عیسائی پادریوں کے عقیدہ کفارہ مسیح کو مخول میں اڑا کر ان کو شرمندہ کیا۔ چند پادری صاحبان بادشاہ کے دربار میں کفارہ کا عقیدہ بیان کر رہے تھے یعنی یہ کہ کیونکر مسیح جو خدا اور خدا کا بیٹا تھا صلیب کی لعنتی موت قبول کرکے انسانوں کے گناہوں کو لے گیا۔ کہ اتنے میں وزیر نے آہستہ سے بادشاہ کے کان میں کچھ بات کہی جس کو سن کر بادشاہ کی صورت پر بہت غم اور اداسی کی حالت چھا گئی۔ پادریوں نے حیران ہو کر پوچھا کہ حضور نے کیا غم کی خبر سنی ہے جو اس قدر ملال کے آثار آپ کے چہرہ پر نمودار ہو گئے۔ تو بادشاہ نے نہایت سنجیدگی سے کہا کہ مجھے ابھی خبر ملی ہے کہ میکائیل فرشتہ مر گیا۔ تب پادری صاحبان اپنی عقلمندی کا ثبوت دینے کے لئے فوراً بولے کہ حضور یہ خبر قابل اعتبار نہیں۔ آپ اس پر غمگین نہ ہوں کیونکہ فرشتے انسانوں کی طرح فانی نہیں ہوتے۔ بادشاہ نے فوراً جواب دیا کہ تم تو ابھی مجھے اس بات کے دلائل سنا رہے تھے کہ خدا مر گیا اگر فرشتہ نہیں مر سکتا تو خدا کس طرح مر سکتا ہے۔ پادری صاحبان کی منطق ختم ہو گئی اور شرمندہ ہو کر خاموش ہو رہے۔

اگر مذہب میں اہل عرب کی یہ حالت تھی اور نہایت ذلیل بت پرستی نے ان کو انسانیت کے مرتبہ سے گرا رکھا تھا تو باقی امور میں بھی ان کی حالت جاہلیت کے مرتبہ سے اوپر نہ تھی۔ تہذیب کا سب سے نمایاں اثر تمدن پر ہوتا ہے۔ لیکن اگر غور کیا جائے تو تمدن کے وہ ابتدائی اصولوں تک سے ناواقف تھے۔ اور تمدن ان میں پیدا کیونکر ہو سکتا جہاں شب و روز ایک دوسرے سے برسرپیکار رہتے تھے اور ایک لمحہ کے لئے بھی یہ اطمینان نہ تھا کہ فلاں قوم سے فلاں وقت جنگ نہ چھڑ جائے گی۔ اول

تو عرب کے لوگ اکثر بدوی تھے جو خانہ بدوشی کی حالت میں رہتے۔ جہاں مویشیوں کے لئے سبزی اور چارہ دیکھا۔ وہیں اونٹ کے چمڑے کا خیمہ لگایا اور کچھ دن بسر کرکے وہاں سے چارہ ختم ہوا دوسری جگہ جا ڈیرہ لگایا بہت تھوڑے لوگ دیہات کی صورت میں اور اس سے بھی تھوڑے شہروں میں آباد تھے۔ ایسی آبادی کے اندر تمدن کس طرح پیدا ہوتا پھر یہ نقص تھا کہ اتفاق کا نام تک نہیں۔ سارے ملک میں ایک حکومت تو ایک طرف رہی صوبوں کے اندر بھی جو حکومتیں تھیں وہاں بھی کوئی انتظام حق رسی کا نہ تھا۔ اپنا حق دوسرے سے لینے کے لئے صرف ان کی قوت بازو کام آتی تھی۔ ہر ایک قوم یا قبیلہ کا الگ سردار تھا جو ان کو وقت پر کسی دوسری قوم یا قبیلہ سے حق لینے کے لئے لڑائی کیلئے لے جاتا۔ قوم میں افراد اور ملک میں قومیں عموماً کسی قانون کے جوئے کے نیچے اپنی گردن کو نہ سمجھتی تھیں۔ ایک متعصب عیسائی آنحضرت صلعم کی زندگی کے واقعات لکھتا ہوا صاف الفاظ میں اس کا اعتراف کرتا ہے "سب سے پہلی خصوصیت جو ہماری توجہ کو کھینچتی ہے وہ عربوں کا بیشمار جتھوں میں تقسیم ہونا ہے۔ جو ایک ہی زبان کے بولنے والے اور اپنے حالات اور اطوار میں قریباً یکساں ہیں مگر ہر ایک بجائے خود خود مختار ہے کبھی اپنی حالت پر قانع نہیں اور اکثر ایک دوسرے کے ساتھ جنگ میں مشغول ہیں۔ بلکہ جہاں رشتہ داری کی وجہ سے یا کسی فائدہ کی غرض سے ایک قوم کے دوسری کے ساتھ تعلقات بھی پیدا ہوئے ہیں وہاں بھی چھوٹی چھوٹی باتوں پر تعلقات کے قطع کرنے اور جنگ کرنے کے لئے ہر وقت تیار بیٹھے ہیں۔ یہی حالت اسلام کے زمانہ تک چلی آئی ہے کہ کبھی کوئی سی دو قوموں میں اتفاق ہوا بھی ہے تو چند دنوں میں ہی وہ خطرناک جنگ میں مبتلا ہو گئی ہیں اور تمام کوششیں جو اسلام سے پہلے ان کے ایک کرنے کے لئے کی گئیں وہ بے سود اور ناکام ثابت ہوئیں"۔ قرآن شریف نے چھ لفظوں میں کیسا نقشہ اس بربادی

کا کھینچا ہے جس میں ملک عرب پڑا ہوا تھا کُنتُم عَلیٰ شَفَا حُفرَةٍ مِّنَ النَّارِ۔ تم آگ کے گڑھے کے کنارے پر تھے گویا بھسم ہی ہوا چاہتے تھے۔ جنگ شروع ہو جاتی تو پچاس پچاس سال تک چلی جاتی۔ اور ایک نسل تباہ ہو جاتی تو دوسری نسل انتقام کا جوش اپنے خون میں لئے ہوئے اُٹھتی۔ اور ایک اِستہزا کا کلمہ۔ گھوڑ دوڑ میں ذرا سی شرارت۔ ہزاروں انسانوں کی خونریزی کا باعث بن جاتی۔ اور پھر ان جنگوں میں جو کامل طور پر مغلوب ہو جاتے یا گرفتار ہو جاتے وہ فاتح قوم کے لونڈی غلام بن جاتے اور ان کی انسانیت کا خاتمہ ہوتا۔ اب ان کی کوئی حیثیت ہی باقی نہ تھی۔ پھر اس انسان کے احسان کو دیکھو جس نے پانچویں حصہ صدی میں مشرق سے مغرب اور شمال سے جنوب تک سب قوموں کو ایک ایسی وحدت کی لڑی میں پرو دیا کہ جس طرح عرب کی باہم خونریزیوں اور جنگوں کی نظیر نہیں ملتی اس وحدت کی بھی نظیر نہیں ملتی اس سے بڑھ کر نسل انسانی کا محسن اور کون ہو سکتا ہے وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَاءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖ اِخْوَانًا۔ اللہ کی نعمت اپنے اوپر یاد کرو جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے پھر اس کی نعمت سے بھائی بھائی بن گئے۔ وہ کیا طاقت تھی جس نے بجلی کی طرح خشک ریگستانوں اور ناقابل گزر پہاڑوں کو عبور کر کے ایک آن کی آن میں مُلک عرب کا نقشہ پلٹ دیا!

تمدن سے اُتر کر معاشرت کا پہلو قوم کی تہذیب یا جہالت کا فیصلہ کرتا ہے۔ سو اس پہلو سے عرب کی زندگی اسی جاہلیت کے فتوے کے نیچے آتی ہے جس کے نیچے وہ اپنے مذہب اور تمدن کی رُو سے ہے۔ ملک عرب میں عورتوں کی ذلت کی حالت یہ تھی کہ سوائے اس کے کہ اغراض شہوانی کے لئے کوئی اپنی محبوبہ کی تعریف میں شعر لکھ دے عملی رنگ میں ان کے ساتھ حیوانوں کا سلوک ہوتا تھا۔ ایک عورت کے ایک سے زیادہ خاوند ہونے کا رواج جو نہایت ادنیٰ حالت والی اقوام میں پایا

جاتا ہے ان میں موجود تھا۔ ایک مرد جس قدر بیبیوں سے چاہتا شادی کر سکتا تھا اور اس کے علاوہ جیسا یورپ میں رواج ہے اپنے لئے محبوبہ بھی رکھ سکتا تھا۔ زنا کاری یورپ کے اکثر بلاد کی طرح بطور پیشہ ان میں مروج تھی اور لونڈیوں سے یعنی دوسری قوموں کی گرفتار کردہ عورتوں سے جہاں اور ذلیل کام لیتے تھے وہاں ان سے زنا کاری کرا کر اس حرامکاری کی کمائی کو بیجا جائز کمائی کا مال سمجھتے تھے۔ نیوگ کی رسم جو ہندوستان میں پائی جاتی ہے اور جس پر اس تعلیم اور روشنی کے زمانہ میں آریہ سماج کے بانی سوامی دیانند جی نے بہت زور دیا ہے وہ بھی ان میں مروج تھی۔ اور اس لئے وہ لفظ اِسْتِبْضَاع استعمال کرتے تھے جس کی تشریح میں اہل لغت لکھتے ہیں کہ عورت صرف خواہش اولاد کے لئے اپنے خاوند کے سوائے دوسرے سے تعلق چاہے۔ بلکہ لکھا ہے کہ مرد خود اپنی عورت یا لونڈی کو کہہ دیتا تھا اَرْسِلِیْ اِلیٰ فُلَانٍ فَاسْتَبْضِعِیْ مِنْہُ فلاں کو بلا بھیجو اور اس سے اولاد حاصل کرنے کے لئے تعلق پیدا کرو۔ پھر عورت محض ایک جائداد کے طور پر سمجھی جاتی تھی اور نہ صرف اس کا اپنے متوفی خاوند یا اور رشتہ دار کی وراثت میں کوئی حصہ تسلیم نہ کیا جاتا تھا۔ بلکہ وہ خود جائداد موروثہ کا ایک حصہ قرار پا کر ورثہ میں چلی جاتی اور وارث چاہتا تو خود اس سے نکاح کر لیتا اور چاہتا تو کسی دوسرے سے کرا دیتا یہاں تک کہ باپ کی عورتوں کو بیٹے ورثہ کا حصہ سمجھ کر ان کے ساتھ شادی کر لیتے۔ اور انہیں انکار کا حق نہ تھا۔ طلاق دینے کا طریق بھی نہایت ظالمانہ تھا۔ ایک مرد اگر چاہتا تو ہزار مرتبہ بھی اپنی بیوی کو طلاق دے کر پھر عدت کے اندر رجوع کر لیتا۔ بعض وقت یوں ہی قسم کھا لیتا کہ میں اس کے قریب نہیں جاؤں گا۔ اور وہ عورت نہ مُطَلَّقَہ کے حکم میں ہوتی نہ منکوحہ کے۔ بعض وقت عورت کو ماں کہہ دیا جاتا اور اس طرح اسے مُعَلَّقَہ کی حالت میں چھوڑ دیا جاتا۔ ان تمام طریقوں کے اختیار کرنے سے عورت ایک ایسی مظلومانہ

حالت میں ہو جاتی جس سے نکلنے کے لئے اس کے پاس کوئی علاج نہ ہوتا۔ اور اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ اپنی غیرت کے خلاف اس بات کو سمجھتے تھے کہ ان کی بیوی طلاق لے کر دوسرے خاوند کے پاس جائے۔ بایں مرد و عورت کے تعلقات میں نہایت درجہ کا فحش بھی تھا۔ عشق و محبت اور ناجائز تعلقات کے نہایت گندے قصے کھلے اشعار میں فخریہ بیان کئے جاتے۔ بلکہ سَبعہ مُعلّقات میں بھی جو اپنی فصاحت میں لاثانی سمجھے جاتے ہیں۔ اور کعبہ پر آویزاں کئے گئے۔ ایسے فحش اور ننگے الفاظ میں ان تعلقات کا ذکر ہے کہ جن کی برداشت زبان اور کان نہیں کر سکتے۔ پھر بلند خاندان کی خواتین سے تَشْبِیب کرنا یعنی ان کو مخاطب کر کے عشقیہ اشعار میں اُن کا ذکر کرنا اُن میں عام رواج تھا۔ یہ محمد رسول اللہ صلعم کا کس قدر احسان ہے کہ عورت کے مرتبہ کو اس فوقیت کے مقام پر پہنچایا جہاں آج تک یورپ بھی نہیں پہنچا سکا۔ بلکہ یورپ میں عورت کی عزت محض نمایشی ہے اور اس کی اصل عزت۔ اس کی عفت و عصمت کی بلند قدری حقوق میں اس کی مرد کے ساتھ مساوات ابھی تک مفقود ہے۔ اور پھر مرد و عورت کے نازک ترین تعلقات کا ذکر کرتے ہوئے جو ذکر ایک کامل شریعت کے لئے ضروری تھا ایسے شستہ اور کنایہ کے الفاظ استعمال کئے ہیں جو بڑے سے بڑا احساس رکھنے والے کانوں پر بھی شاق نہیں گزرتے۔

ان حالات میں عورتوں کے ساتھ کیا سلوک ہوتا ہوگا اس کے بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہاں اس کمال درجہ کی بدسلوکی کے مقابلہ پر حُسن سلوک کا پتہ دو باتوں سے لگ جاتا ہے۔ قرآن کریم نے حکم دیا وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ عورتوں کے لئے ایسے ہی حقوق مردوں پر ہیں جیسے مردوں کے لئے عورتوں پر۔ اور نبی کریم صلعم نے فرمایا خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِأَهْلِهِ۔ تمہاری نیکی کا معیار تمہارا اپنی بیبیوں سے حُسن سلوک ہے۔ یہ تغیر چند سال کے عرصہ میں اس ملک میں ہوتا ہے جہاں لڑکی

کو زندہ درگور کرنا فخر سمجھا جاتا تھا جہاں لڑکی کے پیدا ہونے کی خبر پر باپ کا منہ غم سے سیاہ ہو جاتا اور وہ سوچ میں پڑ جاتا کہ ذلت کو اختیار کر کے اسے زندہ رہنے دے یا زندہ قبر میں دفن کر دے قرآن شریف میں ہے وَإِذَا بُشِّرَ أَحَدُهُم بِالْأُنثَىٰ ظَلَّ وَجْهُهُ مُسْوَدًّا وَهُوَ كَظِيمٌ ۝ يَتَوَارَىٰ مِنَ الْقَوْمِ مِن سُوءِ مَا بُشِّرَ بِهِ ۚ أَيُمْسِكُهُ عَلَىٰ هُونٍ أَمْ يَدُسُّهُ فِي التُّرَابِ جہاں یہ امر روزمرہ کے واقعات میں سے تھا کہ پانچ چھ سال کی لڑکی کو باپ جنگل کی طرف ساتھ لیجاتا اور ایک گڑھے کے کنارہ پر جو اس غرض کے لئے پہلے سے کھود رکھا ہوتا اسے کھڑا کر کے دھکا دے کر اس میں گرا دیتا اور چیختی چلاتی ہوئی لخت جگر پر مٹی ڈال کر اس سنگدلی کا ثبوت دیتا جس کے سامنے پتھر بھی شرمندہ ہوں۔ جب ہمارے نبی کریم صلعم کے سامنے ایک ایسے قصہ کا ذکر ایک صحابی نے کیا تو آپ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے یہ اس درد کی وجہ سے تھا جو آپ کے دل میں نوع انسان کی بھلائی کے لئے تھا۔ بعض وقت نکاح کے وقت یہ معاہدہ کر لیا جاتا تھا کہ جو لڑکی پیدا ہو گی اسے مارا جائے گا اس صورت میں غریب ماں سے اس وحشیانہ فعل کا ارتکاب کرایا جاتا تھا۔ اور اس صورت میں کنبہ کی سب عورتوں کو اکٹھا کر کے ان کے سامنے اس ظلم کا ارتکاب ہوتا۔ ان تمام خونخوار افعال وحشت کا خاتمہ ملک عرب میں ہمیشہ کے لئے إِذَا الْمَوْءُودَةُ سُئِلَتْ کی آواز سے ہو گیا۔ یعنی وہ وقت آئے گا جب یہ سوال کیا جائے گا۔ کہ زندہ لڑکی کو کس گناہ کے عوض مارا گیا۔ ان الفاظ نے عرب کی ہوا میں ایک ایسا تموج پیدا کر دیا کہ حکومت کو کسی ایسے فعل پر سزا دینے کی کبھی ضرورت پیش نہ آئی اس کے برابر نسل انسانی پر احسان کرنے والا دوسرا انسان تاریخ پیش کرنے سے عاجز ہے

عامہ حالت اہل عرب پر اگر نظر کی جائے تو وہی جہالت کا نقشہ نظر آتا ہے۔ شراب خوری کی بلا اس قدر عام اور وسیع ہوئی کہ کوئی گھر اس سے خالی نہ تھا اور دن

میں کئی کئی مرتبہ شراب نوشی کی جاتی۔ اور ہر گھر میں شراب کے مٹکے رہتے۔ چنانچہ لکھا ہے کہ جب قرآن شریف میں شراب کی حرمت کا حکم نازل ہوا تو مدینہ کی گلیوں میں شراب اس طرح بہتی تھی جیسے بارش کا پانی۔ یہاں بھی وہی طاقت کام کرتی ہوئی نظر آتی ہے جو انسان کے ادراک سے بالاتر ہے۔ کہ کس طرح صدیوں کی شراب نوشی کے عادی ایک آن کی آن میں ایسے تارک شراب ہوئے کہ پرانے شراب کے برتنوں تک بھی گھروں میں نہ رہے۔ قمار بازی ان کا دن رات کا کھیل تھا۔ اور جو شخص جوا نہ کھیلے اسے بخیل سمجھا جاتا تھا۔ یہ تمام بدیاں محمد رسول اللہ صلعم کے نفس قدسی سے ملک عرب سے دور ہوئیں +

تعلیم کے لحاظ سے تو وہ بالکل کورے تھے۔ لاکھوں میں چند نفوس اگر لکھنا جانتے ہوں تو یہ تعلیم نہیں کہلاتی۔ کمال درجہ کی جہالت کی وجہ سے طرح طرح کی توہم پرستیوں میں مبتلا تھے۔ دیوتاؤں اور خبیث ارواح کو مانتے تھے۔ تنہائی کے مقامات پر جنوں اور خبیث روحوں کی شکلیں ان کو نظر آتی تھیں بعض بیماریوں کو بھی خبیث ارواح کی طرف منسوب کرتے تھے اور ان سے بچنے کے لئے طرح طرح کے تعویذ اور ٹوٹکے اور منتر استعمال کرتے تھے۔ روح انسانی کو ایک چھوٹا سا جانور سمجھتے تھے جو انسان کے پیدا ہونے کے وقت اس کے جسم میں گھس جاتا ہے اور پھر بڑھتا رہتا ہے مرنے کے وقت یہی جسم سے نکل کر قبر کے اردگرد گھومتا رہتا ہے۔ امساک باراں میں مینہ برسنے کا یہ ٹوٹکا سمجھا جاتا تھا۔ کہ ایک گائے کی دم میں سوکھی ہوئی گھاس اور جھاڑیاں وغیرہ باندھ کر انہیں آگ لگا دیتے اور ایسی گائے کو پہاڑوں پر چھوڑ دیتے وہ سمجھتے تھے کہ جلتی ہوئی آگ بجلی کی چمک سے مشابہ ہے اور اس طرح پر پانی برسے گا۔ کوئی مصیبت آجائے تو گھر میں دروازہ کی راہ سے داخل نہ ہوتے تھے۔ بلکہ پچھواڑہ سے داخل ہوتے تھے۔ جانور کے اڑنے سے اچھا برا شگون لیتے تھے۔ بائیں طرف سے دائیں

طرف کو جانور رستہ کاٹ جائے تو اسے اچھا شگون سمجھتے تھے۔ اور اگر دائیں سے بائیں طرف کو کاٹ جائے تو اسے بُرا شگون سمجھتے تھے۔ جو لوگ حیات بعد موت کے قائل تھے۔ ان میں سے کوئی مرجاتا تو اس کی قبر پر ایک اونٹ باندھ دیتے اور اس کو بھوکا پیاسا رکھ کر مار دیتے کہ تا قیامت کے دن مردہ اسی پر سوار ہو۔ یہ بھی ان کا عقیدہ تھا کہ مردہ کی رُوح قبر پر اُلو کی شکل میں اُڑتی پھرتی رہتی ہے اور اگر مردہ مقتول ہو تو وہ اَسْقُونِیْ اَسْقُونِیْ پکارتا رہتا ہے جبتک کہ مقتول کا قصاص نہ لیا جائے۔ کاہنوں رمالوں پر بڑا ایمان رکھتے تھے۔ یہ کاہن ان کے خدا بنے ہوئے تھے وہ جو کہتے تھے اس کو سچ مان لیتے تھے۔ اس قسم کی اور بہت سی توہم پرستیاں تھیں جن کی تفصیل کا یہ موقعہ نہیں۔ کہانت بیماری میں آسیب اور جنوں کے خیالات خبیث ارواح کا جسم انسانی پر قبضہ۔ جادو وغیرہ ہزارہا قسم کی توہم پرستیوں کی چند سالوں میں ایسی صفائی محمد رسول اللہ صلعم نے کی کہ گویا اس جزیرہ نما میں یہ باتیں کبھی تھیں ہی نہیں۔ اور نوع انسانی کو توہم پرستی کی قید سے آزاد کر کے تہذیب و علم کے بلند ترین مینار پر پہنچایا۔ واقعات کے رنگ میں تاریخ کوئی دوسرا ایسا انسان پیش کرنے سے عاجز ہے جس نے ہزاروں قسم کی اعتقادی اور عملی بیماریوں کا ایسے وسیع ملک میں اس قدر قلیل مدت میں اس کمال کے ساتھ علاج کر دیا ہو اور ان بیماریوں سے آزاد کر کے پھر ان لوگوں کو صحت اور قوت کے کمال تک پہنچا دیا ہو۔ اس لئے یہی انسان خیر البشر کہلانے کا مستحق ہے ؎

ہست او خیر الرسل خیر الانام

ہر نبوت را بر و شد اختتام

تیسرا باب
ملک عرب میں اصلاحات

لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اُنْذِرَ اٰبَآؤُهُمْ فَهُمْ غٰفِلُوْنَ (یٰسٓ)

ملک عرب کے اطراف میں حضرت ابراہیم کے زمانہ سے پہلے اور پیچھے مختلف انبیاءؑ آتے رہے جن میں سے بعض کا ذکر قرآن شریف میں پایا جاتا ہے۔ ان میں سے دو یعنی حضرت ہُود جو قوم عاد کی طرف مبعوث ہوئے جو احقاف علاقہ یمن میں آباد تھی۔ اور حضرت صالح جو قوم ثمود یا عاد ثانی کی طرف مبعوث ہوئے جو مدینہ کے شمال کو علاقہ حجر میں آباد تھی۔ حضرت ابراہیمؑ سے پہلے گزرے ہیں۔ اور دو یعنی حضرت اسمٰعیلؑ جن کا بعض روایات سے اہل یمن کی طرف مبعوث ہونا معلوم ہوتا ہے اور حضرت شعیبؑ جو مدین میں جو حجر کے مغرب کو ہے مبعوث ہوئے حضرت ابراہیمؑ کے بعد آئے۔ روایات سے اور بعض کتبوں سے معلوم ہوتا ہے کہ عاد ایک نہایت زبردست اور طاقتور قوم تھی۔ جنہوں نے نہ صرف ملک عرب میں ہی ایک عظیم الشان سلطنت قائم کی تھی بلکہ ان کا تسلط بیرونی ممالک پر بھی بہت کچھ تھا اور دور دور ملکوں میں نکل کر انہوں نے فوقیت حاصل کرلی تھی۔ معلوم ہوتا ہے ان میں پہلے بھی انبیاء آتے رہے اور آخر ان میں حضرت ہُود اس وقت آئے جب قوم سخت دنیا پرستی میں پڑ گئی تھی۔ انہوں نے ناصح کی بات کو نہیں سُنا۔ اور آخر تباہ ہوگئے۔ قوم عاد کو اس ریگستان کی آندھی نے تباہ کیا۔ جو احقاف کے شمال میں رُبع خالی کے نام سے موسوم ہے اس لئے قوم ثمود نے اپنے مسکن پہاڑوں میں بنائے جیسا کہ قرآن مجید میں تَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا (تم پہاڑوں میں گھر تراشتے ہو) سے ظاہر ہے۔ مگر جب ان کی نوبت ہلاکت کی آئی۔ تو پہاڑ کے ایک زلزلہ نے ان کو

تباہ کر دیا۔ حضرت ہُود عرب کے جنوب میں اور حضرت صالح اس کے شمال میں آئے ایسا ہی حضرت اسمٰعیل اہل یمنؔ کی طرف مبعوث ہوئے جو جنوب میں ہے اور حضرت شُعیبؑ حضرت موسیٰؑ کے زمانہ کے قریب اہل مَدیَنؔ کی طرف مبعوث ہوئے جو شمال میں ہے درمیانی حصہ یا حجاز ہمیشہ خالی رہا ہے۔ لیکن حضرت ابراہیم علیہ السّلام کے مکّہ میں تشریف لانے اور حضرت اسمٰعیلؑ کو یہاں چھوڑ جانے سے مذہب ابراہیمی کی یادگاریں یہاں مستقل طور پر قایم رہیں +

انبیائے بنی اسرائیل کے زمانہ میں عرب میں بُت پرستی انتہا درجہ کو پہنچی ہوئی تھی حضرت سلیمان نے یمنؔ کی ایک ملکہ کو توحید کی تعلیم پر قایم کیا۔ بعثت نبوی سے قریب کے زمانہ میں یہودی ملک عرب میں آکر آباد ہوئے۔ غالباً یہ وہ زمانہ تھا جب پانچویں صدی قبل مسیح میں بُخت نصّر یہودیوں کی بربادی کے درپے ہوا۔ اسی کے ظلم سے تنگ آکر اور کسی قدر اس لئے بھی کہ آخری نبی کے عرب سے ظہور کی پیشگوئیاں ان میں شائع اور عام تھیں۔ ان لوگوں نے عرب کو اپنا مسکن بنایا اور خَیبر یہودیوں کی خالص آبادی ہو گیا جب ان کی قوت یہاں مضبوط ہو گئی تو انھوں نے اپنا مذہب پھیلانا شروع کیا۔ یہاں تک کہ حضرت مسیح سے کوئی ساڑھے تین سو سال پیشتر یمنؔ کے بادشاہ ذُو نواس نے یہودیوں کا مذہب اختیار کیا۔ اور اس زمانہ میں کچھ بادشاہت کے رُعب سے کچھ جبر و تشدد سے یہودی مذہب کا خاصہ غلبہ ملک عرب میں ہو گیا۔ مگر باوجود ساری کوششوں کے عرب کی آبادی ویسی کی ویسی ہی بت پرستی میں مبتلا رہی اور یہودی مذہب کا اثر چند دن زور پکڑ کر آخر پھر حالت تنزل کی طرف لوٹ گیا۔ اور عرب کا قومی مذہب وہی رہا جو یہود کی آمد اور ان کی تبلیغ سے پہلے یہاں تھا۔ اور ان کی رسوم و رواج بھی وہی رہے +

دوسری بڑی کوشش جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قریب زمانہ میں ملک عرب

کی اصلاح کے لئے ہوئی عیسائیوں کی کوشش تھی۔ عیسائی عرب میں تیسری صدی میں آنا شروع ہوئے۔ اور سب سے پہلے نجران میں انہوں نے سکونت اختیار کی۔ اور تبلیغی جد و جہد شروع کی۔ عیسائیوں کی کوششوں کو دو طرف سے بڑی قوت پہنچتی تھی ایک حبش کی طرف سے جہاں قومی اور شاہی مذہب عیسویت تھا اور دوسرے شمال میں رومن امپائر کی طرف سے جس کا شاہی مذہب چوتھی صدی عیسوی کے ابتدا میں ہی عیسائی ہو چکا تھا اور اس کے ساتھ ہی کثرت سے لوگ عیسائی مذہب میں داخل ہو گئے۔ اس اثر اور خود عیسائی مبلغین کی کوششوں کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ نجران کا چھوٹا سا صوبہ جو عَسِیر اور صَنعاء کے درمیان ہے۔ عیسائی ہو گیا۔ اور وہاں کے اکثر باشندوں نے عیسائی مذہب اختیار کر لیا۔ البتہ دوسرے قبائل میں جیسے حِمیر۔ غسّان۔ رَبیعَہ تَغلِب وغیرہ اور حِیرہ میں جو عراق عرب سے ملتا ہے معدود اشخاص نے عیسائی مذہب اختیار کیا۔ اور کوئی بڑی کامیابی خاص حدود عرب کے اندر عیسائی مذہب کو حاصل نہ ہوئی۔ پس عیسائی مذہب کی کوشش بھی ملک عرب میں اصلاح کرنے کے کام میں بکلی ناکام ثابت ہوئی اور عرب اپنے رسوم و رواجات پر اور اپنے عقاید پر ویسے ہی قایم رہے جیسے عیسائیت کی کوششوں سے پہلے تھے۔

تیسری مذہبی تحریک جو عرب کی اصلاح کے لئے ہوئی وہ ایک اندرونی تحریک تھی۔ اسلام کے ظہور سے تھوڑا عرصہ پہلے ایک فرقہ پیدا ہوا جس کو حَنِیف کہتے ہیں یہ لوگ نہ عرب کی بت پرستی پر قائم تھے۔ اور نہ ہی یہودیت یا نصرانیت کے پیرو تھے وہ صرف ایک خدا کے پرستار تھے۔ اور اس سے زیادہ رسوم و رواج کی اصلاح سے ان کو کوئی تعلق نہ تھا۔ اس میں شک نہیں کہ بعض لوگ جن کے دلوں میں اس وقت بت پرستی سے نفرت پیدا ہوئی عیسائی مذہب میں بھی داخل ہوئے جیسے وَرقہ بن نَوفَل جو حضرت خدیجہ کے چچا زاد بھائی تھے۔ اور عبد اللہ بن جَحش جو حضرت حمزہ کے

بھانجے تھے۔ مگر ان کے بڑے حصہ کو یہودیت اور نصرانیت مطمئن نہ کر سکی۔ ان لوگوں میں سے زَیدبن نَوفَل حضرت عمرؓ کے چچا ہیں اور اُمیّۃ بن اَبی الصّلت جو ایک مشہور شاعر ہے اور طائف کا رئیس تھا مگر اس بات کی شہادت ملتی ہے کہ ان کے علاوہ اور بھی لوگ تھے۔ اور گو یہ لوگ تبلیغ کے لئے کوئی خاص جوش نہ رکھتے تھے مگر اس میں بھی کچھ شک معلوم نہیں ہوتا کہ وہ بُت پرستی کو علانیہ ناپسند کرتے اور توحید کو جسے وہ دینِ ابراہیمی قرار دیتے تھے علی الاعلان صحیح مذہب قرار دیتے تھے۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جائے گا کہ اصلاح کی یہ تحریک تمام تحریکات میں سب سے زیادہ کمزور تھی۔ مگر یہ بھی ایک تحریک ضرور تھی۔ جس کو دیگر رسوم ورواجات سے کوئی تعلق نہ تھا۔ اور صرف بت پرستی کی جگہ توحیدِ الٰہی کا اقرار اس کی اصل غرض تھی۔ مگر عرب کے مذہب میں اس تحریک سے اتنا تغیر بھی پیدا نہ ہوا جس قدر عیسائیت سے بلکہ جس طرح عیسائیت کی تحریک یہودیت سے کمزور ثابت ہوئی اسی طرح یہ دینِ حنیفی کی تحریک عیسائیت سے بھی بہت کمزور ثابت ہوئی۔

نبی کریم صلعم کے ظہور سے عین پہلے تین متفرق تحریکات مذہبی کے لئے جن سب کی غرض ملک عرب کی اصلاح تھی اسباب کا پیدا ہونا اور پھر ان تینوں کا بعض حالتوں میں صدیوں تک کام کرکے اور ہر قسم کے سامان حتّٰی کہ سلطنت کے رُعب تک موجود ہوتے ہوئے ناکام رہنا اور پھر ان تینوں کے بعد ایک فردِ واحد کا تنہائی کی حالت میں اُٹھنا اور بیکسی کی حالت میں چھوڑے جانا اور آخرکار چند سال کے عرصہ میں ملکِ عرب کے نہ صرف مذہب کو بلکہ اس کے عادات واطوار واخلاق وحالات سب کو ایسا بدل دینا کہ گویا اس ملک کی کایا ہی پلٹ دی ایک ایسا حیرت انگیز امر ہے جس کی اور کوئی نظیر تاریخ عالم پیش کرنے سے عاجز ہے یہودیوں کا بنی اسمٰعیل یا عرب کے لوگوں کے ساتھ بھائی بھائی ہونے کا تعلق تھا

ان کی زبانیں ان کی عادات بہت کچھ باہم ملتی جلتی تھیں۔ ابو الانبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دونوں قومیں یکساں عزت کی نگاہ سے دیکھتی تھیں یمن جیسے سرسبز اور شاداب علاقہ کے جو گویا ملک عرب کی جان تھی بادشاہ تک نے یہودیوں کے دین کو قبول کر لیا۔ ظاہری اسباب کافی سے زیادہ مہیا ہو چکے تھے کہ ملک عرب سارے کا سارا اس اثر کے نیچے یہودیوں کے دین کو قبول کر لیتا۔ مگر یہ تمام اسباب ملک عرب کی حالت عامہ میں کوئی تغیر پیدا نہ کر سکے۔ اس کے بعد عیسائیت آئی اور ایک نیا پیغام لے کر آئی۔ اس کی فرضی توحید کچھ عرب کی فرضی توحید سے ملتی تھی جس قسم کی بت پرستی ان میں مروج تھی اسی قسم کی یونانی بت پرستی کے اثر کے نیچے عیسائیت کے عقیدہ تثلیث نے پرورش پائی تھی۔ اور موجودہ عیسائیت کے اصل بانی پولوس نے انبیائے بنی اسرائیل کی توحید پر بت پرستی کا ایسا رنگ چڑھایا تھا کہ بت پرست قومیں گروہ در گروہ اس دین میں داخل ہونا شروع ہو گئی تھیں۔ پھر عیسائیت میں کوئی قید شریعت کی پابندی کی نہ تھی۔ اور عرب کی طبائع بھی قیود شرعی کی پابند نہ ہونے کی وجہ سے اور ہر قسم کی عیاشی میں پڑ جانے سے عیسائیوں کی طرح ہی اباحت پسند ہو چکی تھیں۔ اور یوں عرب کے لوگوں کے لئے عیسائیت سہل ترین مذہب تھا۔ علاوہ ازیں اوپر سے ایک عظیم الشان عیسائی سلطنت روما کا اثر اور عرب قوموں کا جو عرب شام میں رہتی تھیں۔ اس دین کو قبول کر لینا یمن کی طرف سے عیسائی شاہان حبش کا اثر یمن کے ایک حصہ کا عیسائی ہو جانا بلکہ حیرہ اور غسان کی سلطنتوں پر بھی عیسائیت کا غالب آجانا یہ وہ نہایت ہی قوی اسباب تھے جو شاید ہی کبھی کسی مذہب کو میسر آئے ہوں اور ان کے ماتحت عرب کا عیسائی ہو جانا چند دن کا کام معلوم ہوتا تھا۔ مگر سوائے عرب کی شراب خوری قمار بازی اور مرد و عورت کے معیوب تعلقات کو بڑھانے کے اور کوئی اثر اس مذہب کا بحیثیت مجموعی ملک عرب پر نہیں ہوا۔ ان دونوں کے بعد تیسری تحریک

جو حنیفیت کے نام سے موسوم ہے اندرونی تحریک تھی اور عرب کی رسوم ورواجات کے اندر کسی قسم کی تبدیلی پیدا کرنا اس کی غرض نہ تھی۔ بلکہ اہل عرب کو صرف بُت پرستی سے نکال کر خالص توحید پر قایم کرنا اس کا مقصد تھا مگر اس کے لئے عرب کی آب وہوا اس قدر موافق بھی ثابت نہ ہوئی جس قدر یہودیت اور نصرانیت کے لئے ہوئی تھی۔ اور یہ تحریک سب سے کمزور ثابت ہوئی اس خیال کے کچھ پیرو آخر نصرانیت کی طرف چلے گئے اور کچھ اپنی حالت پر قانع ہو کر بیٹھ رہے۔ شاید اس کی یہ وجہ ہو کہ اس کی پشت پر کوئی ایسی دنیوی طاقت نہ تھی جیسی یہودیت اور نصرانیت کی پشت پر تھی۔ اُن سب حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے ایک باریک بین نگاہ اور ایک غور وفکر کا عادی دل حیرت میں رہ جاتا ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکیلے۔ عاجز۔ بیکس۔ انسان کے پیچھے۔ اس کی تائید کرنے والی۔ وہ کونسی عظیم الشان طاقت تھی کہ آپ نے بیس سال کے عرصہ میں ملک عرب کی زمین وآسمان کو بدل دیا۔ اور ایک ایسے انقلاب کا نقشہ پیدا کر کے دکھایا جس کی نظیر کسی مُصلح کی کوششوں میں نظر نہیں آتی۔ اس پر ذیل کے دو اقتباس ایک مخالف کے قلم سے اَلْفَضْلُ مَا شَهِدَتْ بِهِ الْاَعْدَاءُ کا مصداق ہیں سر ولیم میور لکھتا ہے:۔

"آنحضرت (صلعم) کی جوانی کے ایام میں جزیرہ نمائے عرب کی حالت کسی تبدیلی یا ترقی کے قبول کرنے کے لائق نہ تھی۔ شاید اس سے پہلے کسی زمانہ میں ان لوگوں کی اصلاح سے اس قدر نا اُمیدی پیدا نہیں ہوئی جیسے آپ کے وقت میں۔ بعض وقت جب ایک سبب کو ایک نتیجہ پیدا کرنے کے لئے ناکافی سمجھ لیا جاتا ہے تو اس کے لئے اور وجوہ اکٹھے کئے جاتے ہیں مثلاً حضرت محمد (صلعم) کے متعلق لکھا جاتا ہے۔ کہ ان کا اُٹھنا تھا کہ ساتھ ہی سارے کا سارا عرب ایک نئے اور روحانی ایمان کے لئے اُٹھ کھڑا ہوا اور اس سے یہ نتیجہ نکالا جاتا ہے کہ عرب اس وقت ایک بڑی بھاری

تبدیلی کے لئے جوش میں تھا۔ اور اس کے قبول کرنے کے لئے بالکل تیار تھا۔ ہمارے نزدیک جب ٹھنڈے دل کے ساتھ اسلام سے پہلے کی تاریخ کا مطالعہ کیا جائے۔ تو تاریخ اس نتیجہ کو جھٹلاتی ہے۔ پانچ صدیوں تک عیسائیوں کی لگاتار کوششوں اور وعظ کا یہ نتیجہ ہوا تھا کہ چند آدمی بعض اقوام سے اس مذہب میں داخل ہو گئے ...... اس طرح پر عرب کی مذہبی سطح پر عیسائیت کی کمزور سی کوشش کی کبھی کبھی کوئی چھوٹی سی لہر نمودار ہوتی تھی بعض وقت زیادہ گہری موجوں میں یہودیت کا اثر نمودار ہوتا تھا۔ مگر اصلی بت پرستی اور اسمٰعیلی توہم پرستی کی موجیں نہایت بلند تھیں"۔

اور دوسری جگہ لکھتا ہے:۔

"آنحضرت (صلعم) کی بعثت سے پہلے عرب کی حالت مذہبی تبدیلی کے قبول کرنے سے ایسی ہی دور پڑی ہوئی تھی جیسے باہمی اتفاق اور اتحاد پیدا کرنے سے دور تھی۔ عربوں کے مذہب کی بنیاد ایسی سخت بت پرستی تھی جس کی جڑیں نہایت گہری لگ چکی تھیں جس نے صدیوں تک مصر اور شام کے عیسائیوں کی تمام کوششوں کا ایسا مقابلہ کیا تھا کہ گویا ان کا اس پر کچھ اثر ہی نہ تھا"۔

یوں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایسی قوم کے انذار کے لئے مبعوث ہوئے جس نے پہلے کسی انذار کو قبول نہ کیا تھا۔ اور اس قوم کی حالت کو تبدیل کر کے آپ نے بتا دیا کہ آپ کی قوت قدسی کسی قوم کو خواہ اس کی حالت کیسی ہی مایوسی کی ہو راہ راست پر لانے سے عاجز نہیں ⁕

چوتھا باب

آنحضرت صلعم کے ظہور کی بشارتیں

اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِیْلِ (الاعراف ۱۵۰)

قبل اس کے کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کے متعلق کچھ لکھیں یہ بتا دینا ضروری ہے کہ آپ کے آنے کی بشارتیں نہ صرف آپ سے پہلی کتب مقدسہ میں پائی جاتی تھیں۔ بلکہ ان قوموں میں اچھی طرح شہرت یافتہ تھیں۔ اور عجب نہیں کہ یہودیوں اور عیسائیوں کے ملک عرب میں آکر آباد ہونے کی وجہ میں سے ایک بڑی وجہ موعود نبی کی آمد کا انتظار بھی ہو کیونکہ پیشگوئیوں میں صاف صاف عرب کا نام بھی مذکور ہے میں نہایت اختصار کے ساتھ ان میں سے صرف چند پیشگوئیوں کا ذکر کروں گا +

قرآن کریم نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کا وعدہ جملہ انبیائے عالم کو دیا گیا تھا۔ اور ہر ایک نبی کے ذریعہ سے اس کی امت سے عہد لیا گیا تھا کہ اس وقت تم کو کتاب و حکمت دی جاتی ہے۔ پھر تمہارے پاس ایک ایسا رسول آئے گا جو تمام انبیائے عالم کی تصدیق کرے گا۔ اس کو تم نے ماننا ہوگا۔ یہ مضمون سورہ آل عمران میں آیت وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ میں بیان ہوا ہے اور دوسری جگہ سورہ شعراء میں بھی فرمایا وَاِنَّهٗ لَفِیْ زُبُرِ الْاَوَّلِیْنَ کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کی پیشگوئیاں پہلے انبیاء کے صحیفوں میں موجود ہیں۔ نئے عہدنامہ کی کتاب اعمال کے باب ۳ ورس ۲۱ سے بھی اس مضمون کی تصدیق ہوتی ہے۔ گویا پہلے اللہ تعالیٰ نے اس زمانہ میں جب قوم قوم سے الگ پڑی ہوئی تھی اور باہم میل جول

کے ذرائع بہت محدود تھے۔ ہر ایک قوم اور ملک میں الگ الگ انبیاء ان کی ہدایت کے لئے بھیجے اور پھر ان تمام مذاہب کو ایک کرنے کے لئے اور ساری نسل انسانی کو ایک عظیم الشان انسان کے جھنڈے تلے لا کر ان میں وحدت اور مساوات پیدا کرنے کے لئے ایک نبی کو کل عالم کی طرف بھیجا۔ اور اس کے ظہور کی بشارت ہر ایک نبی کو پہلے سے دیدی اور جس طرح ہر ایک نبی کو اس کی خبر دی اسی طرح اس کو تمام انبیائے عالم کی تصدیق کے لئے مامور کیا۔ چنانچہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں ایک ہی رسول اور نبی آیا جس نے جہاں اپنے اوپر ایمان لانا اصول دین میں داخل کیا وہاں تمام انبیائے عالم پر ایمان لانا بھی اسی طرح اصول دین میں داخل کیا۔ چنانچہ قرآن کریم کی ابتدا میں ہی یہ لفظ آتے ہیں وَالَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِکَ یعنی وہ لوگ جو اس پر ایمان لاتے ہیں جو تجھ پر نازل کیا گیا اور اس پر بھی جو تجھ سے پہلے اتارا گیا۔ اور پھر پہلے اتارنے کے متعلق یوں عام الفاظ میں فرمایا کہ اِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِیْهَا نَذِیْرٌ کوئی قوم نہیں مگر اس میں ایک ڈرانے والا آچکا ہے اور دوسری جگہ یہ بھی فرما دیا کہ بعض رسولوں کا ذکر ہم نے قرآن میں کر دیا ہے اور بعض کا نہیں۔ پس جس طرح دنیا میں اور کوئی نبی نہیں جس کے متعلق جملہ انبیائے عالم نے پیشگوئیاں کی ہوں اور اس کے ظہور کی بشارت اپنی اپنی قوموں کو دی ہو اسی طرح سوائے محمد رسول اللہ صلعم کے اور کوئی نبی نہیں جس نے جملہ انبیائے عالم پر ایمان لانا ضروری ٹھہرایا ہو۔ وہ سب کی پیشگوئیوں کا مصداق بھی ہے اور سب کی صداقت کا گواہ بھی ہے اس لئے وہ افضل الرسل بھی ہوا اور آخری رسول بھی ہوا۔

لیکن یہ ظاہر ہے کہ مذاہب قدیم کی کتابوں میں بہت کچھ تحریف اور کمی بیشی ہو چکی ہے حتیٰ کہ توریت و انجیل میں بھی۔ ہاں نسبتاً توریت و انجیل کا زمانہ بھی قریب ہے تحریف بھی اس قدر نہیں ہوئی۔ اور پیشگوئیاں بھی ان میں سب سے زیادہ ہیں۔ اسی لئے قرآن

کریم نے بھی توریت و انجیل کا خاص طور پر ذکر کیا ہے اور میں بھی بطور نمونہ چند بشارتوں کا ذکر انہی کتابوں سے کروں گا ۔

بنی اسرائیل یعنی یہودی اور بنی اسمٰعیل یعنی اہل عرب ہر دو کے مورث اعلےٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں اور ان کو اپنی اولاد کے متعلق بڑی بڑی بشارتیں دی گئیں جن کا کسی قدر ذکر موجودہ مجموعہ توریت کی ایک کتاب یعنی کتاب پیدایش میں پایا جاتا ہے۔ گو اصل صحیفے ابراہیمؑ کے اب بالکل مفقود ہیں۔ حضرت ابراہیمؑ کو اپنے دونوں بیٹوں اسمٰعیل اور اسحاق کے متعلق بشارتوں کا دیا جانا اس کتاب میں مذکور ہے۔ اور قرآن کریم نے بھی قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِي قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِي الظَّالِمِينَ میں یہ اشارہ کیا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کو یہ بتایا گیا تھا کہ ان کی اولاد میں نبوت و امامت کا منصب رہے گا۔ لیکن جب کوئی حصہ اس میں سے ظلم اختیار کرے تو وہ محروم ہو جائے گا۔ ایسا ہی حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمٰعیل کی اس دعا میں بھی اسی طرف اشارہ ہے جہاں فرمایا رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ ۔ اے ہمارے رب ان کے اندر ایک رسول انہی میں سے پیدا کیجیو جو ان پر تیری آیات پڑھے اور ان کو کتاب و حکمت کی تعلیم دے اور ان کو پاک کرے۔ کتاب پیدایش میں اول ابراہیمؑ کے ساتھ اسمٰعیل و اسحاق دونوں کے پیدا ہونے سے پیشتر یہ وعدہ ہے "میں تجھے ایک بڑی قوم بناؤں گا اور تجھ کو مبارک اور تیرا نام بڑا کروں گا اور ان کو جو تجھے برکت دیتے ہیں برکت دوں گا" (پیدایش ۱۲ : ۲ و ۳) اب غور کیا جائے تو بنی اسمٰعیل ہی اس پیشگوئی کے اصل مصداق ٹھہرتے ہیں کیونکہ سوائے مسلمانوں کے کوئی قوم ابراہیمؑ کو حقیقی طور پر برکت دینے والی نہیں۔ مسلمان پانچ وقت اپنی نمازوں میں یہ پڑھتے ہیں اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اے اللہ محمدؐ اور آل محمدؐ کو برکت دے جیسے کہ تو نے ابراہیمؑ اور آل ابراہیمؑ کو برکت دی

پھر اسمٰعیل کا صاف نام لے کر فرمایا "اور اسمٰعیل کے حق میں میں نے تیری سُنی دیکھ
میں اسے برکت دوں گا اور اسے برومند کروں گا اور اسے بہت بڑھاؤں گا اور
اس سے بارہ سردار پیدا ہوں گے۔ اور میں اسے بڑی قوم بناؤں گا" (پیدایش
۱۷: ۲۰) یہاں حضرت اسمٰعیل اور ان کی اولاد کے حق میں بعینہ وہی وعدہ ہے جو ابراہیم
اور اُس کی اولاد کے حق میں تھا۔ پھر اس وعدہ میں ایک اور بھی صراحت ہے۔ یعنی
کتاب پیدایش میں اس عہد کے دو پہلو بیان کئے گئے ہیں۔ اول "میرا عہد جو میرے
اور تمہارے درمیان اور تیرے بعد تیری نسل کے درمیان ہے جسے تم یاد رکھو سو یہ
ہے کہ تم میں سے ہر ایک فرزند نرینہ کا ختنہ کیا جائے ...... اور یہ اس عہد کا نشان
ہو گا جو میرے اور تمہارے درمیان ہے"۔ اب یہ ختنہ اگر ایک مدت تک بنی اسرائیل
اور بنی اسمٰعیل میں مشترک علامت چلی آئی ہے تو اب محمد رسول اللہ صلعم کی روحانی
اولاد کے سامنے جن کی تعداد چالیس کروڑ تک پہنچی ہوئی ہے۔ بنی اسرائیل کسی شمار میں
بھی نہیں پس جو قوم اس ظاہری علامت کو پورا کرتی ہے وہی وعدہ کی اصل وارث
ہے۔ دوسرا پہلو اس وعدہ کا یوں بیان فرمایا "اور میں اپنے اور تیرے درمیان اور
تیرے بعد تیری نسل کے درمیان ان کی پشت در پشت کے لئے اپنا عہد جو ہمیشہ کا
عہد ہو کرتا ہوں کہ میں تیرا اور تیرے بعد تیری نسل کا خدا ہوں گا اور میں تجھ کو اور
تیرے بعد تیری نسل کو کنعان کا تمام ملک جس میں تو پردیسی ہے دیتا ہوں کہ ہمیشہ
کے لئے ملک ہو"۔ (پیدایش ۱۷: ۷و۸) اب ظاہر ہے کہ جب سے محمد رسول اللہ صلعم
کا دنیا میں ظہور ہوا یہ وعدہ کی سرزمین بنی اسرائیل یا انبیائے اسرائیل کے پیرووں
سے لے کر محمد رسول اللہ صلعم کے خدام کو دے دی گئی۔ اور تیرہ سو سال سے ان کے
پاس چلی آتی ہے صلیبی جنگوں کی بڑی غرض یہی تھی کہ اس وعدہ کی سرزمین کو مسلمانوں
کے ہاتھ سے لے لیا جائے لیکن گو عارضی طور پر وہ زمین نکل گئی مگر پھر اللہ تعالیٰ نے

اپنے وعدہ قدیم کے مطابق وہ مسلمانوں کو دلادی پھر بھی اگر کبھی اس طرح نکل جائے تو وہ محض عارضی بات ہوگی۔ اور اس کے مالک مسلمان ہی ہوں گے خواہ یوں کہ اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ سے یہ مسلمانوں کو دلادے اور خواہ یوں کہ اس [illegible] والوں کو وہ مسلمان کردے۔ بہر حال اس وعدہ کے دونوں پہلو نبی کریم صلعم کی صداقت پر ایک ایسی دوہری شہادت کا کام دیتے ہیں جس کے خلاف کوئی یہودی یا عیسائی ایک کلمہ منہ سے نہیں نکال سکتا۔ اور یہ پیشگوئی ان پر کامل طور سے اتمام حجت کرنے کے لئے اکیلی ہی کافی ہے۔

دوسری پیشگوئی جو اپنی عظمت اور شان اور صفائی میں اسی طرح کمال کو پہنچی ہوئی ہے وہ ہے جو حضرت موسیٰ کی زبان سے بنی اسرائیل کو پہنچائی گئی "میں ان کے لئے ان کے بھائیوں میں سے تجھ سا ایک نبی برپا کروں گا اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالونگا (استثناء ۱۸: ۱۸) اب بنی اسرائیل میں حضرت موسےٰ کے زمانہ سے لے کر حضرت عیسیٰ کے زمانہ تک جب نبوت کا سلسلہ ان میں بند ہوگیا کسی نبی نے ایسا نبی ہونے کا دعویٰ نہیں کیا جیسا کہ اس بشارت میں مذکور ہے اور ظاہر ہے کہ حضرت موسےٰ کے خلفاء میں سے موسےٰ جیسا کوئی نبی ہو نہیں سکتا تھا۔ اور علاوہ اس پیشگوئی کے الہامی کتابوں میں موجود ہونے کے اس کی عام شہرت بھی تھی اور یہودی برابر موسےٰ جیسے ایک نبی کی آمد کے منتظر چلے آتے تھے چنانچہ یوحنا ۱: ۱۹-۲۲ میں ہے کہ لوگوں نے یوحنا بپتسمہ دینے والے سے دریافت کیا۔ کہ کیا تو مسیح ہے تو اس نے کہا نہیں پھر انہوں نے پوچھا کہ کیا تو الیاس ہے تو اس نے کہا نہیں پھر انہوں نے پوچھا کہ کیا تو وہ نبی ہے تو اس نے کہا نہیں۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ ان کو ایک تو مسیح کا انتظار تھا اور ایک الیاس کی دوبارہ آمد کا۔ اور تیسرے کسی اور "وہ نبی" کا جس کی اس قدر شہرت تھی کہ وہاں نام لینے کی ضرورت نہ تھی۔ اب ظاہر ہے کہ مسیح اور الیاس کی دوبارہ آمد کے سوائے جو پیشگوئی ان کے ہاں تھی وہ

صرف مثیل موسیٰ نبی کی تھی جو استثناء میں مذکور ہے۔ اور یہ صرف قیاس ہی نہیں بلکہ یہ ایک امر واقع ہے جس کی شہادت خود اناجیل سے ملتی ہے جہاں "وہ نبی" کے سوال پر استثناء ۱۸: ۱۸ کا حوالہ تمام بائبلوں کے حاشیہ میں موجود ہے۔ اس سے صاف معلوم ہوا کہ حضرت مسیح کے ظہور سے تین پہلے تین نبیوں کا انتظار یہودیوں کو تھا۔ اور اس وقت تک ان تینوں پیشگوئیوں کا کوئی مصداق ظاہر نہیں ہوا تھا۔ ایک مسیح کا ایک الیاس کی دوبارہ آمد کا۔ ایک مثل موسیٰ نبی کا۔ اب حضرت عیسیٰ نے مسیح ہونے کا دعویٰ کیا۔ حضرت یحیٰی الیاس کی دوبارہ آمد کے مصداق قرار پائے مگر وہ موعود نبی مثل موسیٰ ہونے کا دعویٰ نہ حضرت مسیح نے کیا نہ حضرت یحیٰی نے۔ نہ ان کو کسی نے وہ موعود نبی استثناء والا قرار دیا۔ اس کے بعد بنی اسرائیل میں سلسلہ نبوت منقطع ہو جاتا ہے پس کوئی نبی مثل موسیٰ والی پیشگوئی کا مصداق بنی اسرائیل میں سے ظاہر نہیں ہوا۔ ساری دنیا کے انبیاء کے حالات کو پڑھ لو اور سب کتب مقدسہ کی ورق گردانی کر لو۔ اس پیشگوئی کے مصداق ہونے کا دعویٰ حضرت محمد صلعم کے سوائے اور کسی نے نہیں کیا۔ نہ قرآن کے سوائے کسی کتاب نے کسی نبی کو اس پیشگوئی کا مصداق قرار دیا۔ پس یہ دوسری کھلی کھلی بشارت آنحضرت صلعم کے ظہور کی ہے جس کا مصداق دنیا میں اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ واقعات کے رنگ میں یہی ثابت ہے۔ حضرت موسیٰ ایک جدید شریعت لائے بنی اسرائیل میں اور کوئی نبی جدید شریعت نہیں لایا پس موسیٰ کی مثل وہی نبی ہو سکتا ہے جو جدید شریعت لایا ہو۔ اور وہ محمد رسول اللہ صلعم ہی ہیں۔ اور ایک ہی آواز ہاں ایک امی کی آواز ہی ایسی اٹھی کہ اِنَّا اَرْسَلْنَا اِلَیْکُمْ رَسُوْلًا شَاھِدًا عَلَیْکُمْ کَمَا اَرْسَلْنَا اِلٰی فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا۔ یعنی ہم نے تمہاری طرف رسول تم پر گواہ بنا کر بھیجا ہے جیسا کہ ہم نے فرعون کی طرف رسول بھیجا۔ اور جس نے مثل موسیٰ والی پیشگوئی کی طرف کبھی ان الفاظ میں توجہ دلائی وَشَھِدَ شَاھِدٌ مِّنْ

تَنَبّیٰ اِسْرَآئِیْلَ عَلٰی مِثْلِهٖ بنی اسرائیل کے ایک عظیم الشان شاہد نے اپنے مثل کی گواہی دی تھی ہے اور کبھی ان الفاظ میں قُلْ اِنَّ الْھُدٰی ھُدَی اللّٰہِ اَنْ یُّؤْتٰی اَحَدٌ مِّثْلَ مَا اُوْتِیْتُمْ کہ وہ کہ اے بنی اسرائیل کامل ہدایت اللہ کی ہدایت تو یہی ہے کہ کسی کو اس کے مثل دیا جائے جو تم کو دیا گیا پس یہ دوسری کھلی بشارت آنحضرت صلعم کے حق میں ہے اور خود بشارت کے الفاظ "تیرے بھائیوں سے" بتاتے ہیں کہ وہ نبی بنی اسرائیل میں نہیں بلکہ بنی اسمٰعیل میں سے پیدا ہونے والا تھا •

تیسری نہایت کھلی بشارت استثناء ۳۳ : ۲ میں مذکور ہے "خداوند سینا سے آیا اور شعیر سے اُن پر طلوع ہوا فاران ہی کے پہاڑ سے وہ جلوہ گر ہوا۔ دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ آیا اور اُس کے داہنے ہاتھ ایک آتشی شریعت ان کے لئے تھی" سینا سے آنا حضرت موسیٰ کا ظہور ہے جو سینا پر ہوا اور شعیر سے طلوع ہونا حضرت عیسیٰ کا ظہور ہے جس پر سلسلہ بنی اسرائیل ختم ہوا۔ اور فاران حجاز کا نام ہے۔ پرانے ناموں میں بہت کچھ گڑبڑ واقع ہو گئی ہے۔ مگر دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ آنے والا ایک ہی انسان دنیا میں ہے یعنی محمد رسول اللہ صلعم جو دس ہزار برگزیدہ صحابہؓ کے ساتھ مکہ میں داخل ہوئے اور وہی آتشی شریعت والا نبی ہے جس کی شریعت شریعت بیضا کے نام سے آج بھی موسوم ہے کیونکہ اس نے تمام امور پر روشنی ڈالی •

چوتھی بشارت صاف طور پر عرب سے متعلق ہے۔ دیکھو یسعیاہ ۲۱ : ۱۳ - ۱۵ "عرب کی بابت الہامی کلام۔ عرب کے صحرا میں تم رات کو کاٹو گے اے ودانیوں کے قافلو۔ پانی لے کے پیاسے کا استقبال کرنے آؤ۔ اے تیما کی سرزمین کے باشندو روٹی لے کے بھاگنے والے کے ملنے کو نکلو کیونکہ وے تلواروں کے سامنے سے ننگی تلوار سے اور کھینچی ہوئی کمان سے اور جنگ کی شدت سے بھاگے ہیں" •

اول لفظ عرب پھر بھاگنے والے کا ذکر تاریخ عالم میں ایک ہی وہ بھاگنے والا ہے

جس کا بھاگنا دنیا کی تاریخ میں ایک عظیم الشان واقعہ ہو گیا یعنی حضرت محمد مصطفےٰ صلعم آپ کی ہجرت یعنی مکہ سے بھاگنا ایک ایسا عظیم الشان واقعہ ہے کہ اسی سے سنہ اسلامی شروع ہوتا ہے یہ وقعت کسی دوسرے کے بھاگنے کو نہیں ملی - پھر وہی ننگی تلوار کے سامنے سے بھاگنے والا ہے کیونکہ تاریخ سے ثابت ہے کہ نبی کریم صلعم اس وقت اپنے گھر سے نکلے جب دشمن ننگی تلواریں لے کر آپ کے گھر کا محاصرہ کر چکے تھے اور سب کے سب یکمرتبہ آپ پر ٹوٹ پڑنے کو تیار تھے - دنیا میں نہ کسی شخص کے بھاگنے کو یہ عظمت نصیب ہوئی نہ اس طرح ننگی تلواروں کے اندر سے کبھی کوئی نبی بھاگ کر نکلا - اور پھر صریح الفاظ عرب کی بابت الہامی کلام نے تو اس کا فیصلہ ہی کر دیا +

اسی قسم کی اور بھی کئی بشارتیں انبیائے بنی اسرائیل کی کتابوں میں ہیں حضرت داؤد حضرت سلیمان حبقوق نبی - یحیٰی نبی - وغیرہ لیکن اس مضمون کو مختصر کرنے کے لئے میں اب صرف بنی اسرائیل کے آخری نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ایک پیشگوئی کا ذکر کرتا ہوں جس کی طرف قرآن شریف نے بدیں الفاظ اشارہ کیا ہے وَمُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِي مِنْ بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ میں اپنے بعد ایک رسول کی بشارت دیتا ہوں جس کا نام احمد ہے - وہ بشارت یوحنا کے باب ۱۴ و ۱۵ و ۱۶ میں مذکور ہے - میں صرف چند حوالجات پر اکتفا کرتا ہوں +

"اگر تم مجھے پیار کرتے ہو - تو میرے حکموں پر عمل کرو - اور میں اپنے باپ سے درخواست کروں گا اور وہ تمہیں دوسرا تسلی دینے والا بخشے گا کہ ہمیشہ تمہارے ساتھ رہے یعنی روح حق" (۱۴ : ۱۵ تا ۱۷)

"لیکن وہ تسلی دینے والا جو روح القدس ہے جسے باپ میرے نام سے بھیجے گا وہی تمہیں سب چیزیں سکھلاوے گا" (۱۴ : ۲۶)

"لیکن میں تمہیں سچ کہتا ہوں کہ تمہارے لئے میرا جانا ہی فائدہ ہے کیونکہ

اگر میں نہ جاؤں تو تسلی دینے والا تم پاس نہ آوے گا پر اگر میں جاؤں تو میں اسے تم پاس بھیج دوں گا۔" (۱۶: ۷)

"میری اور بہت سی باتیں ہیں کہ میں تمہیں کہوں پر اب تم اس کی برداشت نہیں کر سکتے لیکن جب وہ یعنی رُوح حق آوے تو وہ تمہیں ساری سچائی کی راہ بتادیگی" (۱۶: ۱۲ و ۱۳)

گو یہ پیشگوئی بھی نہایت صراحت سے حضرت عیسیٰ کے بعد ایک اور نبی کے آنے کی خبر دیتی ہے۔ مگر عیسائیوں نے اس کو توڑ مروڑ کر روح القدس پر لگانا چاہا ہے۔ حالانکہ پیشگوئی کے الفاظ اس نتیجہ کی صاف تردید کرتے ہیں "اگر میں نہ جاؤں تو تسلی دینے والا تم پاس نہ آئے گا" حالانکہ روح القدس پہلے انبیاء پر نازل ہوتا رہا۔ حضرت یحییٰ ماں کے پیٹ سے ہی روح القدس سے بھرے ہوئے پیدا ہوئے جیسا کہ انجیل میں لکھا ہے۔ خود حضرت عیسیٰ پر روح القدس کے کبوتر کی شکل میں نازل ہونے کا ذکر انجیل میں موجود ہے۔ رُوح القدس حضرت عیسیٰ سے پہلے بھی آتا رہا۔ حضرت عیسیٰ کے وقت میں بھی آتا تھا پھر اس کے کیا معنی کہ جب تک میں نہ جاؤں روح القدس نہ آئیگا بلکہ اگر کسی شخص کے دل میں حضرت عیسیٰ کی عزت ہو تو وہ اس بات پر ایمان لائیگا کہ حضرت عیسیٰ نے حواریوں کا تزکیہ نفس کر کے ان کو بھی روح القدس کے نزول کا اہل بنا دیا تھا۔ قرآن شریف میں صحابہ رضی اللہ عنہم پر روح القدس کے آنے کا صاف ذکر ہے وَاَیَّدَھُمْ بِرُوْحٍ مِّنْہُ۔ پس یہ نہایت ہی بودی تاویل ہے جو کی گئی ہے۔ ہاں روح حق کی جگہ لفظ روح القدس بھی پیشگوئی میں آگیا ہے جو اگر غلطی نہیں تو محض اس بات کے اظہار کے لئے ہے کہ اس آنے والے پیغمبر کے ساتھ روح القدس کا ایسا شدید تعلق ہوگا کہ اس کا آنا گویا خود روح القدس کا آجانا ہے اور مجاز کے طور پر یوں کہا جا سکتا ہے۔ ہاں پیشگوئی کے الفاظ صاف بتاتے ہیں کہ وہ دوسرا تسلی دینے والا نبی کریم صلعم

ہی ہیں اس کی صفت میں ہے کہ وہ ہمیشہ تمہارے ساتھ رہے گا یعنی اس کے بعد کوئی دوسرا نبی نہ آئے گا کیونکہ دوسرے نبی کے آنے سے پہلے نبی کی نبوت کا زمانہ ختم ہو جاتا ہے۔ پھر لکھا ہے وہ سب چیزیں سکھلاوے گا اور یہی دعویٰ قرآن شریف کا ہے اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ آج کے دن میں نے تمہارا دین تمہارے لئے کمل کردیا حالانکہ حضرت عیسیٰ اپنے متعلق صاف اقرار کرتے ہیں کہ میں سب باتیں نہیں کہہ سکتا گویا اس وقت تک دین ابھی اپنے کمال کو نہیں پہنچا۔ پھر اس کو روح حق کہا گیا ہے۔ اور قرآن شریف میں اسی طرف اشارہ ہے جو فرمایا قُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ۔ الحق آگیا اور باطل بھاگ گیا۔ اور بھی نشانات اس پیشگوئی میں ہیں جیسا یہ کہ وہ میری بڑائی کرے گا۔ کیونکہ حضرت عیسیٰ کی تطہیر الزامات سے حضرت محمد مصطفےٰ صلعم نے کی ہے ÷

پس نبی صلعم دعائے ابراہیم بھی ہیں اور بشارت عیسیٰ بھی جیسا کہ خود فرمایا۔ اَنَا دَعْوَۃُ اَبِیْ اِبْرَاهِیْمَ وَبَشَارَۃُ عِیْسٰے وَرُؤْیَا اُمِّیْ۔ اپنی ماں کی رویا آنجناب کس رنگ میں تھے اس کا ذکر آگے آتا ہے ÷

پانچواں باب

سلسلۂ نسب و پیدائش

اَلَّذِیْ یَرٰىكَ حِیْنَ تَقُوْمُ وَ تَقَلُّبَكَ فِی السّٰجِدِیْنَ (الشعراء ۲۱۸ - ۲۱۹)

حضرت اسمٰعیل حضرت ابراہیم کے سب سے بڑے فرزند تھے۔ حضرت اسمٰعیل کے بارہ بیٹے تھے جن پر توریت کی شہادت ہے ان میں ایک قیدار تھے جن کی نسل حجاز میں پھیلی۔ قیدار کا تعلق عرب سے یا عربوں کا قیدار کی اولاد ہونا توریت میں ایک امر مسلم ہے۔ اور عدنان کا جو غالباً حضرت اسمٰعیل سے کوئی چالیسویں پشت میں ہیں۔ حضرت اسمٰعیل کی اولاد ہونا اہل عرب کے نزدیک ایک امر مسلم ہے۔ اور عدنان تک حضرت محمد مصطفےٰ کا نسب نامہ نام بنام یقینی طور پر پہنچا ہوا موجود ہے۔ جس میں آج تک کسی کو بھی اختلاف نہیں۔ اس کے برخلاف حضرت مسیح کے دادا سے ہی دو الگ الگ نسبنامے خود انجیلوں میں موجود ہیں۔ عدنان سے نویں پشت میں نضر بن کنانہ ہیں جن کے ساتھ خاندان قریش کی بنا پڑی اور اس گھرانے کا اعزاز پہلے سے بھی دو چند ہو گیا۔ ان کی اولاد میں نویں پشت میں قصیّ ہوئے جن کے سپرد کعبہ کی تولیت کا کام ہوا جو عرب میں سب سے زیادہ عزت کا مقام سمجھا جاتا تھا۔ یہ عبدالمطلب کے پردادا تھے۔ یوں عرب میں شرافت اور عزت کے لحاظ سے آنحضرت صلعم کا خاندان اعلیٰ سے اعلیٰ مقام پر تھا۔ یہاں تک کہ اس سے بلند تر اور کوئی خاندان نہیں۔

آپ کے پردادا ہاشم نے مدینہ میں بنی نجار کے خاندان میں شادی کی اس لئے یہ آپ کے ننہال ہوئے۔ ان کے بطن سے ہاشم کے ہاں عبدالمطلب پیدا ہوئے

ان کے دس بیٹے تھے۔ جن میں سے ذیل کے مشہور ہیں۔ ابولہب جو آنحضرت کی مخالفت میں حد درجہ سے گزر گیا۔ ابوطالب جنہوں نے آنحضرت صلعم کی پرورش کی۔ حضرت حمزہ جو ابتدائے اسلام میں ہی آپ پر ایمان لائے اور سید الشہدا کے نام سے مشہور ہیں جنگ اُحد میں شہید ہوئے۔ حضرت عبّاس جو گو بظاہر ایک مدت تک کفر پر رہے مگر آنحضرت صلعم کے ساتھ شروع سے ہی محبت رکھتے تھے۔ اور آخر اسلام لائے اور عبداللہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے والد ہیں۔ عبداللہ کی شادی قبیلہ زُہرہ میں وہب بن عبد مناف کی صاحبزادی سے ہوئی جن کا نام مبارک آمنہ تھا۔ نہ صرف یہ جوڑا خاندانی عزت و شرف کے لحاظ سے ہی کمال پر تھا بلکہ اُس زمانہ میں جب کفر و ضلالت کی تاریکی چاروں طرف چھائی ہوئی تھی۔ ان کو اللہ تعالیٰ نے ایک پاکیزہ فطرت عطا فرمائی تھی جیسا کہ آیت مندرجہ صدر کی تفسیر میں حضرت ابن عبّاس تقلّب کی تفسیر میں فرماتے ہیں اَلتَّنَقُّلُ فِیْ اَصْلَابِہِمْ حَتّٰی وَلَدَتْہُ اُمُّہٗ یعنی آبا و اجداد کی پیٹھوں میں منتقل ہوتے رہنا یہاں تک کہ آپ کی والدہ نے آپ کو جنا۔ پس آپ کے تمام اجداد کو ساجدین کے لقب سے یاد فرما کر یہ بتا دیا کہ جس مقام تک فطری پاکیزگی انسان کو پہنچا سکتی ہے وہاں تک وہ پہنچے ہوئے تھے۔

شادی کے چند ہی روز بعد عبداللہ نے تجارت کے لئے شام کا سفر کیا۔ واپسی پر راستہ میں بیمار ہوئے اور آخر مدینہ پہنچکر انتقال فرمایا۔ آنحضرت صلعم ابھی بطن مادر میں ہی تھے۔ گویا پیدا ہونے سے پیشتر ہی آپ کے والد کا سایہ سر سے اُٹھ گیا۔ یہ دو فخر آپ سے خاص کئے گئے کہ باوجود یتیم ہونے کے آپ صاحب خُلق عظیم ہوئے انتہا درجہ کی بیکسی میں پیدا ہو کر اعلےٰ سے اعلیٰ مقام پر پہنچے۔ اور باوجود اُمّی یعنی اَن پڑھ ہونے کے حکمت اور معرفت کے وہ دریا دنیا میں بہا دیئے کہ جن کے سامنے آج تیرہ سو سال بعد بھی دنیا کی گردنیں جھکتی ہیں۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے:۔

یتیمے کہ ناکردہ قرآں درست
کتبخانۂ چند ملت بشست

آنحضرت کی ولادت کی مشہور تاریخ بارہ ربیع الاول یوم دوشنبہ ہے یا ایک تحقیقات کے مطابق ۹۔ ربیع الاول جو ۲۰ اپریل ۵۷۱ء عیسوی کے مطابق ہے آپ کی پیدائش سے پیشتر آپ کی والدہ کو رویا میں سردار دو جہان کی آمد کا نظارہ دکھایا گیا۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ دادا نے آپ کا نام محمد صلعم اور والدہ نے احمدؐ نام رکھا۔ یہ دونوں نام رویا کی بنا پر تھے۔ دونوں کا ذکر قرآن شریف میں آیا ہے۔ دونوں نام آپ کے صحیح احادیث میں آپ کی زبان مبارک سے ثابت ہیں اَنَا مُحَمَّدٌ وَ اَنَا اَحْمَدُ آپ کے دونوں نام اشعار میں بھی آئے ہیں گو زیادہ مشہور نام محمد صلعم ہی تھا۔ آپ اسم بامسمےٰ تھے۔ دنیا میں وہ انسان جس کی سب سے زیادہ تعریف کی گئی آپ ہی ہیں۔ آپ کے اخلاق نے آپ کے کمالات نے دشمنوں سے بھی خراج تحسین وصول کیا ہے پس آپ محمدؐ کہلائے۔ اور سب سے زیادہ حمد کرنے والے بھی آپ ہی تھے جس قدر حمد الٰہی آپ نے کی دنیا میں اور کسی انسان نے نہیں کی۔ یہاں تک کہ کم از کم چالیس مرتبہ روز اللہ تعالیٰ کی حمد آپ کے ہر پیرو کے مُنہ سے نکلتی ہے۔ پس آپ احمد کہلائے۔ آپ جلال اور جمال دونوں صفتوں کے جامع تھے۔

آپ کی پیدائش کے ساتھ کیا کیا عجیب نشان دنیا میں ظہور پذیر ہوئے یہ تفصیل کا موقعہ نہیں۔ آپ کی دنیا میں تشریف آوری کے صرف ایک عظیم الشان نشان کا یہاں ذکر کروں گا۔ اسی سال جب آپ پیدا ہوئے یمن کے عیسائی حاکم نے اپنے دارالخلافہ صنعا نام میں ایک عظیم الشان کنیسہ (گرجا) بنوا کر یہ پختہ فیصلہ کر لیا کہ خانہ کعبہ کو برباد کر کے ملک عرب کا جسمانی اور روحانی مرجع اس گرجا کو بنائے۔ یہ درحقیقت تثلیث اور

توحید میں ایک جنگ تھی۔ ابرہہ ایک عظیم الشان لشکر لے کر جس میں چند ہاتھی بھی تھے۔ جن کے سردار کا نام محمود تھا خانہ کعبہ کو گرانے کی نیت سے روانہ ہوا۔ جب مکّہ سے صرف تین منزل کے فاصلہ پر رہ گیا تو وہاں ڈیرہ کیا۔ اور کہلا بھیجا کہ میری نیت صرف کعبہ ڈھانے کی ہے۔ اسی اثنا میں عبد المُطّلِب کے کچھ اونٹ پکڑے گئے۔ عبد المُطّلِب خود ابرہہ کے دربار میں حاضر ہوئے۔ اُن کی شکل وشباہت اور وجاہت کا ابرہہ پر بہت اثر ہوا۔ پھر اُس نے پوچھا تم کیا درخواست لے کر آتے ہو۔ آپ نے فرمایا تمھاری فوج نے میرے کچھ اونٹ پکڑ لئے ہیں اُن کو چھوڑ دیا جائے۔ ابرہہ متحیر ہو کر کہنے لگا تم کو اپنے اونٹوں کی فکر پڑی اور تم نے یہ درخواست مجھ سے نہ کی کہ میں کعبہ کو نہ گراؤں۔ آپ نے جواب دیا۔ میں اونٹوں کا مالک ہوں اس لئے مجھے اُن کی فکر پڑی۔ کعبہ کا مالک کعبہ کی فکر آپ کرے گا۔ اس کے بعد قریش نے اپنے آپکو ابرہہ کی افواج سے جنگ کے قابل نہ پاکر مکّہ کو خالی کر دیا اور قریب کی پہاڑیوں پر ڈیرے لگا دیئے چلتے وقت عبد المُطّلِب نے اَستارِ کعبہ کو پکڑ کر یہ دعا کی کہ اے خدا یہ تیرا گھر ہے ہم اس کی حفاظت کی طاقت اپنے اندر نہیں پاتے۔ اب تو ہی اس کی حفاظت فرما۔ اہل تاریخ کہتے ہیں کہ اسی اثنا میں ابرہہ کے لشکر میں ایک خطرناک وبا یعنی چیچک کے مرض کی پھوٹی جس سے اُس کی فوجوں کا بڑا حصہ تباہ ہو گیا۔ اور باقی بدحواس ہو کر بھاگ گئے۔ قرآن شریف نے اُن کی تباہی کا آخری نقشہ اس طرح کھینچا ہے۔

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِيْلِ ۝ اَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ فِيْ تَضْلِيْلٍ ۝ وَّاَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا اَبَابِيْلَ ۝ تَرْمِيْهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيْلٍ ۝ فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّاْكُوْلٍ ۝ تمہیں معلوم نہیں تمہارے رب نے اصحاب فیل کے ساتھ کیسا معاملہ کیا۔ کیا ان کی تدبیر کو ہلاک کر دیا۔ اور ان پر پرند جھُنڈ کے جھُنڈ بھیجے جو ان کو سخت پتھروں کے ساتھ مارتے سو ان کو کھائے ہوئے بھوسے کی طرح کر دیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ فوج ایسی افراتفری

میں بھاگی کہ اپنے مُردوں کو بھی دفن نہ کر سکی اور اُن کا گوشت پرندوں نے نوچ نوچ کر کھائے ہوئے بھوسے کی طرح کر دیا۔ یہ نشان آپ کی پیدائش کے ساتھ ہی دکھا دیا گیا تا معلوم ہو جائے کہ اس مقدس گھر کو کوئی تباہ نہیں کر سکتا۔ اگر آپ کی پیدائش کے ساتھ عیسائیت کو ایسی خاش زک ملتی ہے تو فارس کے آتشکدہ کا بجھ جانا اگر بطور نشان واقع ہوا ہو تو کونسی بعید بات ہے۔ کیونکہ فی الواقع یوں ہی مقدر تھا کہ آپ کے ظہور کے ساتھ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ کا ظہور کامل طور پر ہو ✦

چھٹا باب

حالات قبل از بعثت

فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا مِّن قَبْلِهِ أَفَلَا تَعْقِلُونَ (یونس)

اہل عرب میں یہ دستور تھا کہ رؤساء اور شرفاء اپنے بچوں کو دودھ پلانے کے لئے دیہات میں بھیج دیا کرتے تھے۔ آنحضرت صلعم کی پیدائش پر آپ کی والدہ نے دو تین یوم آپ کو دودھ پلایا اُس کے بعد دو تین دن ابولہب کی لونڈی ثُوَیبہ نے۔ اُس کے بعد آپ کو رضاعت کے لئے قبیلہ بنی سعد کی ایک عورت حلیمہ کے سپرد کر دیا گیا۔ حضرت حلیمہ سعدیہ نے آپ کو دو سال تک دودھ پلایا اُس کے بعد وہ حضرت آمنہ کے پاس بچے کو لائیں مگر بوجہ مکہ میں وبا کے آپ نے اُسے پھر حضرت حلیمہ کے سپرد ہی کر دیا۔ چھ برس تک آپ اُنہی کے پاس رہے۔ اس کے جلد ہی بعد آپ کی والدہ آپ کو ساتھ لیکر مدینہ گئیں۔ آپ کے جانے کی وجہ اپنے شوہر کی قبر کی زیارت تھی جو مدینہ میں مدفون ہوئے تھے۔ واپسی کے وقت راستہ میں اَبوا کے مقام پر آمنہ کا انتقال ہو گیا۔ اور وہیں اُن کی قبر بنی۔ اور اس طرح پر چھ سال کی عمر میں آپ کے سر سے ماں کا سایہ بھی اُٹھ گیا۔ اور گو آنحضرت صلعم کو اپنے ماں باپ کی خدمت کا موقعہ نہیں ملا مگر آپ نے اپنی رضاعی ماں اور رضاعی بہنوں کے ساتھ وہی سلوک کیا جو خون کے تعلقات میں ہوتا ہے۔ ایک دفعہ حضرت حلیمہ سعدیہ زمانہ نبوت میں آپ کے پاس تشریف لائیں تو آپ کھڑے ہو گئے اور اپنی مبارک چادر اُن کے بیٹھنے کے لئے بچھا دی اور اسی طرح اپنی دودھ بہنوں اور دودھ بھائیوں بلکہ اُس ساری قوم کے ساتھ جس میں سے حضرت حلیمہ سعدیہ تھیں نہایت درجہ احسان کا سلوک کیا۔

والدہ کی وفات کے بعد آپ کی پرورش اور نگرانی آپ کے دادا عبد المطلب نے اپنے ذمہ لی۔ مگر دو ہی سال گزرے تھے کہ اُن کا بھی انتقال ہو گیا۔ اور آٹھ برس کی عمر میں آپ اپنے چچا ابو طالب کی کفالت میں آ گئے بچپن سے ہی اس قدر خوبیاں آپ میں پائی جاتی تھیں کہ ابو طالب کو آپ کے ساتھ نہایت درجہ کی محبت ہو گئی بلکہ جس شخص کا آپ کے ساتھ تعلق پڑتا تھا وہی آپ سے محبت کرنے لگتا تھا۔ چنانچہ ابو طالب آپ کو اپنے پاس ہی سُلاتے اور باہر جاتے تو ساتھ لے جاتے۔ آپ کی عمر کوئی بارہ برس کی تھی جب ابو طالب نے اغراض تجارت کے لئے شام کا سفر کیا اور چونکہ رسول اللہ صلعم آپ کی جدائی کو گوارا نہ کرتے تھے اس لئے ساتھ ہی گئے بحیرا راہب والا واقعہ اسی زمانہ کا ہے۔ گو اس کا بعض لوگوں نے انکار کیا ہے۔ یعنی یہ کہ ایک راہب بحیرا نے آپ کو دیکھ کر ابو طالب کو یہ کہا کہ اس لڑکے کو حفاظت سے رکھو کیونکہ یہ نبی ہونے والا ہے۔ آپ کی بیس سال کی عمر تھی کہ قریش اور قیس کے قبیلوں میں وہ مشہور لڑائی ہوئی جو حربِ فجار کے نام سے موسوم ہے اس لئے کہ وہ حرمت کے مہینوں میں ہوئی۔ اس جنگ میں رسول اللہ صلعم بھی شریک ہوئے۔ مگر کسی کو اپنے ہاتھ سے مارا نہیں۔ اس کے بعد ہی آپ اُس معاہدہ میں بھی شامل ہوئے جو حِلفُ الفُضُول کے نام سے مشہور ہے۔ کیونکہ اس میں لفظ فُضُول آتا تھا۔ اس معاہدہ کی غرض یہ تھی کہ جو شخص اس معاہدہ میں شامل ہو وہ بہر حال مظلوم کی حمایت کرے گا اور جب تک ظلم کا بدلہ نہ لے لیا جائے خواہ کوئی بھی ظلم کرنے والا ہو اُس وقت تک آرام نہیں کرے گا۔ ایک ایسے ملک میں جہاں ظلم کے دفعیہ کا کوئی بھی علاج نہ تھا۔ یہ معاہدہ بہت ہی بابرکت تھا اور آنحضرت صلعم کی شرکت بلکہ آپ کے خاندان بنی ہاشم کا ہی اس کا اصل محرک ہونا بتاتا ہے کہ آپ کا میلان طبیعت شروع سے کس طرح ظلم کے خلاف اور بیکسوں کی حمایت کی طرف تھا +

اسی زمانہ میں آپ کی دیانت امانت اور آپ کی راستبازی مکہ میں زبان زد خلق ہو چکی تھی۔ یہاں تک کہ آپ عام طور پر امین کے نام سے مشہور ہو چکے تھے۔ امین سے مراد صرف یہ نہ تھی کہ آپ روپے کی امانت کو ٹھیک ادا کرتے ہیں بلکہ یہ کہ ہر ایک قسم کی نیکیاں اور خوبیاں آپ کے اندر جمع ہیں جن لوگوں نے اس زمانہ میں آپ سے کسی قسم کا معاملہ کیا وہ آپ کے حسن معاملہ کے ساری عمر مدّاح رہے۔ چنانچہ اس قسم کے بعض واقعات کا احادیث میں ذکر ہے۔ اسی زمانہ میں خانہ کعبہ کی عمارت کے از سر نو بنانے کی ضرورت پیش آئی۔ اس کے لئے ہر قسم کا سامان بہم پہنچایا گیا۔ اور تمام قریش نے مل کر تعمیر کا کام شروع کیا۔ اور مختلف قبیلوں نے مختلف حصّے لے لئے تا کہ ہر ایک اس برکت سے حصہ لے۔ حجرِ اَسْوَدْ کے نصب کرنے کا موقعہ آیا تو خطرناک تنازع پیدا ہو گیا۔ ہر ایک چاہتا تھا کہ یہ خدمت وہی سرانجام دے اور اس کا فیصلہ سوائے خطرناک جنگ کے جو بعض قبیلوں کا صفایا کر دیتی نہ ہوتا۔ آخر ایک معمّر آدمی نے سب قبائل کو اس بات پر راضی کیا کہ اگلے دن صبح جو شخص سب سے پہلے حرم میں آئے وہی ثالث قرار دیا جائے وہ سب سے پہلے آنے والا وہ شخص تھا جس کو دیکھتے ہی سب قبائل کے معززین جو وہاں جمع تھے ایک زبان سے پکار اُٹھے ھٰذَا الْاَمِیْنُ۔ یہ الامین آ گیا۔ آپ چاہتے تو خود ہی اس کام کو سرانجام دیتے مگر آپ نے اس کی بجائے یہ تجویز کی کہ ایک مضبوط چادر لے کر اس میں حجرِ اَسْوَدْ کو اُٹھا کر اپنے ہاتھ سے رکھ دیا۔ اور پھر چادر کی چاروں طرف ہر قبیلہ کے معززین کے ہاتھ میں دیدیں۔ اور یوں حجرِ اَسْوَدْ اُٹھا کر اپنے مقام پر لگا یا گیا۔ اور آپ کے حُسن تدبیر سے ایک خطرناک جنگ رُک گئی۔ اس وقت آپ کی عمر ۳۵ سال کی تھی +

آپ کی نیکی اور راستبازی کی شہرت کی وجہ سے ایک معزز خاتون خدیجہؓ نامی جو بیوہ تھیں اور جن کی نیکی کی وجہ سے جاہلیت میں اُن کا لقب طاہرہ تھا آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم کے پاس پیغام بھیجا کہ آپ اُن کے مال سے تجارت کریں۔ اس تجارت میں حضرت خدیجہؓ نے بڑا فائدہ اُٹھایا۔ ساتھ ہی آپ کے اخلاق حمیدہ کی اس قدر گرویدہ ہوئیں کہ آپ کو شادی کا پیغام خود بھیجا اُس وقت آنحضرت صلعم کی عمر پچیس سال کی تھی اور حضرت خدیجہؓ کی عمر چالیس سال۔ آپ نہایت دولتمند عورت تھیں۔ اس نکاح سے آپ کی چار صاحبزادیاں اور دو صاحبزادے ہوئے۔ آپ کا سب سے بڑا بچہ قاسم تھا جس سے آپ کی کنیت ابو القاسم ہوئی مگر وہ دو سال کی عمر میں فوت ہو گیا آپ کی سب سے بڑی صاحبزادی زینبؓ تھیں جن کی شادی ابو العاص سے ہوئی۔ اس سے چھوٹی رقیہؓ جن کی شادی حضرت عثمان سے ہوئی اور جنگ بدر کی فتح کے دن آپ فوت ہوئیں انہی کی بیماری کی وجہ سے آنحضرت صلعم نے حضرت عثمان کو مدینہ میں چھوڑا تھا۔ اُن سے چھوٹی اُم کلثوم تھیں جو رقیہؓ کی وفات کے بعد حضرت عثمان کے نکاح میں آئیں ان دونوں صاحبزادیوں کی شادی پہلے ابولہب کے بیٹوں سے ہوئی تھی۔ سب سے چھوٹی حضرت فاطمۃ الزہرا تھیں جن کی اولاد سے خاندان سیادت چلا۔ حضرت فاطمہ کی شادی حضرت علیؓ سے ہوئی حضرت خدیجہ کی اولاد میں سب سے چھوٹا ایک اور فرزند تھا وہ بھی صغرسنی میں فوت ہو گیا۔ اور سوائے سیدہؓ کے، جو آپ کی وفات کے چھ ماہ بعد فوت ہوئیں۔ آپ کی سب اولاد آپکی زندگی ہی میں فوت ہوئی۔ اس کے بعد آپ کے ہاں سوائے ابراہیم کے جو وہ بھی صغرسنی میں فوت ہو گئے اور کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ حضرت خدیجہ کو آپ سے اور آپ کو حضرت خدیجہ سے نہایت درجہ کی محبت تھی۔ بعد کے زمانہ میں آپ ہمیشہ اس کا ذکر محبت سے کرتے۔ مگر کیوں؟ حضرت عائشہ صدیقہ نے آپ کے اس دلی راز کو ہم تک پہنچایا ہے۔ ایک دفعہ انہوں نے ایسے ہی ذکر پر عرض کیا کہ یا رسول اللہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اُس سے بہتر بی بی نہیں دی؟ وہ بوڑھی تھیں۔ تو آپ نے فرمایا نہیں۔ اُس نے اُس وقت مجھے قبول

کیا جب لوگ مجھے رد کر رہے تھے۔ آپ خدیجہؓ کے حسن اخلاق پر فریفتہ تھے۔ خدیجہ کا مال آپ نے دل کھول کر خدا کی راہ میں خرچ کر دیا۔ اور کبھی خدا کی راہ میں مال خرچ کرنے کی آپ کی سفارش کو انہوں نے رد نہیں کیا۔ جب اپنے مال سے غلام خرید کر آنحضرتؐ صلعم کو دیا تو آنحضرتؐ نے اسے آزاد کر دیا۔ چنانچہ حضرت زید اسی طرح آپ کے آزاد کردہ غلام تھے۔ جب آپ کو منصب نبوت پر مامور کیا گیا۔ اور آپ اس بار عظیم کے متعلق متفکر تھے کہ میں اس کی ذمہ داری سے کس طرح عہدہ برآ ہوں گا تو حضرت خدیجہ نے آپ کے قلب حزیں کو جن الفاظ میں تسکین دی وہ بتاتے ہیں کہ آپ کے حسن اخلاق آپ کی ہمدردی بنی نوع انسان نے کس قدر گہرا نقش حضرت خدیجہ کے دل پر کر رکھا تھا۔ فرمایا کَلَّا وَاللّٰہِ مَا یُخْزِیْکَ اللّٰہُ اَبَدًا اِنَّکَ لَتَصِلُ الرَّحِمَ وَتَحْمِلُ الْکَلَّ وَتَکْسِبُ الْمَعْدُوْمَ وَتَقْرِی الضَّیْفَ وَتُعِیْنُ عَلٰی نَوَائِبِ الْحَقِّ خدا کی قسم اللہ آپ کو ہرگز ناکام رکھ کر رسوا نہیں کرے گا۔ آپ صلہ رحمی کرتے ہیں ناتوان کا بوجھ اُٹھاتے ہیں۔ جو چیزیں معدوم ہیں ان کو کماتے ہیں مہمان نوازی کرتے ہیں۔ اور حادثات میں حق کی مدد کرتے ہیں۔ یہ بھی اس پاک محبت کی اصل وجہ دونوں خدا کی راہ میں سب کچھ دیئے ہوئے تھے۔ دونوں بنی نوع انسان کی ہمدردی میں فدا تھے۔ بی بی کا میاں سے اس غایت درجہ کی محبت کرنا اور سب اپنا کچھ اس کے کہنے پر قربان کر دے اور حسن اخلاق کی وجہ سے اس کا گرویدہ ہو جانا جو اس کے اندرون کے رازوں اور مخفی سے مخفی خیالات پر اطلاع رکھتی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا ایک ایسا منظر ہے جس کے سامنے دشمن کو بھی اقرار کرنا پڑا ہے کہ آنحضرت صلعم کا دعویٰ افترا پر مبنی نہ تھا۔ کیونکہ مفتری کذاب کے خیالات اندرونی حالات کے واقفوں سے پوشیدہ نہیں رہ سکتے۔

ایک اس پاک بی بی پر کیا انحصار ہے۔ گو اُن کی شہادت سب سے زیادہ

رازدار ہونے کی وجہ سے سب سے زیادہ قابل اعتبار ہے۔ جس کا تعلق نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے ہوا وہ آپ کے اخلاق حمیدہ کی وجہ سے اس زمانہ میں آپ کا عاشق جان نثار ہی ہو گیا۔ زید ایک غلام تھے جن کو آپ نے آزاد کیا۔ زید کا باپ پتہ لگاتا ہوا مکہ پہنچتا ہے اور آنحضرت صلعم سے درخواست کرتا ہے کہ اس کے بیٹے کو گھر جانے کی اجازت دی جائے۔ رحمۃ للعالمین کا قلب شفیق کہاں برداشت کرتا تھا کہ بیٹے کو باپ سے چھین کر اپنے پاس رکھیں۔ مگر محبت اور رحمت کا یہ بھی تقاضا تھا کہ اس کو زبردستی اپنے سے الگ نہ کیا جائے آپ نے جس کے ساتھ دوستی کی اس کو اسی طرح آخر تک نباہا۔ غرض زید کے باپ کو کہا اگر زید تمہارے ساتھ جانا چاہے تو میں اس کو نہیں روکتا باپ خوش ہوا کہ اور کیا بکار ہے۔ مگر اسے معلوم نہیں تھا کہ خیر البشر کی شفقت مہر پدری سے بڑھ کر ہے اور زید گو غلامی سے آزاد کیا گیا ہے مگر آپ کے اخلاق حمیدہ کا غلام ہو چکا ہے۔ جب زید سے اس نے یہ کہا تو اس نے جواب دیا کہ میں محمد رسول اللہ صلعم کے پاس ہی ٹھہروں گا حضرت ابوبکر صدیق رضی کی دوستی تو آپ سے مشہور ہے۔ ابو طالب نے جس قدر دُکھوں اور مصیبتوں کے اندر آپ کا ساتھ دیا وہ محض آپ کے اخلاق حمیدہ کی وجہ سے ہی تھا۔ ابو طالب نے باوجود اپنے آبائی مذہب پر قایم رہنے کے سارے قریش کی دشمنی کو آسان سمجھا مگر ایسے بلند مرتبہ پاک اخلاق کے انسان کا ساتھ چھوڑنے کو صد درجہ کی رذالت خیال کیا۔ چنانچہ اس کے چند اشعار اس دلی کیفیت کو بتاتے ہیں کہ وہ کیوں آپ سے اس قدر محبت کرتے تھے ؛

وَمَا تَرْكَ قَوْمٍ لَا اَبَا لَكَ سَيِّدًا ۔۔۔ يَحُوطُ الذِّمَارَ غَيْرَ ذَرْبٍ مُوَاكِلِ

وَاَبْيَضَ يُسْتَسْقَى الْغَمَامُ بِوَجْهِهٖ ۔۔۔ ثِمَالُ الْيَتَامٰى عِصْمَةٌ لِلْاَرَامِلِ

تجھ پر افسوس ہے کسی قوم نے اپنے سردار کو نہیں چھوڑا گویا اس سوال کا

جواب دیا ہے کہ تم ہمیں کہتے ہو کہ محمد رسول اللہ صلعم کا ساتھ چھوڑ دیں) اور سردار بھی وہ جو تمام حفاظت کرنے والی چیزوں کی خوب حفاظت کرتا ہے۔ اور وہ ذبان دراز نہیں نہ عاجز ہے کہ کام دوسرو نکے سپرد کرے وہ کریم ہے جس کے منہ کے وسیلہ سے مینہ مانگا جاتا ہے وہ یتیموں کا ملجا اور بیوہ عورتوں کی پناہ ہے +

اور نہ صرف یہ کہ آپ کے حُسن اخلاق پر آپ کے سب احباب اُس زمانہ میں شیدا تھے۔ بلکہ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جس قدر لوگوں کا آپ سے تعلق تھا وہ سب کے سب بلند اخلاق کے اور عالی مرتبہ لوگ تھے۔ حکیم بن حزام جو قریش کے نہایت معزز رئیس تھے اور فتح مکہ کے بعد ایمان لائے آپ کے خاص احباب میں سے تھے ایسا ہی ضماد بن ثعلبہ۔ غرض نبوت سے پہلے آپ کے اخلاق ایسے بلند مقام پر پہنچے ہوئے نظر آتے ہیں کہ جس نے آپ سے تعلق پیدا کیا۔ وہ بھی ایک بلند مقام پر پہنچ گیا ایک نہایت ہی روشن پہلو آپ کے اخلاق فاضلہ کا غریبوں یتیموں بیکسوں بیواؤں کی ہمدردی اور خبرگیری تھی جس کے متعلق وہ تمام لوگ یک زبان ہیں جن کو نبی کریم صلعم سے واسطہ پڑا۔ ابھی حضرت خدیجہ کی شہادت نقل ہو چکی ہے جو فرماتی ہیں کہ آپ کو خدا ضائع نہیں کرے گا اس لئے کہ آپ بیکسوں اور غریبوں کے حامی۔ مفلسوں اور محتاجوں کے خبرگیر۔ اپنے اور بیگانے سے ہمدردی کرنے والے ہیں۔ ابو طالب نے بھی یہی شہادت دی ہے کہ آپ ثِمَالُ الْیَتَامیٰ عِصْمَۃٌ لِلْاَرَامِلِ ہیں۔ یعنی یتیموں کے محافظ بیوہ عورتوں کے جائے پناہ۔ حلف الفضول میں آپ کی شرکت بھی مظلوموں کی حمایت کی وجہ سے تھی۔ غرض یہ ایک جوہر تھا جو فطرتاً آپ کے اندر ودیعت کیا گیا تھا کہ غریبوں بیکسوں اور یتیموں بیواؤں کے آپ حامی ہوں۔ قرآن کریم کی تعلیم پر غور کرو تو دین قرار ہی اس کو دیا ہے کہ یتیم و مسکین کی خبرگیری کی جائے۔ جو شخص یتیم کو دھتکارتا ہے اور مسکین کے کھانے پر ترغیب نہیں دیتا اسے دین کی تکذیب

کرنے والا بنایا ہے۔ سب سے بلند گھاٹی جس پر چڑھ کر انسان انسانیت کے اصل شرف کو حاصل کرسکتا ہے وہ یہی ہے کہ یتیم کی اور خاک آلود مسکین کی خبر گیری کی جائے۔ جو یتیم کی عزت نہیں کرتے انہیں ذلت کی خبر سنائی۔ قوم کی ذلت کی وجہ یہ بیان فرمائی ہے کہ وہ اکرام یتیم اور امداد مسکین کو ترک کردے۔ قرآن کریم اس قسم کی تعلیم سے بھرا پڑا ہے اور اس کا لفظ لفظ بتاتا ہے کہ بیکسوں اور مظلوموں کے لئے وہ کیا درد تھا جو آپ کے دل میں پنہاں تھا۔

آپ کی بعثت سے پہلے کی زندگی کے واقعات سے یہ بھی صاف ظاہر ہوتا ہے کہ آپ بچپن میں اعلیٰ درجہ کے حیا اور متانت کی عادات سے متصف تھے کھیل کود آپ کی عادت میں نہ تھی۔ ابو طالب نے آپ کا ذکر کرتے ہوئے حضرت عباس سے کہا لَمْ اَدمِنْهُ كَذِبَةً وَلَا ضِحْكًا وَلَا جَاهِلِيَّةً وَلَا وَقَفَ مَعَ الصِّبْيَانِ میں نے کبھی آپ سے جھوٹ ہنسی مخول۔ جاہلیت۔ بچوں کے ساتھ ٹھہرنا نہیں دیکھا ملک عرب کا عام شغل اس زمانہ میں جنگ تھا۔ مگر آپ کو اس سے کچھ مناسبت نہ تھی۔ حرب فجار میں جب آپ شامل بھی ہوئے تو اپنے چچوں کو تیر وغیرہ پکڑانے کا کام کرتے تھے۔ ملک کی توہم پرستیوں کو آپ کے سینہ صافی میں کوئی دخل نہ تھا۔ اور یہ بالکل سچ ہے کہ آپ کا سینہ بچپن سے ہی ہر قسم کی آلایش سے صاف کر دیا گیا۔ اور وہ کشفی نظارہ جس میں فرشتے آپ کے سینہ کو دھوتے ہوئے دکھائے گئے اسی حقیقت کے ظاہر کرنے کے لئے تھا۔ کہ آپ کا قلب ہر قسم کی آلائشوں سے پاک ہے بت پرستی سے آپ کو بچپن سے نفرت تھی ایک دفعہ کسی مجلس میں لات وعزیٰ کے ذکر پر آپ نے فرمایا کہ مجھے جیسی ان سے نفرت ہے اور کسی چیز سے ایسی نفرت نہیں۔ بلکہ شرک کی رسومات میں بھی آپ کبھی شریک نہیں ہوئے یہاں تک کہ آپ نے وہ کھانا بھی کھانے سے انکار کیا جو بتوں کے نام پر

چڑھایا گیا تھا ۔

نسل انسانی کی ضلالت اور گمراہی کو دیکھ کر آپ کا دل کڑھتا تھا۔ اور آپ کے اندر ایک جوش تھا کہ کسی طرح مخلوق ہدایت کی راہ پر آئے آپ غارِ حرا میں تنہائی میں جا کر خلق خدا کے لئے روتے اور اپنے دردِ دل کا اظہار کرتے تھے حضرت مجدد صد چہاردہم نے اس کا نقشہ ان اشعار میں کھینچا ہے:-

اندراں وقتیکہ دُنیا پر ز شرک و کفر بود ۔۔۔ ہیچکس را خوں نشد دل جز دل آں شہریار
ہیچکس از خبثِ شرک و رجس بت آگہ نشد ۔۔۔ ایں خبر شد جان احمد را کہ بود از عشق زار
کس چہ میداند کزاں نالہ ہا باشد خبر ۔۔۔ کاں شفیعے کرد از بہر جہاں در کنج غار
من نمی دانم چہ دردے بود و اندوہ و غمے ۔۔۔ کاندراں غارے در آور دش حزین و دلفگار
نے ز تاریکی توحش نے ز تنہائی ہراس ۔۔۔ نے ز مردن غم نہ خوف کژدم و نے بیم مار
کشتۂ قوم و فدائے خلق قربانِ جہاں ۔۔۔ نے بجسمِ خویش میلش نے بہ نفس خویش کار
نعرہ ہا پر درد میزد از پئے خلقِ خدا ۔۔۔ شد تضرع کار او پیشِ خدا لیل و نہار
سخت شورے بر فلک افتاد زاں عجز و دعا ۔۔۔ قدسیاں را نیز شد چشم از غم آں اشکبار
آخر از عجز و مناجات و تضرع کردنش ۔۔۔ شد نگاہِ لطفِ حق بر عالمِ تاریک و تار

ساتواں باب

بعثت

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ۚ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۚ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۙ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۙ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ (العلق ۱-۵)

حضرت محمد مصطفےٰ صلعم چالیس سال کی عمر کو پہنچنے سے کچھ پیشتر خلوت کی طرف زیادہ مائل ہو گئے اور کئی کئی دن غار حرا میں تنہائی اور عبادت میں گزارنے لگے۔ ان ایام میں آپ کو سچے خواب کثرت سے آتے۔ اور جو خواب آتا بہت جلد پورا ہو جاتا اور نہایت صفائی سے پورا ہوتا۔ اسی اثنا میں رمضان کے مہینہ میں آپ غار حرا میں عبادت میں مصروف تھے کہ ایک مبارک رات کو حضرت جبرئیل آپ کے سامنے آئے اور فرمایا اِقْرَأْ یعنی پڑھ۔ آپ نے فرمایا مَا اَنَا بِقَارِئٍ میں تو پڑھنا نہیں جانتا۔ تب حضرت جبرئیل نے سینہ کے ساتھ لگا کر آپ کو خوب زور سے دبایا پھر وہی الفاظ دُہرائے اور وہی جواب اور وہی کیفیت۔ تیسری بار کے بعد جبرئیل نے وہ پانچ آیات پڑھیں۔ جو عنوان میں مندرج ہیں جن میں اگر ایک طرف یہ بتایا کہ بیشک آپ تو پڑھنا نہیں جانتے مگر اپنے رب کے نام کی استعانت سے پڑھئے۔ جو کام آپ نہیں کر سکتے اس کو خدا کی مدد آسان کر دے گی۔ تو دوسری طرف آپ کی عُلوِّ شان اور آپ کے ذریعہ سے جو علوم پھیلنے والے تھے ان کا ذکر کیا۔ یہ پہلا دن تھا جو نبوت کا بار گراں آپ پر ڈالا گیا۔ اور بتا دیا گیا کہ وہ رستہ جس کی آپ تلاش میں تھے اور جس کی وجہ سے حیران و سرگردان تھے۔ آخر آپ پر کھول دیا گیا۔ مگر ساتھ ہی یہ بھی ظاہر کر دیا گیا کہ یہ سب بوجھ آپ کو اُٹھانا پڑے گا

اور آپ ہی مخلوق کے لئے ہدایت کا موجب ہوں گے۔ انسان بڑا ہی کمزور ہے۔ ایک چھوٹی سی ذمہ داری کا کام اس پر ڈالا جائے اور سامان بھی موجود ہوں تو بھی وہ کانپ اُٹھتا ہے۔ اصلاح عالم کا بوجھ بہت ہی بڑا بوجھ تھا۔ حضرت موسیٰ پر جب صرف ایک قوم کو اندھیرے سے نکال کر روشنی میں لانے کا بوجھ ڈالا گیا۔ تو اپنے آپ کو تنہا اس بوجھ کے اُٹھانے کے قابل نہ پاکر آپ پکار اُٹھے وَاجْعَل لِّي وَزِيرًا کوئی بوجھ بٹانے والا میرے ساتھ مقرر کیجئے۔ میں اکیلا اس سارے بوجھ کو نہیں اُٹھا سکتا۔ مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ساری دُنیا کی ہدایت کا بوجھ ڈالا جاتا ہے اور خطرناک سے خطرناک تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لانے کا کام آپ کے سپرد کیا جاتا ہے۔ تاہم آپ کے قلب میں اس قدر قوت ہے کہ کوئی ساتھی نہیں مانگتے۔ خدا کی مدد کو اپنے لئے کافی سمجھتے ہیں اور اکیلے اس بوجھ کو اُٹھانے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔ مگر شدت وحی ایک ایسی چیز ہے جو عام انسانوں کے تجربہ سے باہر ہے۔ بعد میں جب آپ اس وحی کو پانے کے عادی بھی ہو گئے تب بھی شدت وحی سے آپ کی یہ کیفیت ہو جاتی تھی کہ سخت سردی کے دن میں آپ کو پسینہ آجاتا اور جسم اس قدر بوجھل ہو جاتا کہ ایک صحابی کہتے ہیں کہ ایسی حالت میں جب اتفاق سے اس وقت آپ کی ران میرے زانو پر تھی تو مجھے خوف ہوا کہ میں بوجھ سے پس نہ جاؤں۔ وحی کے پانے کے لئے اس عالم سے انقطاع کلی بکار ہے اور وہ انقطاع حاصل نہیں ہو سکتا جب تک کہ شدت کے ساتھ انسان نہیں پکڑا جاتا۔ پس اس شدت وحی کے سب سے پہلے تجربہ میں آپ کانپ اُٹھے۔ دوسری طرف یہ بھی خوف تھا کہ اتنی عظیم الشان ذمہ داری کے کام سے کس طرح عہدہ برآ ہو سکوں گا۔ ایک طرف انسانی عجز و ضعف کا نظارہ تھا۔ دوسری طرف کام کی وہ عظمت کہ اتنا بڑا کام کسی انسان کے سپرد نہیں ہوا۔ کانپتے کانپتے گھر پہنچے۔ آپ

کے ہاتھ پاؤں ٹھنڈے ہو گئے۔ اس لئے پہنچتے ہی حضرت خدیجہؓ سے فرمایا کہ مجھے کپڑا اُڑھا دو۔ تھوڑی دیر میں وہ دل کا خوف اور کانپنا جاتا رہا تو آپ نے حضرت خدیجہؓ سے اس سارے واقعہ کا ذکر کیا۔ اس مقدس بی بی نے جس کے دل پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کا گہرا اثر تھا۔ اس وقت آپ کو نہایت ہی سچے الفاظ میں تسکین دی اور کہا مَا يُخْزِيكَ اللّٰهُ اَبَدًا اللہ تعالیٰ آپ کو کبھی ایسا رسوا نہ کریگا کہ آپ اس کام میں جو اس نے آپ کے سپرد کیا ہے ناکامی کا مُنہ دیکھیں۔ اور وہ پھر اس کے آگے آپ کی خوبیوں کو گنتا ہے کہ آپ عزیزوں اور رشتہ داروں سے نہایت درجہ کا حُسن سلوک کرتے ہیں بیکسوں اور غریبوں کے مددگار۔ مہمان نواز۔ مصائب میں حق کے مددگار ہیں جو شخص اس قدر خوبیاں اپنے اندر رکھتا ہو وہ ضائع نہیں ہو سکتا۔

وَرَقہ بن نَوفَل جس کا ذکر اوپر ہو چکا۔ حضرت خَدیجہ کے چچازاد بھائی تھے بتوں کی پرستش سے متنفر ہو کر دین حق کی تلاش میں نکلے۔ اور آخر عیسائی مذہب کو قبول کر لیا۔ کیوں کہ اس وقت اور ان کو کوئی مذہب ایسا نظر نہ آیا جس میں اس قدر بھی سچائی پائی جاتی ہو جس قدر عیسائیت میں پائی جاتی تھی حضرت خَدیجہؓ اپنے اس عزیز کی دلی تڑپ سے آگاہ تھیں اور وہ جانتی تھیں کہ وہ شخص سچے دل سے سچے مذہب کی تلاش میں ہے۔ اور ممکن ہے کبھی وَرَقہ نے باتوں میں نبی آخرالزمان کی آمد کا بھی ذکر کیا ہو کیونکہ حضرت عیسیٰ نے اپنے بعد دوسرے تسلی دہندہ کے آنے کی خبر دی تھی۔ اس لئے جب حضرت خَدیجہؓ کو معلوم ہوا کہ آنحضرت صلعم کو اس بلند مقام پر کھڑا کیا گیا ہے تو آپ فوراً آنحضرت کو وَرَقہ کے پاس لے گئیں۔ کیونکہ وَرَقہ خود اس وقت بہت بُڈھے ہو کر نابینا ہونے کی وجہ سے چلنے پھرنے سے معذور تھے۔ وَرَقہ نے جب آنحضرت صلعم سے یہ سُنا کہ کس طرح آپ پر وحی نازل

ہوئی ہے اور کیا پیغام آپ کے سپرد ہوا ہے تو وہ فوراً پکار اٹھا ھٰذَا النَّامُوْسُ الَّذِیْ نَزَّلَ اللّٰہُ عَلٰی مُوْسٰی یہ وہ صاحب راز فرشتہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ پر اتارا تھا۔ اس میں مثیل موسیٰ والی پیشگوئی کی طرف بھی اشارہ کردیا۔ پھر اس نے آرزو کی کہ کاش میں بھی اس وقت زندہ ہوتا جب تیری قوم تجھے نکال دے گی تو نبی کریم صلعم نے متعجب ہوکر پوچھا کہ کیا مجھے نکال دیں گے اس نے کہا ہاں ہر نبی کے ساتھ اسی طرح ہوتا رہا۔ اس کے جلد ہی بعد وَرَقہ وفات پا گئے۔ اسی ملاقات اور اس اظہار ایمان کی بنا پر وَرَقہ کو صحابہؓ میں شامل کیا گیا ہے۔

پہلے پیغام کے بعد کچھ مدت تک وحی کا آنا رک گیا بعض لوگوں نے اس زمانہ کو بہت لمبا کہا ہے اور تین یا اڑھائی سال کی مدت بتائی ہے مگر واقعات جیسا آگے مذکور ہوں گے اس کے مخالف ہیں اور وہ زمانہ جو فترت الوحی کے نام سے موسوم ہے تھوڑا زمانہ تھا۔ حضرت ابن عباس کی روایت میں اَیَّامًا کا لفظ آتا ہے یعنی چند یوم کے لئے تھا۔ اور واقعات تاریخی اسی کے مؤید ہیں۔ اور یہ جو ایک روایت میں آتا ہے کہ اس زمانہ فترت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم بلند پہاڑوں کی چوٹیوں پر چلے جاتے تھے تاکہ اپنے آپ کو گرا دیں۔ سو اول تو یہ روایت زُہری کی ہے جو تابعین میں سے تھے اور وہ کسی صحابی کا نام نہیں لیتے کہ اس سے انہوں نے ایسا سنا تھا۔ اس لئے یہ قابل قبول نہیں۔ بالخصوص اس حالت میں جب اس کے رو سے نبی کریم صلعم کی طرف خودکشی جیسا بُرا فعل منسوب کرنا پڑتا ہے۔ وہ قوی القلب انسان ایک لمحہ کے لئے بھی اس وہم کو اپنے دل میں جگہ نہ دے سکتا تھا کہ خودکشی کرے نہیں۔ اصلاح مخلوق کی تڑپ تو بچپن سے آپ کے دل میں تھی پھر اسی کام کے آپ کے سپرد ہونے پر خودکشی کا خیال دل میں لانا کیا معنی رکھتا ہے۔ دوسرے اس روایت میں بھی ایک حصہ تو کسی کے مشاہدہ

پر بنی ہو سکتا ہے کہ نبی کریم صلعم بلند چوٹیوں پر جاتے۔ مگر دوسرا قصہ کہ خودکشی کے ارادہ سے جاتے یہ محض قیاس ہے۔ خلوت پسندی تو نبی کریم صلعم کی طبیعت میں پہلے سے تھی اس لئے آپ پہلے بھی پہاڑوں پر تنہا ہو کر چلے جاتے تھے۔ وحی کے رک جانے سے زیادہ تر یہ خیال کیا جا سکتا ہے کہ آپ اس کیفیت کو دوبارہ نہ پا کر حیران پھرتے تھے۔ گویا ایک محبوب کی تلاش میں شہر سے باہر نکل جاتے۔ اس سے بڑھکر اور کوئی امر آپ کی طرف منسوب نہیں ہو سکتا۔ آپ کی زندگی کا ایک ایک واقعہ اس بات کی تردید کرتا ہے کہ آپ کے دل میں کبھی کوئی شک پیدا ہوا ہو۔ یا خودکشی کا خیال دل میں گزرا ہو۔ سخت سے سخت مصائب کے وقت آپ نے ایسے عزم و استقلال کا ثبوت دیا ہے جس کی نظیر نہیں ملتی +

آخر زمانہ فترت کے ایام جو ایام فرقت محبوب ہونے کی وجہ سے ایک لمبا زمانہ معلوم ہوتا تھا گزر گئے۔ اگر کسی نے اس کے متعلق طَالَ کا لفظ استعمال کیا ہے یعنی یہ دن لمبے ہو گئے تو اسی خیال سے ہے۔ یہ وحی کا رک جانا بھی حکمت الٰہی سے تھا۔ وحی کی شدت ایسی تھی کہ فوراً دوبارہ اس کے آنے سے جسمانی قوت اس شدت کا مقابلہ نہ کر سکتی۔ پس ایک وقت مہلت کا مصلحت الٰہی سے دیا گیا پھر بھی جب کچھ زمانہ گزرنے کے بعد جو چھ ماہ سے زیادہ نہیں ہو سکتا۔ دوبارہ آپ پر وحی کی تجلی جلوہ نما ہوئی۔ تو پھر آپ کی وہی حالت تھی۔ گو پہلے کے برابر خوف نہ تھا مگر پھر اسی طرح مرعوب گھر آئے اور حضرت خدیجہؓ سے کہا کپڑا اُڑھا دو۔ پہلی مرتبہ اگر خود پڑھنے کا حکم تھا تو اب دوسروں کو پڑھانے کا حکم بھی آگیا۔ یٰٓاَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَاَنْذِرْ۔ اے لباس نبوت کے اوڑھنے والے اُٹھ اور لوگوں کو ڈرا۔ تنہائی میں بیٹھنے کا زمانہ گزر گیا۔ خلوت سے جلوت میں انتقال ہوا پیغام حق بلند ہوا۔ اور ایک راستباز جماعت آپ کے گرد جمع ہونا شروع ہوئی +

آٹھواں باب

پہلے ایمان لانے والے

وَالسّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ اُولٰٓئِكَ الْمُقَرَّبُوْنَ (الواقعہ ۱۰۔۱۱)

• آنحضرت صلعم پر سب سے پہلے ایمان لانے والی آپ کی حرم محترم حضرت خدیجہؓ تھیں۔ آپ کے دل میں ایک لمحہ کے لئے بھی یہ شک نہیں گزرا کہ آپ اپنے دعوے میں صادق نہیں۔ بلکہ غم کی گھڑیوں میں وہ ہمیشہ آپ کے لئے موجب تسکین ہوتیں۔ اس پاک بی بی سے بڑھ کر کوئی شخص نبی کریم صلعم کا نہ راز دار تھا اور نہ ہو سکتا تھا۔ پندرہ برس گزر چکے تھے کہ وہ نبی کریم صلعم کی زوجیت میں آئیں اور اگر شادی سے پہلے آپ کے اوصاف حمیدہ نے جن کو انہوں نے ایک اجنبی انسان کی نظر سے دیکھا آپ کے دل میں گھر کر لیا تھا تو شادی کے بعد جس قدر زیادہ واسطہ آپ سے ان کو پڑا اسی قدر گہرا وہ نقش ہوتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ جب آنحضرت صلعم پر پہلی مرتبہ نزول وحی ہوتا ہے۔ اور آپ خائف ہیں کہ آپ اس عظیم الشان ذمہ داری کے کام سے کیونکر عہدہ برآ ہوسکیں گے۔ کیونکہ اپنے نفس کو بڑا بنانا اور یہ کہنا کہ ہم یوں کریں گے اور دوں کریں گے راستبازوں کا کام نہیں ہوتا۔ تو اس وقت یہ مقدس خاتون اپنے قلب کی شہادت پیش کرتی ہے کہ محمد رسول اللہؐ جیسا نیک اور بنی نوع کا ہمدرد انسان کبھی ضائع نہیں ہوسکتا کبھی ناکام نہیں رہ سکتا۔ وہ آپ کے اندرونی حالات سے واقف ہے۔ اور بی بی سے بڑھ کر خاوند کے اندرونی حالات سے کون واقف ہو سکتا ہے۔ مگر بایں وہ اس قدر آپ کی راستبازی پر ایمان رکھتی ہے کہ وہ سمجھتی ہے کہ دنیا میں اس انسان سے بڑھکر اس بوجھ کو اٹھانے کا کوئی اہل

نہ ہو سکتا تھا پس سب سے پہلی مومن اور کامل الایمان مومن خود آپ کی بیوی خدیجہؓ ہیں +

اس کے بعد وہ آپ کو وَرَقہ کے پاس لے جاتی ہیں وَرَقہ اس وقت موت کے قریب ہی کھڑے معلوم ہوتے ہیں۔ اور ایام فترت کے گزرنے سے پہلے ان کا انتقال ہو جاتا ہے لیکن گو آنحضرت صلعم کو ابھی انذار کا حکم نہیں ہوا۔ تاہم وَرَقہ آپ پر ایمان لایا۔ اس لئے آپ کے رسول برحق ہونے کی شہادت ادا کی اور گو اس کو موقعہ نہ ملا۔ مگر وہ اول ایمان والوں میں ہی شامل ہے +

اس کے بعد حضرت ابو بکر صدیقؓ آتے ہیں۔ آپ مکہ کے مشہور اشخاص میں سے تھے دولتمند تاجر ہونے کے ساتھ آپ حد درجہ کے فیاض تھے۔ اور بڑے صاحب الرائے تھے۔ ہر دلعزیز بھی بہت تھے۔ اور دل را بدل رہیست کے مطابق آنحضرت صلعم سے قبل بعثت بہت دوستانہ تعلقات رکھتے تھے۔ اور آنحضرت صلعم کے قبول کرنے میں آپ کا ایمان اسی کامل درجہ کو پہنچا ہوا تھا۔ جہاں خُدیجہ کا ایمان پہنچا ہوا تھا۔ یعنی آپ کے دل میں کبھی وہم نہیں آیا کہ آنحضرت صلعم شاید منجانب اللہ نہ ہوں بلکہ سُنا اور فوراً ایمان لائے اور مردوں میں اول المومنین ہوئے +

حضرت علیؓ۔ ابو طالب کے فرزند تھے جن کی نگرانی میں آٹھ سال کی عمر سے آنحضرت صلعم نے پرورش پائی تھی اور وہ بچپن سے آنحضرتؐ کے ساتھ رہے تھے۔ وہ بھی سب سے پہلے ایمان لانے والوں میں سے ہیں +

زیدؓ بن حارثہ آنحضرتؐ کے آزاد کردہ غلام تھے۔ اور جو تعلق محبت کا ان کو آپ سے تھا اس کا ذکر ہو چکا۔ انھوں نے اپنے باپ کے ساتھ وطن جانا قبول نہ کیا۔ اور آنحضرت صلعم کے پاس ٹھہرنے کو ترجیح دی۔ یہ بھی ایمان میں سابقین میں سے ہوئے حضرت خدیجہؓ۔ ابو بکرؓ علیؓ اور زیدؓ چاروں آپ کے سب سے بڑے رازدار اور سب سے قریبی تھے اور اس قدر آپ کی خوبی اور راستبازی کے قائل تھے کہ نبوت

کے عظیم الشان دعوے پران میں سے کسی کو یہ وہم نہ گزرا کہ آپ نے خدا پر جھوٹ بولا ہے اس لئے کہ وہ آپ کی صداقت آپ کی راستبازی آپ کی امانت کو اس سے بہت بلند تر جانتے تھے۔ دعوے سنتے ہی ان کے قلوب نے یہ شہادت دی کہ جس شخص نے ساری عمر انسان پر جھوٹ نہیں بولا وہ خدا پر جھوٹ کیونکر بول سکتا ہے۔ وہ آپ کے اخلاق کے نہاں در نہاں پہلوؤں سے واقف تھے اور جس قدر زیادہ کسی کو آپ سے قرب حاصل تھا۔ اسی قدر زیادہ وہ آپ کے اخلاق کا شیدا ہوا اور اسی قدر مسابقت اس نے آپ پر ایمان لانے میں دکھائی یہ شان آپ کی زندگی کی ایسی ہے کہ میور اور سپرنگر تک کو یہ اعتراف کرنا پڑا ہے کہ آپ کا دعویٰ اخلاص کی بنا پر تھا۔ منافقت کا رنگ اگر آپ کے اخلاق یا حالات میں ہوتا تو سب سے زیادہ بدظن آپ پر وہی لوگ ہوتے جو سب سے زیادہ آپ کے قریبی تھے۔ مگر یہی سب سے بڑھ کر آپ کی صداقت کے شیدا ہوئے برخلاف اس کے مسیح جیسے انسان کی زندگی میں ہم دیکھتے ہیں کہ ان کی والدہ اور ان کے بھائی شروع میں ہی مخالفت کرتے تھے بلکہ ان کو مجنون تک خیال کرتے تھے۔

حضرت ابوبکرؓ کو اس قدر ایمان آنحضرت صلعم کی صداقت پر تھا کہ خود مشرف باسلام ہوتے ہی آپ دوسروں کو اس نعمت سے متمتع کرنے کی کوشش میں لگ گئے۔ اور ابتدا میں ہی آپ کی بدولت ایسے ایسے لوگوں نے دین اسلام کو قبول کیا جن کا نام آج مسلمانوں کی ہی نہیں دنیا کی تاریخ میں روشن ہے۔ ان میں سے حضرت عثمان بن عفان۔ حضرت زبیر بن العوام حضرت عبدالرحمٰن بن عوف۔ حضرت سعد بن ابی وقاص حضرت طلحہ ہیں۔ دوسری طرف ضعفاء کے گروہ میں سے حضرت بلال بالخصوص قابل ذکر ہیں۔ یاسر اور ان کی بیوی سمیہ او

ان کا فرزند عمارؓ بھی نہایت ابتدائی زمانہ کے مسلمان ہیں۔ اسی زمانہ میں عبد اللہ بن مسعودؓ اور خبابؓ بھی اسلام میں داخل ہوئے۔ اسی اوائل زمانہ میں ہی ارقمؓ بھی اسلام میں داخل ہوئے جن کا گھر بعثت کے چوتھے سال میں آنحضرت صلعم کی تبلیغی کوششوں کا مرکز بن گیا۔ اس وقت تک یعنی پہلے تین سال میں قریبًا چالیس اشخاص اسلام کی حلقہ بگوشی اختیار کر چکے تھے۔ اور اس سے اس خیال کی کہ فترت وحی کا زمانہ تین سال تھا قطعی تردید ہوتی ہے کیونکہ اس صورت میں چوتھا سال محض ابتدائی دعوت کا ہوتا۔ حالانکہ اس وقت تک اسلام خاصی جمعیت حاصل کر چکا تھا اور اس جمعیت کی وجہ سے ہی اس قدر مخالفت کا بھی آغاز ہو گیا تھا کہ آنحضرت صلعم کو ایک تنہائی کی جگہ اختیار کرنی پڑی۔ جہاں دشمنوں کی مداخلت سے الگ ہو کر فرائض تبلیغ اور عبادت بجا لاسکیں۔ غرض یہ امر کہ چوتھے سال بعثت میں چالیس اشخاص کے قریب اسلام میں داخل ہو چکے تھے۔ اور آنحضرت صلعم تنہا نہ رہے تھے نہ تنہا عبادت کرتے تھے بلکہ ایک جگہ کا انتظام اس غرض کیلئے کرنا پڑا تھا قطعی ثبوت اس امر کا ہے کہ فترت کا زمانہ تین سال ہرگز نہ تھا بلکہ ایک سال بھی نہ تھا۔ اور حضرت ابن عباسؓ کی روایت درست ہے کہ یہ صرف چند یوم تھا۔

اس کے بعد مسلمانوں کی تعداد میں برابر اضافہ ہوتا رہا۔ اور بعض بڑے بڑے عظیم الشان انسان مل کر اس نئی جماعت کے لئے موجب تقویت ہوتے رہے۔ ان میں سے خاص طور پر قابل ذکر حضرت حمزہؓ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے چچا ہیں جو آپ کے رضاعی بھائی بھی تھے۔ ان کو سپاہ گری اور شکار کا بہت شوق تھا۔ اور ان کے اعلیٰ اخلاق کی وجہ سے قریش ان کی بہت قدر و منزلت کرتے تھے۔ آنحضرت صلعم سے ان کو خاص محبت تھی۔ ایک دن ابوجہل نے حسب معمول آنحضرت صلعم کو جو تکلیف پہنچائی اور آپ کے ساتھ گستاخی کی تو حضرت حمزہ کی لونڈی دیکھ رہی

تھی۔ حضرت حمزہ شکار سے واپس آئے تو لونڈی نے ان سے وہ سب ماجرا کہہ سنایا۔ جو ایذائیں آپ کو دی جاتی تھیں ان کا حال سن کر غیروں کے دل بھی پگھلتے تھے۔ حضرت حمزہ جو آپ کی صداقت اور راستبازی سے پہلے سے متاثر تھے اب گوارا نہ کر سکے کہ ایسے راستباز انسان کا ساتھ نہ دیں اور اب علاوہ رہنا اخلاق اور مروت سے بعید سمجھا۔ مگر زیادہ تر ان ایذا رسانوں کو سمجھانا مقصود تھا کہ تم لوگ ایذا دے کر حق کو نہیں دبا سکتے۔ سیدھے حرم میں پہنچے جہاں ابو جہل مجلس جمائے بیٹھا تھا اور اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کیا ؛

دوسرا عظیم الشان انسان جس سے اسلام کو بڑی تقویت پہنچی۔ حضرت عمر ابن الخطابؓ تھے۔ زید جو حنیفوں میں سے تھے حضرت عمرؓ کے چچا تھے۔ ان کی وجہ سے اس گھرانے میں توحید کی آواز پہنچی ہوئی تھی۔ زید کے بیٹے سعیدؓ اسلام لا چکے تھے۔ اور ان کی شادی حضرت عمرؓ کی بہن فاطمہ سے ہوئی تھی۔ وہ بھی مسلمان ہو چکی تھیں۔ حضرت عمرؓ میں تشدد بہت تھا اور ابتدا میں یہ تشدد و مخالفت کے رنگ میں ظہور پذیر ہوا۔ یہاں تک کہ مصمم ارادہ کر لیا کہ آنحضرت صلعم کو قتل کر کے اس ساری تحریک کو جڑ سے کاٹا جائے تلوار لگا کر چلے کہ فیصلہ ہی کر کے آئیں گے ابھی تک ان کو بہن اور بہنوئی کے اسلام لے آنے کی اطلاع نہ ہوئی تھی۔ راستہ میں ایک مسلمان سے ملے انھوں نے حضرت عمرؓ کو غضب کی حالت میں دیکھ کر پوچھا کہ کیا ارادہ ہے۔ کہا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کرنے جاتا ہوں۔ انہوں نے کہا۔ تمہارے بہن اور بہنوئی تو مسلمان ہو چکے ہیں پہلے اپنے گھرانے کی خبر لو۔ محمد صلعم کا قتل آسان امر نہیں چنانچہ یہ بہن کے گھر پہنچے اس وقت خبابؓ ان کو قرآن شریف پڑھا رہے تھے۔ حضرت عمرؓ کی آواز سن کر خوف کے مارے قرآن کریم کے اوراق چھپا دیئے۔ مگر وہ سن چکے تھے اور داخل ہوتے ہی کہا کہ مجھے معلوم ہو گیا ہے کہ تم دونوں مسلمان ہو گئے ہو یہ کہکر

سعید کو پکڑا اور اس کو مارنا شروع کیا بہن اپنے خاوند کے بچانے کو آگے بڑھیں۔ مگر حضرت عمرؓ اس قدر غصہ سے بیتاب تھے کہ بہن کو بھی سخت چوٹ لگی یہانتک کہ وہ لہولہان ہوگئیں اور کہنے لگیں کہ جو تمہارا جی چاہتا ہے کرو ہم اسلام لا چکے ہیں ثبات و استقلال کے ان الفاظ نے حضرت عمر کے غصہ کی آگ پر پانی ڈالا۔ اور مارنے سے رُک کر کہنے لگے کہ اچھا مجھے وہ دو جو تم پڑھ رہے تھے۔ پہلے وہ ڈریں کہ اوراق قرآن کی بے ادبی نہ کریں۔ آخر عہد لے کر وہ اوراق ان کو دیئے۔ یہ حصہ سورہ طٰہٰ کا تھا۔ طٰهٰ ۔ مَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰۤى اِلَّا تَذْكِرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى تَنْزِيْلًا مِّمَّنْ خَلَقَ الْاَرْضَ وَالسَّمٰوٰتِ الْعُلٰى ۔ اے انسان کامل ہم نے تجھ پر قرآن اس لئے نازل نہیں کیا کہ تم ناکام رہو نہیں یہ تو ذکر ہے اس کے لئے جو خوف کرتا ہے اور اس کی طرف سے نازل ہوا ہے جس نے زمین اور بلند آسمانوں کو پیدا کیا۔ کچھ اور حصہ اس سورت کا سن کر حضرت عمرؓ کے دل پر بڑا اثر ہوا اور وہ سوچ میں پڑ گئے کہ کس بات کی مخالفت کے درپے ہیں۔ خبابؓ بھی جو ان کے خوف سے چھپ گئے تھے باہر نکلے اور موقعہ دیکھ کر تبلیغ شروع کی۔ آخر وہیں حضرت عمرؓ صداقت اسلام کا شکار ہو گئے اور وہیں سے خباب سے آنحضرتؐ کا پتہ پوچھکر ارقمؓ کے گھر میں پہنچے جہاں اس وقت نبی کریم صلعم مع کوئی چالیس زن و مرد کے تھے۔ ان میں حضرت حمزہؓ بھی تھے اور حضرت ابوبکر صدیقؓ بھی۔ حضرت عمرؓ نے دروازہ پر دستک دی۔ ایک شخص نے جھانکا اور عمرؓ کو تلوار لگائے ہوئے دیکھکر گھبرایا کہ یہ کسی بد ارادہ سے آیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دروازہ کھول دو اور اس کو آنے دو۔ جب اندر آئے تو ابھی آنحضرت صلعم نے ایک ہی کلمہ کہا تھا کہ حضرت عمرؓ بولے کہ یا رسول اللہ میں اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاتا ہوں مسلمانوں کو اس سے اس قدر خوشی ہوئی کہ تکبیر کی آواز سے پہاڑ گونج اٹھا۔

حضرت عمرؓ کے اسلام لانے کے ساتھ مسلمانوں کو بڑی تقویت پہنچی ان کی شجاعت کے سامنے مخالفین دم نہ مار سکتے تھے۔ یہاں تک کہ پہلی مرتبہ خانہ کعبہ میں نماز باجماعت اسی کے بعد ادا ہوئی۔ اسی اثنا میں بہت سے ضعفاء بھی اسلام میں داخل ہو چکے تھے۔ ان میں سے کچھ غلام بھی تھے۔ اور لوگ تو اپنے خاندانی تعلقات کی وجہ سے کفار کی ایذا رسانی سے کسی وقت بچ بھی جاتے تھے۔ مگر بیچارے غلاموں کی تو کوئی حیثیت نہ تھی۔ ان کو سخت دُکھ دیئے جاتے۔ حضرت ابوبکر صدیق کے فضائل میں جو اُن کو سب صحابہؓ پر ممتاز کرتے ہیں یہ بھی ہے کہ آپ نے ان میں سے بہتوں کو کفار کے ظلم سے چھڑایا یعنی ایسے لوگوں کو خرید کر آزاد کر دیا حضرت بلالؓ، عامر بن فُہیرہؓ لُبینہؓ، زنیرہ۔ نہدیہ۔ اُم عُبیس نے حضرت ابوبکرؓ کی بدولت کفار کی خطرناک اذیتوں سے نجات پائی

یہ امر ضرور قابل توجہ ہے کہ مکہ میں بڑے بڑے سرداران قریش ایمان سے محروم رہ جاتے ہیں اور زیادہ تر ضعفاء ہی دین اسلام کے اندر داخل ہوتے ہیں۔ اس نکتہ کو ابن اُم مکتوم کا واقعہ خوب واضح کرتا ہے۔ ابن اُم مکتوم ایک نابینا شخص تھے۔ ایک دن کا ذکر ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اشراف قریش کو جو آپ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے دین اسلام کی تبلیغ کر رہے تھے عین اس وقت کہ آپ ان باتوں میں مشغول تھے۔ ابن اُم مکتوم مجلس میں پہنچے۔ اور نابینائی کی وجہ سے نہ جان کر کہ آنحضرت صلعم کس سے اور کیا کلام کر رہے ہیں۔ پہنچتے ہی کچھ سوال کر کے اپنی طرف متوجہ کرنا چاہا۔ آنحضرت صلعم نے ان کو کچھ کہا نہیں جھڑکا نہیں مگر بتقاضائے بشریت آپ کی پیشانی پر شکن آیا۔ ابن اُم مکتوم پر تو اس بات کا کوئی اثر نہ پڑ سکتا تھا مگر وہ خدا جو آپ کو صاحب خُلق عظیم بنانا چاہتا تھا اس کی جناب میں یہ پیشانی کا شکن بھی پسند نہ آیا۔ اور آپ پر وحی نازل ہوئی عَبَسَ وَتَوَلّٰٓی اَنْ جَآءَہُ الْاَعْمٰی پیشانی پر شکن ڈالا اور مُنہ پھیر لیا اس بات پر کہ اندھا آپ کے پاس آیا ہے۔ اور پھر فرمایا کہ تم کو کیا علم ہے کہ یہی شخص اس سے فائدہ اٹھا کے

کیونکہ قرآن ایک تذکرہ ہے جس کے ساتھ کمزور اور عاجز انسان اعلیٰ سے اعلیٰ مقامات پر پہنچائے جائیں گے پس بڑے آدمیوں کا زیادہ خیال مت کرو کہ ان کے اسلام قبول کرنے نہ کرنے پر اسلام کا غلبہ مقدر ہے نہیں بلکہ انہیں چھوٹے چھوٹے انسانوں کو اُٹھا کر اسلام اس بلند مقام پر پہنچائے گا کہ جہاں ان کا وہم و گمان بھی نہیں جاتا اور فی الحقیقت اسلام کے اندر پہلے ضعفاء کو داخل کر کے یہی بتانا مقصود تھا کہ چونکہ اس کی تائید میں خدا کا طاقتور ہاتھ ہے اس لئے عاجز انسان دنیا میں وہ کام کر کے دکھائیں گے جو بڑے بڑے طاقتوروں سے نہیں ہو سکتا۔ اسلام نے ضعفاء کو اُٹھا کر نہ صرف دنیا کے فاتح اور بادشاہ بنا دیا۔ بلکہ اخلاق میں۔ علوم میں حکمت اور فلسفہ میں سائنس میں۔ دنیا کے لئے معلم و رہبر بنایا اور یوں بتایا کہ قرآن کے اندر یہ طاقت ہے کہ یہ اپنے اس پیرو کو جو اس پر عامل ہو کس بلند مقام تک پہنچا سکتا ہے سورت عَبَسَ وَتَوَلّٰی اب بھی قرآن کریم کا حصّہ ہے اور چالیس کروڑ انسان اس کو دن رات پڑھتے ہیں۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلعم کا اپنا قلب ہی وہ سرچشمہ نہ تھا جس سے پھوٹ کر وحی الٰہی نکلتی ہو۔ کیونکہ گو اس میں تو شک نہیں کہ انسان بعض وقت دوسرے سے بدسلوکی کر کے خود پچھتاتا ہے۔ مگر اول تو یہاں کوئی بدسلوکی نہیں۔ دوسرے جو انسان اپنے کسی فعل پر پچھتائے وہ اس فعل کو ایسا مٹانا چاہتا ہے کہ اس کا ذکر بھی باقی نہ رہے مگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کلام کو جس میں ان کی کسی بشری کمزوری کا ذکر ہے۔ تمام دنیا میں ہمیشہ کے لئے پھیلاتے ہیں اور ان خدام کے منہ سے شب و روز یہ لفظ کہلواتے ہیں جن کے دل آپ کی غایت درجہ کی عزت و محبت سے بھرے ہوئے ہیں۔ ہاں جس قلب صافی پر یہ خارجی وحی نازل ہوتی ہے اس کی بے انتہا وسعت کا بھی اس واقعہ سے پتہ لگتا ہے کہ جس بات کو دوسرے لوگ مخفی کرنے کی کوشش کرتے ہیں وہ خود شرح صدر سے

دیباچہ القرآن ص

نواں باب
کفار کی ایذا رسانی

اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَكُوْٓا اَنْ یَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَ هُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ (العنکبوت ۲)

• جب اللہ تعالیٰ کا یہ منشا ہوتا ہے کہ دنیا میں کوئی جماعت اعلیٰ اخلاق کی پیدا ہو جو دوسرے انسانوں کے لئے ہادی راہ بنے تو ہمیشہ ایسا ہوتا ہے کہ ایک گروہ ان کے مقابلہ پر کھڑا ہو جاتا ہے جو طرح طرح کے مظالم اور ایذا رسانیوں سے اہل حق کو حق سے روکنے کی کوشش کرتا ہے۔ یہ اس لئے ہوتا ہے کہ تا ایک ان لوگوں کے اخلاص پر مہر لگ جائے اور یہ ظاہر ہو جائے کہ دنیوی لالچ سے یہ لوگ جمع نہیں ہوئے اور دوسرے ان میں عزم و استقلال اور ثبات کے اعلےٰ اخلاق ظہور پذیر ہو کر ان کو کمال انسانی تک پہنچائیں کیونکہ جب تک انسان چاروں طرف سے مصائب میں گھر کر اس بات کا ثبوت نہیں دیتا کہ مصائب اور مشکلات اس کو کسی اصول پر عمل پیرا ہونے سے نہیں روک سکتیں اس وقت تک وہ اپنے کمال کو حاصل نہیں کر سکتا۔ اور تیسرے اللہ تعالیٰ دکھانا چاہتا ہے کہ انسانی طاقتیں اس پودہ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتیں جسے خدا کا ہاتھ لگاتا ہے۔ اسی سنت مستمرہ کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں کو کفار کے ہاتھ سے بہت کچھ تکلیفیں اُٹھانی پڑیں جن کو قرآن کریم نے متعدد مقامات پر بیان کیا ہے۔ انہی میں سے آیت مندرجہ عنوان ہے جس میں درحقیقت بتایا ہے کہ دعوی ایمان پر صداقت کی مُہر دشمنوں کی ایذا رسانی سے ہی لگتی ہے۔

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت الی الاسلام کا کام شروع کیا۔ تو

ابتدا میں آپ کو زیادہ تکلیف نہیں دی گئی۔ پہلے پہلے زیادہ تر استہزا سے کام لیا گیا۔ اور آپ کی دعوت کو تحقیر کی نظر سے دیکھا گیا۔ اِنَّ الَّذِیْنَ اَجْرَمُوْا کَانُوْا مِنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یَضْحَکُوْنَ ۝ وَاِذَا مَرُّوْا بِہِمْ یَتَغَامَزُوْنَ۔ مجرم مومنوں پر ہنسی کرتے اور جب ان پر گزرتے تو آنکھوں سے اشارے کرتے۔ کبھی آپ کو شاعر بتا کر یہ اُمید ظاہر کی گئی کہ خود حوادث زمانہ ہی اس کا فیصلہ کر دیں گے۔ اَمْ یَقُوْلُوْنَ شَاعِرٌ نَّتَرَبَّصُ بِہٖ رَیْبَ الْمَنُوْنِ۔ کبھی کاہن بتایا گیا۔ کبھی مجنون کہکر چھوڑ دیا گیا۔ مگر جب بڑے بڑے فہمیدہ اور اخلاق میں اعلیٰ پایہ کے لوگ آپ کے گرد جمع ہونا شروع ہوئے تو کفار کو فکر ہوا اور انہوں نے آہستہ آہستہ ایذا رسانی شروع کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خانہ کعبہ میں جا کر نماز پڑھا کرتے تھے وہاں ابوجہل اور دیگر دشمنان دین اسلام کبھی آپ پر تمسخر کرتے کبھی ایذا پہنچاتے۔ انہی ایذاؤں کی ایک مثال یہ ہے کہ ایک دفعہ ایک اونٹنی کا غلیظ بچہ دان حالت سجدہ میں آپ کی گردن پر رکھ دیا۔ پھر چونکہ آپ بہت سویرے تاریکی میں نماز کے لیے نکلا کرتے تھے اس لئے ایک یہ بھی آپ کی ایذا رسانی کا طریق اختیار کیا گیا کہ آپ کے راستہ میں کانٹے بچھا دئے جاتے کبھی راہ چلتے ہوئے آپ پر مٹی پھینک دی جاتی۔ کبھی پتھر مارے جاتے۔ ایک دفعہ بہت سے لوگوں نے جو اشراف قریش میں سے تھے آپ پر حملہ کیا اور عقبہ بن ابی مُعَیط نے چادر آپ کے گلے میں ڈال کر اس کو مروڑا یہاں تک کہ قریب تھا کہ آپ کا دم رُک جاتا۔ اور حضرت ابوبکر نے یہ کہتے ہوئے آپ کو چھڑایا اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ یَّقُوْلَ رَبِّیَ اللّٰہُ تم ایک شخص کو صرف اسلئے قتل کر رہے ہو کہ وہ کہتا ہے اللہ میرا رب ہے۔ مگر ایذا رسانی کا سب سے زیادہ زور ان لوگوں پر تھا۔ جو قریش کے کسی بڑے قبیلہ میں سے نہ تھے۔ بالخصوص غلاموں اور لونڈیوں کو سب سے زیادہ تکلیف پہنچائی جاتی تھی۔ حضرت بلال اُمیہ بن خلف کے غلام

تھے۔ جب اسلام لائے تو اُمیّہ نے نہایت ظالمانہ تکلیف رسانی سے ان کو دین حق سے پھیرنا چاہا۔ مگر اسلام کی یہ خوبی تھی کہ جس دل میں ایک دفعہ گھر کر گیا اب اس کے ٹکڑے ٹکڑے اُڑا دو وہ اسلام کو نہ چھوڑتا تھا۔ حضرت بلال کو جب عرب کی کڑکتی ہوئی دھوپ میں عین دوپہر کے وقت پتھریلے میدان پر جلتا ہوا ہوتا لٹا کر سینہ پر بھی پتھر رکھے جاتے اور پھر ان سے کہا جاتا کہ اسلام کو چھوڑ دو تو ان کی زبان سے بیہوشی کی حالت میں بھی اَحَدٌ اَحَدٌ کا لفظ ہی نکلتا یعنی خدا ایک ہے حضرت عمّار کے والد یاسِر اور ان کی والدہ سُمیّہ دونوں خطرناک اذیت پہنچا کر شہید کئے گئے۔ ان کی تکلیفوں کا حال سُن کر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ عموماً عذاب کا یہ طریق تھا کہ دوپہر کے وقت جلتے ہوئے سنگریزوں پر لٹا دیتے اور مارتے۔ عمّار کے ساتھ بھی یہی سلوک ہوتا رہا مگر ان کی والدہ سُمیّہ کو ابوجہل نے شرمگاہ میں برچھی مار کر مار دیا۔ لُبینہ حضرت عمرؓ کی لونڈی تھیں۔ اور اس وقت ایمان لائیں جب حضرت عمر ابھی اسلام نہ لائے تھے وہ اس بیچاری کو مارتے مارتے تھک جاتے تو رُک جاتے اور کہتے کہ میں نے تجھ پر رحم کر کے تجھے نہیں چھوڑا بلکہ اس لئے کہ میں تھک گیا ہوں بعض کو بھوک اور پیاس کے ذریعے سے عذاب دیا جاتا۔

جو لوگ بڑے بڑے قبیلوں میں سے تھے وہ بھی محفوظ نہ تھے۔ بلکہ ہر ایک قبیلہ نے یہ ٹھیکہ لے رکھا تھا کہ وہ اپنے آدمیوں کو جو اسلام لائیں۔ دُکھ اور تکلیف دے حضرت عثمان کو جو علاوہ معزز قبیلہ میں سے ہونے کے خود بھی صاحب عزت تھے۔ ان کے چچا نے رسی سے باندھ کر مارا۔ حضرت عمر کا اپنے چچازاد بھائی اور اپنی بہن کو مار مار کر لہولہان کرنا اوپر بیان ہو چکا ہے۔ حضرت زُبیرؓ کو چٹائی میں لپیٹ کر ان کی ناک میں دھواں دیا گیا کہ اسلام کو ترک کریں۔ حضرت ابوبکر بھی ایذا رسانی سے محفوظ نہ تھے اور سچ تو یہ ہے کہ جب خود سرورِ عالم کے ساتھ اس قدر زیادتیاں ہوتی

تھیں تو اور کون محفوظ رہ سکتا تھا۔ جو دُکھ ممکن تھا دیا گیا۔ مگر اسلام جو جگہ ان کے دلوں میں لے چکا تھا۔ اس کو کوئی اذیت نہ نکال سکی۔ وہ اپنی جگہ جنۃ القلب کے اندر لے چکا تھا۔ اب جان بھی جائے تو جائے مگر اسلام نہیں جا سکتا۔ خود کفار کو بھی اس پر حیرت تھی۔ چنانچہ ابو سُفیان سے جب ہرقل نے دریافت کیا کہ کیا ان میں سے کوئی شخص دین اسلام سے بیزار ہو کر مُرتد بھی ہو جاتا ہے تو اس نے جواب دیا کہ نہیں بلکہ جس قدر ان لوگوں کی وہ زیادہ ثابت قدمی دیکھتے تھے اسی قدر ان کے غضب کی آگ زیادہ بھڑکتی تھی۔ اور پہلے سے بھی بڑھکر دُکھ دیئے جاتے تھے ۔

دسواں باب

ہجرت حبش

وَالَّذِیْنَ هَاجَرُوْا فِی اللّٰهِ مِنْ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً (النحل ۴۱)

بعثت کا پانچواں سال تھا۔ اور اس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارد گرد پچاس سے اوپر کی جمعیت اکٹھی ہو چکی تھی۔ اور ایک خاصہ جتھہ بن گیا تھا جن کے اتحاد کو مخالفین کے ظالمانہ سلوک نے اور بھی قوی کر دیا تھا۔ اور یہ جتھہ روز بروز اضافہ پر تھا۔ مگر اس رؤف رحیم انسان کا دل تو دشمن کی تکلیف پر بھی پگھلتا تھا دوستوں کے ساتھ یہ بیرحمی کی کارروائی ہوتے دیکھ کر آپ سے نہ رہا گیا۔ آپ کو اور آپ کے کام کو اس جتھے سے تقویت پہنچتی تھی مگر آپ تو تنہا بھی دشمنوں کے اندر رہنے سے نہ گھبراتے تھے جب مخالفت کی آگ کو اور اپنے صحابہ کی تکلیفوں اور ایذاؤں کو آپ نے یوماً فیوماً ترقی پر دیکھا تو آخر آپ نے ان کو ہجرت کا مشورہ دیا۔ اور فرمایا کہ بہتر ہے کہ تم زمین حبش کی طرف نکل جاؤ کیونکہ وہاں ایک بادشاہ ہے جس کے ہاں کسی پر ظلم نہیں ہوتا۔ اور وہ صدق یعنی عدل کی سرزمین ہے تم وہاں ٹھہرو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ان مصائب سے تم کو نجات دے جن میں تم مبتلا ہو۔ اس وقت حبش کا بادشاہ نجاشی کے نام سے مشہور تھا۔ اس کا اصل نام اصحمہ تھا اور وہ عیسائی تھا اور حبش کے لوگ بھی عیسائی تھے ٭

چنانچہ سب سے اول گیارہ صحابہؓ نے ہجرت اختیار کی جن میں سے چار کے ساتھ ان کی بیبیاں بھی تھیں۔ حضرت عثمانؓ مع اپنی بی بی رقیہؓ کے جو آنحضرت صلعم کی صاحبزادی تھیں۔ ابو حذیفہؓ مع اپنی زوجہ کے۔ حضرت زبیرؓ۔ حضرت مصعبؓ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف۔ ابو سلمہ مع اپنی زوجہ ام سلمہ کے جو بعد میں آنحضرت صلعم

کے نکاح میں آئیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ان مہاجرین میں سے تھے۔ بعثت نبوی کے پانچویں سال کے ماہ رجب میں ان لوگوں نے مکہ معظمہ کو چھوڑا۔ کچھ سوار اور کچھ پیدل۔ بندرگاہ پر پہنچتے ہی ان کو دو جہاز حبش کو جاتے ہوئے مل گئے اور یہ فوراً سوار ہو گئے۔ قریش کو ان کی ہجرت کی خبر ملی تو فوراً تعاقب کیا۔ کیونکہ وہ نہ چاہتے تھے کہ اسلام کا قدم کہیں جمے۔ لیکن جب بندرگاہ پر پہنچے تو جہاز وہاں سے روانہ ہو چکے تھے۔ اور یہ مایوس ہو کر واپس آئے مگر یہاں تک ان کے غضب کا خاتمہ نہ ہوا۔ آخر مشورہ کر کے یہ رائے قرار پائی کہ نجاشی کے پاس سفارت بھیجی جائے کہ وہ ان لوگوں کو پناہ نہ دے اور قریش کے سفیروں کے سپرد کر دے چنانچہ اس غرض کے لئے عبداللہ بن ربیعہ اور عمروؓ بن العاص نکلے اور بڑے قیمتی تحفے ساتھ لئے۔ حبش پہنچکر یہ پہلے پادریوں سے ملے اور ان کو تحفے تحائف دے کر اپنی تائید کے لئے آمادہ کیا اور ان کو یوں بھی اکسایا کہ ان لوگوں نے ایک نیا مذہب نکالا ہے جو عیسائیت کے بھی خلاف ہے۔ چنانچہ یہ سفیر دربار میں پہنچے اور درخواست کی کہ یہ مہاجرین ہمارے مجرم ہیں ان کو ہمیں واپس دیا جائے۔ اور بادشاہ کو بھی یہ کہکر اکسایا کہ انہوں نے عیسائیت اور اپنے مذہب کے خلاف نیا مذہب نکال لیا ہے نجاشی نے مسلمانوں کو جواب کے لئے طلب کیا۔ اس وقت تک حضرت جعفرؓ بن ابی طالب بھی پہنچ چکے تھے۔ وہی جواب کے لئے کھڑے ہوئے۔ اور انہوں نے یوں عرض کیا۔

اے بادشاہ ہم ایک جاہل قوم تھے جو بتوں کو پوجتے اور مردار کھاتے اور بیحیائی کے کام کرتے اور قریبیوں کے حقوق ادا نہ کرتے۔ اور ہمسایوں سے برا سلوک کرتے۔ اور ہم میں سے مضبوط کمزور کو کھا جاتا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ہماری طرف ایک رسول مبعوث کیا جس کی نسب اور صدق اور امانت اور پرہیزگاری کو ہم خوب پہچانتے ہیں۔ اس نے ہم کو بلایا کہ خدا کو ایک مانو اور اسی کی عبادت کرو

اور پتھروں اور بتوں کی پرستش کو چھوڑ دو۔ اور اس نے ہم کو حکم دیا کہ بات سچ کہو اور امانت کو ادا کرو اور صلہ رحمی کرو اور ہمسایوں سے اچھا سلوک کرو۔ اور حرام باتوں اور خونریزیوں سے بچو۔ اور اس نے ہم کو بےحیائی کے کاموں سے اور جھوٹ بولنے سے اور یتیم کا مال کھانے سے عورتوں پر جھوٹے الزام لگانے سے روکا پس ہم اس پر ایمان لائے اور اس کی پیروی کی اور اس کی باتوں کو مانا۔ اس پر ہماری قوم نے ہم پر ظلم شروع کیا اور ہم کو دکھ دیا کہ ہم اپنے دین کو ترک کر دیں اور بت پرستی کی طرف لوٹ آئیں۔ پس جب ان کا ظلم انتہا کو پہنچ گیا تو ہم آپ کے ملک کی طرف نکل آئے۔ اور ہم امید رکھتے ہیں کہ آپ کے ہاں ہم پر ظلم نہیں ہوگا *

پھر حضرت جعفرؓ نے کچھ حصہ قرآن کریم کا سنایا۔ تو نجاشی نے قریش کے ایلچیوں کو کہا کہ میں کبھی ان لوگوں کو تمہیں واپس نہیں دے سکتا۔ اگلے دن ان سفیروں نے ایک اور تدبیر سوچی کہ نجاشی کو یوں اکسایا جائے کہ یہ عیسیٰ کو خدا نہیں مانتے مگر یہ حیلہ بھی کارگر نہ ہوا۔ نجاشی نے جب مسلمانوں سے یہ سنا کہ وہ حضرت عیسیٰ کو خدا کا برگزیدہ رسول جانتے ہیں خدا نہیں مانتے تو اس نے ایک تنکا اٹھا کر کہا کہ عیسیٰ اس سے جو مسلمانوں نے بیان کیا اس تنکے کے برابر بھی زیادہ نہیں۔ اس پر کسی قدر پادری بھی درہم برہم ہوئے مگر قریش کے سفیر بالکل ناکام واپس آئے۔ یہ حبش کی ہجرت اولی کے نام سے مشہور ہے *

مسلمانوں کے حبش کو ہجرت کرنے پر قریش کو اس قدر فکر کیوں ہوئی؟ کہ انہوں نے اول ان کا تعاقب کیا اور پھر نجاشی تک پہنچے۔ کہ وہاں سے ان مہاجرین کو نکلوا کر اپنے قبضہ میں کریں؟ بات یہ ہے کہ قریش کو صرف مسلمانوں کے ساتھ اسی قدر دشمنی نہ تھی کہ وہ مکہ میں رہ کر ان کے بتوں کو نہیں مانتے یا ان کو برا کہتے ہیں۔ بلکہ وہ اب ان کی جان کے دشمن ہو گئے تھے اور ان کو یہ گوارا نہ تھا کہ مسلمان کہیں بھی دنیا میں

رہ کر اپنا گزارہ کریں یا اسلام سرسبز ہو یہی وجہ تھی کہ جب کچھ سال بعد آنحضرت صلعم نے مع اپنے صحابہؓ کے مدینہ کو ہجرت کی تو کفار نے وہاں بھی آپ کو آرام سے زندگی بسر نہ کرنے دی بلکہ اس دفعہ چونکہ صحابہؓ کسی غیر کی حفاظت میں نہ تھے اس لئے تلوار سے ان کو نیست ونابود کرنا چاہا اور مدافعت کے لئے نبی کریم صلعم کو جنگیں کرنی پڑیں اسلامی جنگوں پر حبش کی ہجرت اولی کے واقعات کافی سے زیادہ روشنی ڈالتے ہیں۔ مگر افسوس ہے کہ بعض معترض واقعات پر غور کئے بغیر اعتراض کرتے چلے جاتے ہیں اور جنگوں کی ابتدا کو واقعات کے خلاف آنحضرت صلعم کی طرف منسوب کرتے ہیں +

جب قریش کے سفیر حبش سے ناکام واپس آئے تو قریش کے غضب کی کوئی انتہا نہ رہی۔ اور انھوں نے پہلے سے بھی زیادہ زور کے ساتھ مسلمانوں کو ایذا دینا شروع کیا۔ اب تک وہ مسلمانوں کے ایذا برداشت کرنے کو تعجب کی نظر سے دیکھتے تھے مگر حبش کی ہجرت نے یہ قطعی فیصلہ کر دیا کہ یہ لوگ دین اسلام کے مقابلہ پر ہر ایک دُکھ اور تکلیف اُٹھانے کو تیار ہو چکے ہیں اور دکھوں اور تکلیفوں کو جو خدا کی راہ میں آئیں خوشی سے اپنے سر پر قبول کرنے کے لئے تیار ہیں۔ دوسری طرف مسلمانوں نے جب نجاشی سے اس قدر نیک سلوک دیکھا تو ان میں سے بعض نے یہ خبر مکہ میں اپنے دوسرے بھائیوں کو پہنچائی۔ تاکہ جو لوگ طاقت رکھتے تھے وہ ہجرت کرکے حبش پہنچ جائیں۔ جب مسلمانوں کو یہ خبر پہنچی تو اگلے سال بہت سے اور مسلمان قریش سے چھپ کر ہجرت کرکے چلے گئے۔ اور یہ حبش کی ہجرت ثانیہ کہلاتی ہے۔ قریش کا جہانتک بس چلتا ان کو روکتے اور دُکھ دیتے مگر یہ زبردست تحریک ان سے نہ رک سکی اور بچوں کو چھوڑ کر ۱۰۱ مرد اور عورتیں حبش میں جمع ہو گئے۔ ان میں سے بعض لوگ جن میں سے حضرت عثمان اور آپ کی بی بی تھیں تھوڑی دیر بعد مکہ میں ہی واپس آ گئے مگر بیشتر حصہ حبش میں ہی رہا اور ۷ سنہ ہجری میں مدینہ میں یہ لوگ واپس آکر آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم سے ملے۔ کیونکہ ۶ سنہ ہجری میں صلح حدیبیہ کی رو سے دس سال تک کفار کی جنگ رک گئی تھی۔ اور اب عرب میں مسلمانوں کے لئے کچھ اطمینان کی صورت پیدا ہوگئی تھی۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ۶ سنہ ہجری تک مسلمان مدینہ میں بھی حالت خطرہ میں ہی تھے۔ اور صلح حدیبیہ کے بعد ہی کفار کی ایذا رسانی سے پورا اطمینان ہوا +

جس طرح حبش کے بادشاہ نے مسلمانوں کے ساتھ نیک سلوک کیا اسی طرح جو مسلمان ہجرت کرکے ملک حبش میں آباد ہوئے تھے۔ انھوں نے بھی شاہ حبش کی ہر طرح سے اعانت کی چنانچہ مسلمانوں کے وہاں قیام کے زمانہ میں جب نجاشی کو ایک دشمن کے ساتھ جنگ پیش آئی تو اس میں مسلمانوں نے بھی مدد دی۔ اور علاوہ مدد کے نجاشی کی فتح کے لئے دعائیں بھی کرتے رہے اور آخر اللہ تعالیٰ نے نجاشی کو فتح دی اس سے معلوم ہوگا کہ یہ کیسی شکر گزار قوم تھی جس کا شروع سے ہی ھَلْ جَزَاءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ پر عمل تھا۔ اور جب ایک حکومت سے ان کو فائدہ پہنچا تو انھوں نے بھی اپنی طاقت کے مطابق اس کو فائدہ پہنچانے کی کوشش کی۔ اور احسان کا بدلہ احسان سے دیا۔ ساری اسلامی تاریخ کو پڑھ لیا جائے مسلمانوں میں غداری کی کوئی مثال نہ ملے گی۔ اور دنیا میں یہی ایک قوم ہے جو اعلیٰ درجہ کی وفادار ثابت ہوئی ہے +

ہجرت حبش کے متعلق ایک خاص واقعہ قابل ذکر ہے کہ پہلی ہجرت کے بعد آنحضرت صلعم پر سورہ وَالنَّجم نازل ہوئی جس کے آخر پر سجدہ آتا ہے۔ اور یہ پہلی سورت ہے جس میں سجدہ تلاوت نازل ہوا چنانچہ جب اس سورت کی تلاوت فرماتے ہوئے آپ آخر سورت پر پہنچے فَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ وَاعْبُدُوْا۔ تو آپ نے سجدہ کیا اور صحیح حدیث میں ہے کہ مشرکین نے بھی ساتھ ہی سجدہ کیا کیونکہ وہ باوجود اپنی بت پرستی کے

خدا کے قائل تھے۔ اس واقعہ پر مخالفین اسلام بہت کچھ رنگ آمیزی کر کے یوں بیان کرتے ہیں کہ گویا آنحضرت صلعم نے اس سورت میں بت پرستی کو بھی جائز قرار دیا تھا اسی لئے مشرکوں نے سجدہ کیا۔ جو روایت اس کے متعلق بیان کی جاتی ہے وہ بالکل غلط ہے۔ اور صحیح روایت صرف اسی قدر ہے جو اوپر بیان ہوئی۔ ہاں بعض روایات میں یوں آیا ہے کہ کفار کے اس طرح سجدہ میں شامل ہو جانے پر بعض لوگوں نے یہ خیال کیا کہ وہ اسلام لے آئے ہیں اور یہ خبر حبش میں بھی پہنچی جہاں سے کچھ مہاجرین واپس آ گئے۔ لیکن صحیح بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ وہ لوگ صرف ملک حبش میں آزادی اور امن کی خبر لائے تھے تاکہ اپنے دوسرے بھائیوں کو بھی وہاں لے جائیں۔ اور ایسا ہی ہوا۔ اور اگر اہل مکہ کے اسلام کی خبر وہاں پہنچنا بھی صحیح ہو تو بھی اس کی بنیاد صرف کفار کا سجدہ میں شامل ہو جانا تھا نہ کچھ اور۔

گیارھواں باب

دعوت الی الاسلام سے روکنے کی کوشش

وَلَوْلَا اَنْ ثَبَّتْنٰكَ لَقَدْ كِدْتَّ تَرْكَنُ اِلَيْهِمْ شَيْئًا قَلِيْلًا (بنی اسرائیل)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دعوت سے روکنے کی کوششیں صرف انہی ایذاؤں تک محدود نہ تھیں جو آپ کو یا آپ کے صحابہ کو پہنچائی جاتی تھیں۔ ابتدا میں جب آنحضرت صلعم نے دعوت کا کام شروع کیا تو زیادہ تر مخفی طور پر کرتے تھے۔ اور جب کعبہ میں آپکو اور آپ کے ساتھیوں کو نمازوں میں دُکھ دیا گیا تو چھپ کر نمازیں ادا کی جاتیں یہاں تک کہ صفا میں ارقم کا گھر مقرر ہوا۔ ادھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہوا فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ جن باتوں کا حکم دیا جاتا ہے ان کو کھول کر بیان کردو وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈراؤ۔ تو آپ نے اپنی دعوت کو عام کیا۔ اور سب سے پہلے ایک دن کوہ صفا پر چڑھ کر قریش کے ایک ایک قبیلہ کو پکارنا شروع کیا۔ یہاں تک کہ سب جمع ہو گئے تو آپ نے ان سے پوچھا کہ کیا تم نے آج تک میری زبان سے کوئی جھوٹ سُنا ہے سب نے یک زبان ہو کر کہا ہرگز نہیں ہم آپ کو صادق اور امین جانتے ہیں تب آپ نے اللہ تعالیٰ کا پیغام ان لوگوں کو پہنچایا کہ بُت پرستی اور بُری باتوں کو چھوڑ کر توحید الٰہی اور نیکی کی طرف آئیں۔ اس پر وہ سب بگڑ گئے اور ابُولہب نہایت درشتی سے پیش آیا۔ اس کے بعد یہ شخص آپ کا نہایت درجہ دشمن ہو گیا۔ اور نہ صرف اس نے اور اس کی عورت نے نبی کریم صلعم کو ہر طرح پر ایذا پہنچائی بلکہ اس نے یہ وتیرہ اختیار کر لیا کہ ایام حج میں جب نبی صلعم اپنا پیغام لوگوں کو پہنچاتے جو عرب کے مختلف مقامات سے جمع ہوتے تو یہ پیچھے کہتا پھرتا کہ یہ ہمارا بھتیجا ہے مجنون ہو گیا

ہے اس کی باتوں کی طرف توجہ نہ کرنا۔

جب قریش نے یہ حالت دیکھی کہ ایک طرف ایذاؤں اور رکاوٹوں سے آنحضرت صلعم کی دعوت الی الاسلام کے کام پر کوئی اثر نہیں پڑا دوسری طرف آپ کے پیروؤں نے ان تکلیفوں کی کوئی پروا نہیں کی۔ بلکہ انہوں نے وطن تک چھوڑ دیا ہے اور اسلام کو نہیں چھوڑا تو انہوں نے فیصلہ کیا کہ بغیر اس کے کہ آنحضرت صلعم کا وجود درمیان سے مٹا دیا جائے۔ اور کوئی ذریعہ اس تحریک کو روکنے کا نہیں۔ عرب میں ہر ایک قبیلہ اپنے لوگوں کی حفاظت کا پورا ذمہ وار ہوتا تھا۔ اس لئے جب آنحضرت صلعم کو قتل کرنے کی خفیہ کوششیں ناکام ہوئیں تو قریش نے یہ سوچا کہ کھلے طور پر آنحضرت صلعم کا کام تمام کرنے کے لئے ابو طالب سے فیصلہ کیا جائے جو اپنے آبائی مذہب پر تھا۔ انہوں نے خیال کیا کہ وہ ان کا ساتھ دے گا چنانچہ ایک وفد اشراف قریش کا اس غرض کے لئے ابو طالب کے پاس پہنچا جن میں ابوجہل اور دیگر بڑے بڑے سرداران قریش تھے اور ابو طالب کو اپنی طرف کرنے کے لئے اس پیرایہ میں گفتگو کرنی شروع کی کہ تمہارا بھتیجا ہمارے معبودوں کو گالیاں دیتا ہے اور ہمارے دین کو عیب لگاتا ہے اور ہمیں بے وقوف بناتا ہے اور ہمارے باپ دادوں کو گمراہ ٹھہراتا ہے پس یا تو تم خود اس کو روک دو یا ہمیں اجازت دو کہ جو معاملہ چاہیں اس سے کریں کیونکہ تم خود بھی اسی مذہب پر ہو جس پر ہم ہیں۔ اور دین کے بارہ میں اس کے مخالف ہو۔ ابو طالب نے ان کو نرمی کے ساتھ سمجھا کر رخصت کر دیا۔ یہ ظاہر ہے کہ قریش نے جو الزام آنحضرت صلعم پر لگائے تھے۔ وہ محض مبالغہ تھا نبی کریم صلعم ان کے معبودوں کو گالیاں نہ دیتے تھے۔ قرآن کریم تو صاف فرماتا ہے لَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ جن کو یہ لوگ اللہ کے سوائے پکارتے ہیں تم ان کو گالی مت دو۔ اور اس زمانہ میں جو قرآن شریف نازل

ہوتا رہا اس کو پڑھ کر اب بھی ہر شخص دیکھ سکتا ہے کہ قرآن کریم میں کسی قوم کے کسی بزرگ کو یا کسی کے معبود کو گالی نہیں دی گئی ہاں یہ ذکر قرآن شریف میں ضرور آتا ہے کہ بت تمہیں کچھ نفع نہیں پہنچا سکتے نہ تمہارا کچھ نقصان ہوتا ہو تو اس کو دور کر سکتے ہیں اور شرک اور بت پرستی بری چیزیں ہیں بس اسی کو انہوں نے ابو طالب کو جوش دلانے کے لئے گالیاں کہا۔

کچھ عرصہ گزر گیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حسب معمول اپنے دعوت کے کام میں لگے رہے اور اسلام کا پیغام حق بہت دلوں پر اثر کرتا چلا گیا۔ قریش نے جب دیکھا کہ آپ نے اپنی دعوت کو نہیں چھوڑا تو پھر ایک وفد ابو طالب کے پاس پہنچا اور اس دفعہ مصمم ارادہ کر کے گئے کہ قطعی فیصلہ کر کے آئیں گے۔ چنانچہ انھوں نے ابو طالب کو اپنا پہلی دفعہ آنا بھی یاد دلایا اور کہا کہ اب ہم اس سے زیادہ قطعاً برداشت نہیں کر سکتے پس یا تم اس سے الگ ہو جاؤ اور یا خود بھی اس کے ساتھ مل جاؤ تاکہ ہمارے اور تمھارے درمیان فیصلہ ہو اور جنگ ہو کر ہم دونوں میں سے ایک فریق ہلاک ہو جائے یہ قریش کی طرف سے اعلان جنگ کا پیغام تھا۔ اور یہ موقعہ ابو طالب کے لئے نہایت مشکل تھا۔ ایک طرف قوم سے مقابلہ بھی اس کو مشکل نظر آتا تھا دوسری طرف آنحضرت صلعم کی محبت اس کے دل میں ایسی تھی کہ وہ آپ کو بھی چھوڑ نہ سکتا تھا اس حالت میں اس نے آنحضرت صلعم کو بلایا اور جو کچھ قریش کہہ گئے تھے آپ سے کہا اور کہا کہ مجھ پر اور اپنے اوپر رحم کرو اور مجھ پر ایسا بوجھ نہ ڈالو جس کو میں اٹھا نہیں سکتا یعنی قوم کے مقابلہ کی مجھ میں تاب نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیال کیا کہ ابو طالب بھی اب آپ کا ساتھ چھوڑتا ہے۔ قوم تو سب پہلے ہی دشمن ہے۔ صرف ابو طالب کے درمیان میں حائل ہونے کی وجہ سے وہ علی الاعلان آپ کو قتل نہیں کر سکتے۔ ابو طالب کی علیحدگی کے یہ صاف معنی ہیں کہ اب دنیا میں

کوئی انسان آپ کو دشمنوں کے شر سے بچانے میں معاون نہ ہوگا۔ ساتھی سب الگ ہو کر حبش میں جا چکے ہیں۔ قوم دشمن ہے اور ایسی خطرناک دشمن کہ جان لینے کے درپے ہے۔ آپ کے پیغام کو سننے والے النادر کالمعدوم کے حکم میں ہیں۔ مگر کیا ہی ثبات و استقلال کا نمونہ ہے جو اس وقت آپ نے دکھایا کوئی مایوسی کا خیال آپ کے دل میں نہیں آیا۔ یہ وہم آپ کے پاس نہیں پھٹکا کہ جان کو بچانا تو مقدم ہے اس وقت بات کو مان لو اور پھر کوئی طریق سوچا جائے جس سے کسی اور جگہ دعوت کا کام کر سکیں۔ اللہ تعالیٰ کی حفاظت پر کس قدر بھروسہ ہے کہ کسی انسان کی حفاظت کی پروا تک نہیں کرتے۔ ادھر ابو طالب کے منہ سے وہ کلمات نکلتے ہیں ادھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جواب میں فرماتے ہیں اے چچا اگر سورج کو میرے دائیں ہاتھ میں اور چاند کو میرے بائیں ہاتھ میں رکھ دیں کہ تا میں اس کام کو چھوڑ دوں تو میں ہرگز نہیں چھوڑوں گا یہاں تک کہ اللہ اس کو غالب کرے یا میں کام کرتا کرتا مر جاؤں۔ ساتھ ہی اس خیال پر کہ اس چچا کو جو آپ سے دل سے محبت کرتا ہے اور جو اب تک دشمنوں کے مقابل پر آپ کی حفاظت میں سپر بنا رہا ہے۔ ایسا جواب دینا پڑا جو اس کے منشاء کے خلاف ہے۔ آپ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور چشم پرنم کے ساتھ آپ اُٹھ کر چلے۔ ابو طالب نے گو بظاہر اپنے آبائی مذہب کو ترک نہ کیا تھا مگر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کا سچے دل سے شیدا تھا اور آپ کو چھوڑنا اس کے لئے موت سے بدتر تھا۔ اس نے فوراً رسول اللہ صلعم کو واپس بلایا اور کہا اے بھتیجے جا اور جو دل چاہتا ہے کر میں کسی صورت میں تمہارا ساتھ نہیں چھوڑوں گا۔

قریش کو یقین تھا کہ ابو طالب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ دیگا۔ مگر جب ان کو ابو طالب کے اس فیصلہ کا علم ہوا تو وہ بہت حیران ہوئے۔ باہمی قبائل میں

جنگ کا چھڑ جانا بھی ان کو نہایت خطرناک نظر آتا تھا جس سے قریش کا خاندان ہی تباہ ہو جاتا اور ان کی سرداری ہمیشہ کے لئے مٹ جاتی۔ اس لئے انھوں نے پھر ایک دفعہ ابو طالب سے بجائے دھمکی دینے کے لالچ دے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو لینے کی کوشش کی۔ اور عمارہ بن ولید کو جو ایک نہایت خوبصورت نوجوان تھا ساتھ لیکر گئے اور ابو طالب سے کہا کہ تم اس کو اپنا بیٹا بنا لو اور محمد صلعم کو ہمارے سپرد کردو۔ تاکہ ہم اسے قتل کردیں کیونکہ وہ تمہارے اور تمہارے بزرگوں کے دین کا دشمن ہے ابو طالب نے کہا یہ عجیب بات ہے کہ تم چاہتے ہو کہ میں تمہارے بیٹے کو لے کر اس کی پرورش کروں اور تم میرے بیٹے کو لیکر اسے قتل کردو۔ ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا قریش ناکام پھرے ادھر ابو طالب نے یہ سمجھ کر کہ اب بنی ہاشم کے قریش دشمن ہو جائینگے اور ان کی تباہی پر پورا زور لگائینگے بنی ہاشم کو جمع کیا اور ان کو کہا کہ رسول اللہ صلعم کی حفاظت کے لئے تیار ہو جانا چاہئے ان سب نے اس امر پر اتفاق کیا کہ ہم کسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دشمنوں کے حوالے نہیں کرسکتے خواہ قریش کچھ بھی معاملہ ہمارے ساتھ کریں سوائے ابو لہب کے جو آنحضرت صلعم کی عداوت کی وجہ سے دشمنوں سے ملا ہوا تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کا گرویدہ صرف ابو طالب ہی نہ تھا بلکہ بنی ہاشم کے سارے گھرانہ کو آپ نے اپنے اخلاق حمیدہ کا اس حد تک گرویدہ کر رکھا تھا کہ وہ اختلاف مذہب کے باوجود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت میں اپنی قوم سے لڑنے مرنے کو تیار تھے ؞

لیکن ابھی قریش ہمت نہ ہارے تھے۔ اگر دکھ اور تکلیف پہنچا کر وہ آنحضرتؐ کو روک نہیں سکے تو اب لالچ دیکر روکنا چاہا۔ دنیا داروں کا خیال دنیوی مال وجاہ تک ہی محدود ہوتا ہے۔ ابو طالب اور بنی ہاشم کو اس قدر سخت پاکر اب انھوں نے

یہ چاہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو براہ راست لالچ دیں۔ چنانچہ پھر ایک وفد آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور تین باتیں آپ کے سامنے پیش کیں کہ اگر آپ دولت چاہتے ہیں تو ہم سب جس قدر مال آپ چاہیں اکٹھا کر کے آپ کو دینے کے لئے تیار ہیں۔ اگر آپ عزت اور حکومت چاہتے ہیں تو ہم آپ کو اپنا سردار اور بادشاہ بنانے پر رضامند ہیں اگر آپ کو حُسن و جمال کی خواہش ہو تو خوبصورت سے خوبصورت عورت جس کو آپ چاہتے ہیں ہم آپ کی زوجیت میں دینے کے لئے تیار ہیں مگر اس قلب مقدس میں دنیا کے مال و عزت کی خواہش کبھی بچپن سے نہ آئی تھی۔ آپ نے جواب دیا کہ مجھے نہ مال و دولت کی خواہش ہے نہ حکومت کی مجھے خدا نے بشیر و نذیر بنا کر بھیجا ہے۔ میں تم کو خدا کا پیغام پہنچاتا ہوں اگر تم اس کو قبول کرو تو تم دنیا میں اور آخرت میں خوشحال رہو گے اگر تم اس کو قبول نہیں کرتے تو خدا مجھ میں اور تم میں فیصلہ کرے گا۔ اس جواب کو سُن کر قریش اب آپ کی طرف سے بکلی مایوس ہو گئے نہ وہ تکلیفیں پہنچا کر آپ کو آپ کے کام سے روک سکے نہ بڑے سے بڑا لالچ دے کر روک سکے۔ ہاں یہ لالچ اس قدر بڑا تھا۔ دُکھ اور تکلیفیں اس انتہا کو پہنچ چکی تھیں کہ اگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو ثابت قدمی عطا فرمائی ہوتی تو کوئی انسان بھی اس قدر تکلیفوں اس قدر مشکلات اور اس قدر لالچوں کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔ انہی امور کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے جو اس باب کے شروع میں مذکور ہے کہ اگر ہم نے تجھ کو ثابت قدم نہ کر دیا ہوتا تو تو بھی باوجود اپنی فطری ثابت قدمی اور استقلال اور عزم کے قریب تھا کہ تھوڑا سا ان کی طرف جھک جاتا یعنی دکھ اور لالچ اس حد کو پہنچ گئے تھے۔ کہ مضبوط سے مضبوط انسان کا قدم بھی پھسل جاتا مگر خدائی تائید نے یہ نہ ہونے دیا۔

پس چاروں طرف سے مایوس ہو کر قریش نے اب اپنا آخری ہتھیار استعمال

گیا۔ بعثت نبوی کا ساتواں سال ہوگیا تھا۔ اکثر مسلمان کفار کی زد سے نکل کر حبش پہنچ چکے تھے۔ حضرت حمزہؓ اور حضرت عمرؓ اسلام لاچکے تھے۔ ابوطالب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا ساتھ چھوڑنے سے انکار کر چکے تھے۔ اور کل بنی ہاشم سوائے ابولہب کے اس پر متفق ہو چکے تھے کہ خواہ جنگ تک نوبت پہنچے وہ آنحضرتؐ کو نہیں چھوڑیں گے۔ ادھر ایک قبیلہ سے دوسرے قبیلہ میں اسلام اثر کرتا چلا جاتا تھا پس قریش نے یہ فیصلہ کیا کہ بنی ہاشم کو بالکل الگ کردیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے دوسرے قبیلوں تک پہنچنے کی گنجایش نہ چھوڑیں چنانچہ بعثت نبوی کے ساتویں سال میں انہوں نے بنی ہاشم کے خلاف ایک معاہدہ کیا کہ وہ نہ ان سے شادی اور نکاح کا معاملہ کریں گے اور نہ ان سے خرید و فروخت کا معاملہ کریں گے اور اس معاہدہ کو ایک کاغذ پر لکھ کر اس کاغذ کو خانہ کعبہ میں آویزاں کیا گیا۔ ادھر جب بنی ہاشم اور بنی عبد المطلب نے یہ دیکھا تو وہ ابوطالب کے ساتھ ناکہ کے ایک علیحدہ حصہ میں جو شعب ابی طالب کے نام سے موسوم ہے محصور ہو گئے صرف ابولہب الگ ہوکر آنحضرتؐ کے دشمنوں کے ساتھ جا ملا۔ یہاں قریباً تین سال تک کل بنی ہاشم نہایت تکلیف کی حالت میں رہے کیونکہ خرید و فروخت بند تھی۔ اور بعض وقت بھوک سے موت تک نوبت پہنچتی چھوٹے چھوٹے بچے بھوک کے مارے بلبلاتے تو ان کے رونے کی آواز سے بعض دلوں میں درد پیدا ہوتا اور کچھ لوگ خفیہ طور پر غلہ وغیرہ شعب کے اندر پہنچا دیتے مگر ابوجہل اس کی بڑی سخت نگرانی کرتا۔ چنانچہ حکیم بن حزام بن خویلد نے جب کچھ سامان خوراک حضرت خدیجہ کو بلحاظ تعلق قرابت پہنچانا چاہا تو ابوجہل مخل ہوا۔ مگر ان تمام مصائب میں جو بنو ہاشم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر برداشت کر رہے تھے ان کا قدم ذرا نہیں ڈگمگایا۔ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت ان کے دلوں میں

نہ ہوتی تو اس قدر مصائب کو ایک انسان کی خاطر برداشت نہ کرتے ادھر رسول اللہ صلعم کا تبلیغ کا کام سوائے موسم حج کے کل قبیلوں میں سے رُک گیا اور صرف بنی ہاشم تک محدود ہوگیا۔ ایام حج میں جب آپ باہر نکلتے اور دعوت الی الاسلام کا فرض ادا کرتے تو ابو لہب ساتھ ساتھ اپنی عداوت کا اظہار کرتا چلا جاتا اور لوگوں کو کہتا پھرتا کہ اسکی بات کا اعتبار نکرنا یہ جھوٹ کہتا ہے۔ چنانچہ جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کچھ بات کرنا چاہتے وہ لوگ یہ جواب دیتے کہ تمہارے اپنے لوگ تمہیں خوب جانتے ہیں اگر تم سچے ہو تو وہ تمہیں کیوں نہیں مانتے غرض یہ زمانہ اگر ایک طرف بنو ہاشم پر تکلیف کا زمانہ تھا تو دوسری طرف دعوت کے کام کے لحاظ سے بھی مشکلات بیحد پیدا ہوگئیں +

اسی اثنا میں بعض نرم دل لوگ اس سختی پر جو بنو ہاشم سے کی گئی افسوس کرتے تھے اور کئی لوگ علانیہ یہ باتیں کرنے لگے کہ یہ سختی درست نہیں۔ چنانچہ اشراف قریش میں سے پانچ آدمی اس بات پر متفق ہو گئے یعنی ہشام۔ زُہیر۔ مطعم بن عدیؓ۔ ابو البختری۔ زمعۃ بن الاسود اور انہوں نے باہم یہ عہد کر لیا کہ اس اقرار نامہ کو پھاڑ دیں گے۔ استنے میں ایک اور واقعہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ظاہر ہوا کہ معاہدہ کا کاغذ جو خانہ کعبہ پر آویزاں کیا گیا تھا اس کو دیمک کھا گئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا اظہار ابو طالب سے کیا۔ ابو طالب نے ایک دن باہر نکل کر سرداران قریش کو ان کے ظلم پر توجہ دلائی اور ساتھ ہی کہا کہ تمہارا معاہدہ دیمک نے کھا لیا ہے اور یہ ایک نشان ہے کہ اس سے اب تم لوگ دست بردار ہو جاؤ۔ چنانچہ یہی فیصلہ ہوا کہ اگر معاہدہ کھایا ہوا نکلے تو اسے کالعدم سمجھا جائے۔ چنانچہ معاہدہ دیکھنے پر کرم خوردہ ثابت ہوا ادھر وہ لوگ جو پہلے سے اس سختی پر افسوس کر رہے تھے مسلح ہو کر شعب ابی طالب کے دروازہ پر آ گئے اور اپنے آپ کو اس معاہدہ کا مخالف ظاہر کیا اور

جو لوگ محصور تھے ان سب کو باہر نکال کر اپنے اپنے گھروں میں بھیج دیا اور کسی کو مخالفت کی جرأت نہ ہوئی +

شعب ابی طالب سے نکلنے کے بعد آپ کے چچا ابو طالب وفات پا گئے ابو طالب کو جس طرح آپ سے محبت تھی اسی طرح آپ کو بھی ان سے محبت تھی۔ گو وہ آخر تک اسلام نہیں لائے مگر ان کی جدائی آپ کے لئے بڑا بھاری صدمہ تھا۔ اس کے تھوڑا ہی عرصہ بعد حضرت خدیجہؓ وفات پا گئیں۔ انہوں نے جو کچھ خدمت نبی کریم صلعم کی کی تھی اور جس طرح غم و حزن کے اوقات میں آپ کے قلب حزیں کی تسکین کا موجب ہوتی تھیں ان کا انتقال آپ کے لئے بڑا بھاری صدمہ تھا۔ یہ سال جو بعثت نبوی کا دسواں سال تھا۔ تاریخ اسلامی میں عام الحزن کے نام سے مشہور ہے یعنی غم کا سال کیونکہ آپ کے دو ایسے رفیق و غمگسار اُٹھ گئے جن سے آپ کو بہت کچھ تقویت ملتی تھی۔ اور اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مشکلات پہلے سے بھی بڑھ گئیں اور ایک اور سختی کا زمانہ شروع ہوا +

بارھواں باب

مکہ کے آخری ایام

وَاِنْ كَادُوْا لَيَسْتَفِزُّوْنَكَ مِنَ الْاَرْضِ لِيُخْرِجُوْكَ مِنْهَا وَاِذًا لَّا يَلْبَثُوْنَ خِلٰفَكَ اِلَّا قَلِيْلًا (بنی اسرائیل ع ۸)

اب مکہ میں رہ کر دعوت الی الاسلام کا کام جاری رکھنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اور بھی مشکل ہو گیا۔ حضرت خدیجہؓ اور ابو طالب کی وفات کے بعد قریش کو آپ کا کوئی لحاظ باقی نہ رہا۔ لیکن اس بات پر کہ اللہ تعالیٰ آپ کو مظفر و منصور کرے گا آپ کا ایمان اس وقت بھی برابر ایسا ہی تھا۔ چنانچہ ایک دن جب آپ اس حالت میں کہ راہ چلتے چلتے آپ پر مٹی پھینک دی گئی۔ گھر پہنچے اور آپ کی صاحبزادی آپ کا سر دھوتی تھیں اور روتی بھی تھیں تو آپ نے بدیں الفاظ اسے تسلی دی کہ رو نہیں۔ اللہ تعالیٰ تمہارے باپ کی مدد کرے گا۔ آپ کو یہ یقین کامل تھا کہ ملک عرب اسلام قبول کرے گا۔ اور آپ کی غلامی میں آئے گا۔ اگر صرف آپ کو اپنی زندگی کی حفاظت مدنظر ہوتی تو آسان بات تھی کہ حبش میں ہجرت کر جاتے مگر اس کے یہ معنی ہوتے کہ عرب سے آپ مایوس ہو گئے۔ آپ کو مایوسی کے تمام ظاہری سامان ہیچ نظر آتے تھے اور دل یقین کامل سے بھرا ہوا تھا کہ یہی لوگ جو آج دشمن ہیں کل کو جاں نثار بنیں گے مکہ والوں کی سخت دلی کو دیکھ کر آپ نے طائف کا رخ کیا کہ شاید وہاں کے لوگ زیادہ نرم ثابت ہوں اور اپنی بھلائی کی باتوں کو جلد قبول کریں۔ زید آپ کے ساتھ تھا سب سے پہلے آپ وہاں کے سب سے بڑے خاندان کے تین معزز بھائیوں کے پاس گئے مگر ان تینوں نے آپ کی بات کی طرف کوئی توجہ نہ کی۔ آپ کوئی دس دن کے قریب وہاں ٹھہرے اور یکے بعد دیگرے وہاں کے لوگوں کو اپنا پیغام پہنچایا

چاہا۔ مگر یہ دنیا پرست کیونکر دیکھ سکتے تھے کہ سرور دو عالم اس بیکسی کی حالت میں پھر رہا ہے کہ اس کی اپنی قوم اس کی دعوت کی طرف توجہ نہیں کرتی۔ ہر طرف سے یہی جواب ملتا تھا کہ اگر سچے ہو تو پہلے اپنی قوم کو منواؤ آخر آپ کو پیغام دیا گیا کہ یہاں سے چلے جاؤ۔ لیکن جونہی آپ چلے۔ بازاری لوگوں نے رؤسا کے اشارہ سے آپ پر ہنسی شروع کی۔ شہر کے باہر رستے کے دونوں طرف دور تک لوگ پھیل گئے اور جونہی آپ ان کے درمیان سے گزرنے لگے آپ کی ٹانگوں پر پتھروں کی بوچھاڑ شروع کی لہو لہان ہو کر جب آپ بیٹھنے لگتے تو ایک بدبخت آتا اور ہاتھ پکڑ کر اٹھا دیتا کہ یہاں سے چلے جاؤ یہاں تمہارے ٹھہرنے کا کیا کام ہے دو تین میل تک یہی حالت رہی اور آپ پر اس قدر پتھر برسائے گئے کہ جوتیاں خون سے بھر گئیں آخر جب بدمعاشوں نے آپ کا پیچھا چھوڑا تو آپ کچھ آرام لینے کے لئے ایک باغیچہ میں بیٹھ گئے۔ یہ باغ ایک کافر عُتبہ بن ربیعہ کا تھا مگر آپ کو اس مظلومیت کی حالت میں دیکھ اس کے دل میں رحم آیا اور اس نے اپنے ایک غلام عداس نام کے ہاتھ انگور کا خوشہ آپ کے لئے بھیجا۔ یہ ایک عیسائی غلام تھا۔ اور جب آنحضرت صلعم نے بسم اللہ کہہ کر انگور کی طرف ہاتھ بڑھایا تو اسے تعجب ہوا اور دریافت کرنے پر آپ نے اسے اپنے منصب سے خبر دی اور وہ آپ پر ایمان لایا۔

اپنے آپ کو اس بیکسی کی حالت میں اور چاروں طرف سے مخلوق کا اس قدر ظلم و ستم دیکھ کر آپ ذات باری کی طرف متوجہ ہوئے مگر نہ اس حال میں کہ آپ کے اندر کوئی مایوسی کا خیال پیدا ہوا ہو یا آپ کی زبان پر کوئی شکایت کا لفظ آیا ہو۔ ایلی ایلی لما سبقتانی کہنے والا کوئی اور تھا۔ محمد رسول اللہ صلعم کا قلب ایسے ایمان سے پر اور اس قدر یقین سے معمور تھا کہ ایک لحظہ کے لئے بھی یاس آپ کے پاس نہ آسکتی تھی۔ اس شدت اور اس انتہا درجہ کی بیکسی کے وقت آپ یوں جناب باری میں

ملتجی ہوئے :-

اَللّٰھُمَّ اِلَیْكَ اَشْكُوْ ضُعْفَ قُوَّتِیْ وَقِلَّةَ حِیْلَتِیْ وَھَوَانِیْ عَلَی النَّاسِ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ اَنْتَ اَرْحَمُ الرَّاحِمِیْنَ وَاَنْتَ رَبُّ الْمُسْتَضْعَفِیْنَ اِلٰی مَنْ تَكِلُنِیْ اِلٰی عَدُوٍّ یَّتَجَهَّمُنِیْ اَمْ اِلٰی صَدِیْقٍ قَرِیْبٍ مَلَّكْتَهٗ اَمْرِیْ اِنْ لَّمْ تَكُنْ غَضْبَانًا عَلَیَّ فَلَا اُبَالِیْ غَیْرَ اَنَّ عَافِیَتَكَ اَوْسَعُ لِیْ اَعُوْذُ بِنُوْرِ وَجْهِكَ الَّذِیْ اَضَاءَتْ لَهُ السَّمٰوٰتُ وَاَشْرَقَتْ لَهُ الظُّلُمٰتُ وَصَلَحَ عَلَیْهِ اَمْرُ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ اَنْ یَّنْزِلَ بِیْ غَضَبُكَ اَوْ یَحِلَّ بِیْ سَخَطُكَ وَلَكَ الْعُتْبٰی حَتّٰی تَرْضٰی وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِكَ ۔

اے میرے خدا اپنی کمزوری اور اپنی طاقت کی کمی کی اور لوگوں کی نظروں میں ہیچ ہونے کی تیری طرف ہی شکایت کرتا ہوں اے سب رحم کرنے والوں سے بڑھکر رحم کرنے والے تو ہی کمزوروں کا رب ہے اور تو ہی میرا رب ہے تو کس کی طرف مجھے سپرد کرے گا کسی اجنبی دشمن کی طرف جو مجھ سے ترش روئی کے ساتھ پیش آتا ہے یا قریب دوست کی طرف جس کے قبضہ میں تو نے میرا معاملہ دیا ہے اگر تیری ناراضگی مجھ پر نہیں تو ان تمام باتوں کی مجھے کچھ پروا نہیں لیکن تیری حفاظت میرے لئے بہت وسیع ہے میں تیرے چہرے کے نور کی پناہ میں آتا ہوں جس کے سامنے ساری تاریکیاں پاش پاش ہوکر روشن ہو جاتی ہیں اور جس سے دنیا اور آخرت کے امور اصلاح پذیر ہوتے ہیں ہاں اس بات سے میں تیرے منور چہرے کی پناہ میں آتا ہوں کہ مجھ پر تیری ناراضگی ہو یا تیرا غصہ ہو۔ تیرے حضور عذر کرنا ہے یہاں تک کہ تو راضی ہو جائے اور کوئی طاقت اور قوت نہیں مگر تیرے ساتھ +

کاش کسی کے سینہ میں دل ہو تو وہ غور کرے کہ کیا یہ کلمات اس قدر سختیوں کے بعد ایک جھوٹے انسان کے منہ سے نکل سکتے ہیں؟ وہ سختیاں جو انسان برداشت

نہیں کر سکتا آپ نے برداشت کیں۔ وہ مشکلات جو انسان سے خودکشی کرا دیتی ہیں آپ کو پیش آئیں مگر کیا ہی توحید کے مقام پر آپ پہنچے ہوئے ہیں کس قدر رضا بقضا ہے کس قدر دل میں ٹھنڈک اور راحت ہے کہ کہتے ہیں یہ سب چیزیں ہیچ ہیں جب خدا راضی ہے اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ ۔

چند روز بعد آپ مکہ میں واپس آئے مگر داخل ہونے سے پہلے مُطعِم بن عَدِیؓ نے حفاظت کا عہد لیا۔ مکہ میں واپس آکر آپ نصرت الٰہی کے انتظار میں تھے کہ کس راہ سے نصرت آتی ہے اور کس مقام کی طرف آپ کو ہجرت کرنی پڑتی ہے۔ موسم حج آیا تو آپ ان تمام قبیلوں کے پاس ایک ایک کرکے گئے جو اطراف عرب سے اس موقع پر جمع ہوئے تھے۔ مگر جس مجمع میں آپ تقریر کرتے اور اسلام کے اصول ان کو سمجھانے کی کوشش کرتے وہیں ابولہب بھی پہنچتا اور کہتا یہ شخص دین سے پھر گیا ہے اور جھوٹ کہتا ہے یہ چاہتا ہے کہ لات و عُزّٰی کی تم پر حکومت نہ ہے اس کی بات مت سنو۔ اس لئے لوگ بھی توجہ نہ کرتے بعض قبیلوں نے بڑی سختی سے آپ کو رد کیا مگر آپ ہمت نہ ہارے۔ ایک قبیلہ کے لوگوں کو آپ کی باتیں پسند آئیں مگر ساتھ ہی اپنی کمزوری کا ذکر کیا کہ آبائی دین اس طرح یک دفعہ چھوڑنا مشکل ہے۔ ایک اور قبیلہ کے آدمی نے آپ کی باتیں سن کر یہ سوال کیا کہ اگر ہم لوگ آپ کا ساتھ دیں اور آپ غالب آجائیں تو کیا آپ کے بعد حکومت ہم کو ملے گی آپ نے فرمایا حکومت خدا کے اختیار میں ہے وہ جس کو چاہے حکومت دے۔ کس قدر ہمت اور کتنا بڑا ایمان ہے۔ اگر محض اپنا غلبہ ہی مقصود ہوتا تو یہ اچھا موقعہ تھا مگر اپنی تدبیروں سے غالب آنا اس منصب کے منافی تھا جس پر آپ کو کھڑا کیا گیا۔ آپ صرف الٰہی نصرت کے منتظر تھے کیونکہ آپ کے ساتھ یہ وعدہ تھا کہ ایسا ہو کر رہے گا اور آپ یقین سے جانتے تھے کہ وہ نصرت آکر رہے گی

البتہ یہ نہ جانتے تھے کہ کس راہ سے وہ نصرت آئے گی اور اس کی تلاش میں پھر رہے تھے ۔

اسی طرح ایام حج میں جب آپ مختلف قبیلوں کو دعوت اسلام دینے پھرتے تھے ۔ عَقَبَہ کے پاس آپ قوم خَزرَج کے چند آدمیوں کے پاس آئے ۔ یہ مدینہ کے رہنے والے لوگ تھے جیسا شروع میں ذکر ہو چکا ۔ آپ نے ان سے دریافت کیا کہ وہ کون لوگ ہیں ۔ انہوں نے کہا خَزرَج ۔ آپ نے فرمایا یہودیوں کے رفقا میں سے ۔ انہوں نے کہا ہاں ۔ آپ نے پوچھا اگر تم بیٹھ جاؤ تو میں کچھ باتیں تمہارے ساتھ کروں ۔ وہ بیٹھ گئے آپ نے ان کو اسلام کی دعوت دی ۔ چونکہ مدینہ میں یہودی بہت رہتے تھے ۔ اور اَوس و خَزرَج کے ساتھ ان کے تعلقات بھی رہتے تھے ۔ ان لوگوں نے ان سے سُنا ہوا تھا کہ ایک موعود نبی کے آنے کا زمانہ قریب ہے ۔ پس ایک طرف ، اسلام کی تعلیم کی خوبی نے ان پر اثر کیا اور دوسری طرف اس پیشگوئی سے ان کے دل میں یہ یقین ہو گیا کہ آپ وہی موعود نبی ہیں اور انہوں نے آپ کے قبول کرنے میں سبقت کی ۔ چنانچہ سب آدمی جو تعداد میں چھ تھے مسلمان ہو گئے یہ دسویں سال بعثت کا واقعہ ہے ۔ مدینہ میں کچھ چرچا اسلام کا ان کی وجہ سے ہو گیا ۔ اور تمام گھروں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ہونے لگا چنانچہ اگلے سال بارہ آدمی ان میں سے جو مسلمان ہو چکے تھے حج میں آئے اور ان بارہ سے آنحضرت صلعم نے مقام عَقَبَہ پر بیعت لی جو بیعتِ عَقَبَۂ اُولیٰ کے نام سے مشہور ہے ۔ اور یہ بیعت ان الفاظ میں تھی کہ ہم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گے چوری نہیں کریں گے ۔ زنا نہیں کریں گے اپنی اولاد کو قتل نہیں کریں گے ۔ بہتان نہیں باندھیں گے اور امر معروف میں آپ کی نافرمانی نہیں کریں گے ۔

اس اقرار کے بعد یہ لوگ واپس ہوئے ان کی تعلیم کے لئے آپ نے مُصْعَبْ بن عُمَیر کو بھیج دیا کہ ان کو قرآن سکھائے اور اسلام کی تعلیم دے مُصْعَب کی کوشش کا یہ نتیجہ ہوا کہ اسلام مدینہ میں خوب زور سے پھیلا اور بڑے بڑے لوگ اُوس و خزرج میں سے مسلمان ہو گئے۔ یہاں تک کہ جب پھر حج کا موسم آیا تو ان میں سے تہتّر مرد اور دو عورتیں مکّہ میں آئے۔ اور ایام تشریق میں اسی عقبہ کے مقام پر رات کے وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی ملاقات ہوئی۔ آپ کے ساتھ حضرت عبّاس بھی تھے جو ابھی حالت کفر پر تھے۔ حضرت عبّاس نے اوّل گفتگو شروع کی اور کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام کو تم لوگ جانتے ہو۔ ہم نے اب تک آپ کی قوم سے یعنی دشمنوں سے آپ کی حفاظت کی ہے۔ اور آپ اپنے شہر میں عزت اور حفاظت کے مقام پر ہیں لیکن اب آپ پسند کرتے ہیں کہ تمہارے شہر میں جائیں اور تمہارے ساتھ مل جائیں پس اگر تم سمجھتے ہو کہ تم اس عہد کو پورا کرو گے جس پر تم آپ کو وہاں بلاتے ہو۔ اور آپ کے مخالفوں سے آپ کی حفاظت کرو گے تو تمہارا اختیار ہے کہ اس بوجھ کو اُٹھاؤ اور اگر تم سمجھتے ہو کہ یہاں سے جانے کے بعد تم آپ کی حفاظت نہ کر سکو گے اور آپ کو دشمنوں کے سپرد کر دو گے اور آپ کی عزت نہ کرو گے تو ابھی سے آپ کو چھوڑ دو۔ اور یہ بھی کہا کہ اگر عرب و عجم سے جنگ کی طاقت ہے تو آپ کو ساتھ لے جاؤ۔ انصار نے کہا ہم نے تمہاری بات سُن لی ہے۔ اب یا رسول اللہ آپ خود جو عہد چاہیں ہم سے لیں۔ آپ نے قرآن شریف پڑھا اور کچھ نصیحت کی اور پھر فرمایا میں تم سے اس بات پر بیعت لیتا ہوں کہ تم دشمن سے میری حفاظت کرو گے جس طرح اپنے بیٹوں اور عورتوں کی حفاظت کرتے ہو اس پر بَرَاء بن مَعْرُور نے جو ان میں سردار تھے آپ کا ہاتھ پکڑا۔ اور کہا ہم اس پر آپ کی بیعت کرتے ہیں۔ بیعت کرنے کے بعد آپ نے ان میں سے بارہ سردار مقرر کر دیئے

اس سے معلوم ہوا کہ انصار نے خود نبی کریم صلعم کو بلایا تھا۔ اور آپ نے ان کی دعوت کو قبول کیا۔ اور جو عہد ان سے لیا گیا تو یہ ملک عرب کا عام دستور تھا کہ جب کوئی شخص کسی غیر قوم میں جا کر رہتا تو وہ اس کی حفاظت کا عہد کرتے تھے۔ ورنہ ہر قبیلہ یا قوم صرف اپنے افراد کی حفاظت کے ذمہ دار ہوتے تھے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ نبی کریم صلعم جانتے تھے بلکہ حضرت عباسؓ بھی کہ کفار آپ کو مدینہ میں امن سے نہ رہنے دیں گے اس لئے یہ معاہدہ ان سے لینا ضروری ہوا کہ اگر دشمن چڑھائی کرے تو وہ آپ کی حفاظت کریں گے۔ کیونکہ آپ دیکھ چکے تھے کہ کس طرح آپ کے صحابہ کا تعاقب ملک حبش تک کیا گیا۔ انہی باتوں کو مدنظر رکھ کر یہ عہد لیا گیا اور یہ بیعت عَقَبۂ ثانیہ کے نام سے مشہور ہے۔ جو بعثت نبوی کے بارھویں سال میں ہوئی۔ اس بیعت کی کچھ اُڑتی اُڑتی خبر قریش کو بھی مل گئی۔ لیکن چونکہ اس کا علم سوائے ان خاص مسلمانوں کے جو بیعت میں شامل تھے یا حضرت عباس کے اور کسی کو نہ تھا۔ اور مشرکین مدینہ کو بھی اس کی خبر نہ تھی اس لئے کفار کو ان سے زیادہ خبر نہ مل سکی۔ مگر جب لوگ حج سے واپس ہو گئے تو یہ خبر شہرت پا گئی کیونکہ نبی کریم صلعم نے خود اس کو چھپانا نہ چاہا۔ قریش نے مدینہ کے قافلہ کا تعاقب کیا مگر وہ ان کو نہ پا سکے۔ صرف دو آدمی ان کو ملے جن میں سے ایک بھاگ گیا اور دوسرا سَعْد بن عُبَادہ ان کے قابو آ گیا جس کو وہ بالوں سے گھسیٹ کر واپس مکہ میں لے آئے مگر چونکہ سَعْد نے بعض قریش کی مدینہ میں کچھ خدمت کی تھی اس لئے ان کی حمایت کی وجہ سے انہیں چھوڑ دیا گیا۔ اس کے بعد صحابہ نے ایک ایک دو دو کر کے مدینہ کی طرف ہجرت شروع کی۔ اور کفار سے حتی الوسع اس بات کو مخفی رکھا جس کے متعلق ان کو خبر مل جاتی اسے روکنے کی بھی کوشش کرتے۔ مگر ان کی روک ٹوک چنداں موثر نہ ہوئی اور آخر کار صرف آنحضرت صلعم اور حضرت ابو بکرؓ اور حضرت علیؓ مکہ میں رہ گئے اور

باقی کل مسلمان مدینہ میں پہنچ گئے۔ یہ واقعہ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اللہ تعالیٰ پر توکل کے کمال کو ظاہر کرتا ہے۔ دشمنوں کی سختی روز بروز بڑھتی چلی جاتی ہے۔ مدینہ میں اسلام کے قوت پذیر ہونے سے اُن کا غضب اور بھی زیادہ ہوتا جارہا ہے۔ نبی کریم صلعم کی حفاظت کا وہ پہلا سامان بھی نہیں۔ بایں آپ اپنی فکر نہیں کرتے بلکہ اپنے صحابہؓ کی فکر کرتے ہیں ان کو پہلے حفاظت کے مقام پر پہنچاتے ہیں اور خود غضبناک دشمنوں کے اندر تن تنہا رہ جاتے ہیں۔ اور یوں چاروں طرف دشمنوں ہی دشمنوں میں گھرے ہوئے اور اُن دشمنوں میں گھرے ہوئے جو اب مسلمانوں کے دوسری جگہ چلے جانے سے اور وہاں اسلام کی بنیاد مضبوط ہو جانے سے اپنے غضب میں اور بھی زیادہ تند ہو گئے ہیں۔ یہ بتا دیتے ہیں کہ آپ اپنی حفاظت کے لئے صرف اللہ کی ذات پر بھروسہ رکھتے تھے نہ ظاہری اسباب پر۔ آپ چاہتے تو یوں کر سکتے تھے۔ کہ اپنی جان کی حفاظت کیلئے سب سے پہلے مدینہ چلے جاتے۔ اور اگر آپ ایسا کرتے تو کون اس پر نکتہ چینی کر سکتا تھا اور کون دوست شکایت کر سکتا تھا کیونکہ اسلام جس کے لئے سب مسلمان اپنی جانیں دینے کے لئے تیار تھے۔ اس کی زندگی کا دارومدار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی پر تھا لیکن آپ کے پہلے مدینہ چلے جانے کا نتیجہ کیا ہوتا؟ کفار یہ دیکھ کر ایک ایک آپ کے ساتھی کو چُن چُن کر مار ڈالتے۔ پس آپ کے اس قلب نے جو اپنے صحابہؓ کے ساتھ ہر مادر سے بھی زیادہ محبت رکھتا تھا بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ یہ اجازت نہ دی کہ آپ اپنے صحابہ کو تکلیف میں ڈالیں حالاں خود تنہا غضبناک دشمنوں میں رہ کر بتا دیا کہ آپ کو ان وعدوں پر کس قدر ایمان ہے جو آپ کی حفاظت اور نصرت کے متعلق اللہ تعالیٰ کی طرف سے مل چکے تھے۔

تیرھواں باب

ہجرت

اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا (التوبہ-۴۰)

بعثت نبوی کا تیرھواں سال شروع ہوچکا تھا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صرف حضرت ابوبکرؓ اور حضرت علیؓ کے ساتھ دشمنوں کے اندر گھرے ہوئے رہ گئے تھے اور آپ کے کُل کے کُل رفقا گھر بار چھوڑ کر حبش میں یا مدینہ میں پہنچ چکے تھے۔ مگر آپ کی انتہائی بیکسی کی تصویر کا نظارہ دیکھنا ابھی باقی ہے جب آپ اس حالت میں مکہ میں رہ گئے تو حضرت ابوبکرؓ جن کو آپ نے اپنا رفیقِ سفرِ ہجرت بنانے کیلئے چن لیا تھا اکثر کہتے کہ یا رسول اللہ ہجرت کیجئے تو آپ فرماتے کہ ابھی مجھے اللہ تعالیٰ نے حکم نہیں دیا۔ کیا ایمان ہے کہ دشمن تو اس تاک میں ہیں کہ موقعہ پاکر آپ کا کام تمام کردیں۔ اور آپ اس لئے مدینہ کو نہیں جاتے کہ ابھی اللہ تعالیٰ نے حکم نہیں دیا۔ یہ ایک معمہ ہے جس کو قریش کا آخری فیصلہ حل کرتا ہے اب تک متفرق طور پر اپنے اپنے رنگ میں کوششیں ہوچکی تھیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کام تمام کیا جائے۔ مخالفت بھی بہتیری ہوچکی ایذا دہی بھی ہوچکی۔ استہزا بھی ہوچکا مگر قریش کے جرموں کا پیالہ ابھی لبریز نہ ہؤا تھا۔ آخر وہ وقت بھی آیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تنہا دیکھ کر انھوں نے ایک عظیم الشان قومی مشورہ دارالندوہ میں کیا۔ جہاں کل اہم قومی امور طے پاتے تھے۔ یہاں کل اشراف قریش جمع ہوئے کسی نے مشورہ دیا کہ آپ کو بیڑیاں ڈال کر قید کردیا جائے اور

مکان بند کر دیا جائے یہاں تک کہ آپ وفات پا جائیں۔ اس پر یہ اعتراض ہوا۔ کہ آپ کے ساتھی ممکن ہے کسی دن قوت پکڑ کر آپ کو چھڑا لیں۔ ایک اور نے مشورہ دیا کہ آپ کو جلا وطن کر دیا جائے اس پر یہ اعتراض ہوا کہ آپ کے کلام میں ایسا اثر ہے کہ جس قبیلہ میں آپ جائیں گے اس کو اپنے ساتھ کر لیں گے اور قوت پکڑ کر کسی دن ہم کو پھر مغلوب کر لیں گے۔ سب سے آخر ابوجہل نے اپنی رائے پیش کی اور کہا کہ ہم قریش کے ہر قبیلہ سے ایک مضبوط صاحب نسب نوجوان لیں اور پھر ایک کو ایک تیز تلوار دیں۔ اور یہ سب کے سب یکمرتبہ آنحضرتؐ پر حملہ کر کے آپ کو مار ڈالیں۔ اس طرح پر آپ کا خون سب قبیلوں میں بٹ جائے گا اور بنو ہاشم کسی ایک قبیلہ سے انتقام نہ لے سکیں گے اور دیت پر راضی ہو جائیں گے۔ اس پر سب کا اتفاق ہو کر مجمع منتشر ہو گیا +

اُدھر یہ مشورہ ہوا اِدھر آنحضرت صلعم کو اللہ تعالےٰ نے اطلاع دی کہ اب قریش کے جرموں کا پیالہ لبریز ہو گیا انہوں نے آخری اور قطعی فیصلہ کر لیا ہے کہ وہ اپنے خیرخواہ حقیقی۔ ہاں دنیا کے اکیلے مزکی کو زندہ نہ چھوڑیں گے۔ اور آج رات آپ گھر میں نہ سوئیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کو بلایا کہ میرے ذمہ بہت سی امانتیں ہیں تم میری جگہ سوؤ۔ اور امانتیں ادا کر کے مدینہ پہنچ جاؤ۔ کس قدر آپ کی راستبازی پر باوجود اس قدر مخالفت کے بھی لوگوں کو بھروسہ تھا کہ اب بھی امانتیں آپ کے پاس ہی رکھتے تھے اس غرض کے لئے حضرت علی کو آپ نے پیچھے چھوڑا۔ اِدھر حضرت ابوبکر کو اطلاع دی کہ تیار رہو جاؤ۔ ہجرت کا حکم ہو گیا ہے۔ حضرت ابوبکر نے عرض کیا یا رسول اللہ میں بھی آپ کے ساتھ ہوں گا۔ آپ نے فرمایا ہاں۔ حضرت ابوبکر فرط خوشی سے رو پڑے ہجرت کے دُکھ اور مصیبتیں اُٹھانے کے لئے اس قدر خوشی کیوں ہو؟ اس لئے کہ وہ محبوب ساتھ ہے جس پر

جان فدا کر دینے کی تڑپ ہے۔ حضرت ابو بکرؓ نے دو اونٹنیاں پہلے سے تیار کر رکھی تھیں کھانا وغیرہ سب کچھ تیار ہو گیا اور ضروری امور طے ہو کر ایک قرارداد ہو گئی۔ شام کے بعد تھوڑی تاریکی ہوئی تھی کہ قریش کے قبیلوں میں سے ایک ایک آدمی منتخب ہو کر اور تلوار ہاتھ میں لے کر سب نے رسول اللہ صلعم کے گھر کا محاصرہ کر لیا کہ جب آپ باہر نکلیں تو آپ کو قتل کر دیا جائے۔ آپ نے اپنی جگہ پر حضرت علیؓ کو سُلایا۔ کیونکہ انہوں نے ہی آپ کے بعد آپ کی امانت کی ادائیگی کے فرض کو پورا کرنا تھا اور یہ ظاہر ہے کہ قریش نے آنحضرت کو قتل بستر پر نہ کرنا تھا کیونکہ یہ ان کے اصول کے خلاف تھا کہ گھر کے اندر گھس کر قتل کریں اور حضرت علی جب باہر تشریف لائے تو اُن کو کوئی قتل نہ کرتا۔ قاتل اس غلطی میں رہے کہ آنحضرت صلعم سو رہے ہیں جب باہر نکلیں گے قتل کر دیں گے۔ ادھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب دیکھا کہ تاریکی ہو گئی ہے تو اُس خدا پر بھروسہ کرتے ہوئے جس پہ بھروسہ کر کے آپ نے بارہ سال سے زیادہ ان دشمنوں کے اندر گزارے تھے اپنے قاتلوں کے اندر سے ہوتے ہوئے اور ان کی آنکھوں میں خاک ڈالتے ہوئے نکل گئے اور قرار داد کے مطابق حضرت ابو بکرؓ سے مل کر یہ دونوں مقدس رفیق ایک پرخطر غار میں جو غار ثَوْر کے نام سے مشہور ہے۔ پہنچے۔ یہ غار مکہ سے تین میل کے فاصلہ پر ہے حضرت ابو بکرؓ پہلے اس غار کے اندر داخل ہوئے اور اس کو صاف کیا۔ سُوراخ وغیرہ جو اس کے اندر تھے ان کو ٹٹول کر بند کیا۔ پھر رسول صلعم داخل ہوئے۔ ایک غار کے اندر آپ کو وہ مقدس پیغام پہنچا جس نے دنیا کی تاریخ میں ایک ایسا انقلاب عظیم پیدا کیا۔ دوسری غار میں سرور عالم کو پناہ ملی۔ اور چونکہ آپ کی ہجرت اسلام کا سنہ پیدائش سمجھا گیا ہے جس سے تاریخ اسلامی کی ابتدا ہوتی ہے اس لئے اسلام کا ظہور ان دو غاروں سے ہوا+

اُدھر صبح ہوئی اور قاتلین حضرت علیؓ کو بستر سے اُٹھتا ہوا دیکھ کر حیران رہ گئے

چاروں طرف جستجو شروع ہوئی بڑے بڑے انعام مقرر ہوئے۔ تلاش کرتے کرتے غارِ ثَوْر کے سر پر بھی پہنچے یہ وہ وقت تھا کہ حضرت ابو بکرؓ نے لوگوں کے پاؤں کی آہٹ کو سُنا اور آپ کے دل میں یہ خیال گزرا کہ اگر ذرا اور بڑھے تو دیکھیں گے اس خیال کے دل میں آتے ہی آپ مغموم ہوئے۔ اپنے لئے نہیں بلکہ اس قیمتی انسان کے لئے جس کی جان کو وہ اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھتے تھے۔ کیا وقت ہے۔ خونخوار دشمن سر پر ہے۔ بس ایک نظر پڑنے کی دیر ہے کہ آن کی آن میں ٹکڑے ٹکڑے کر دیں گے۔ اس وقت ان الفاظ کا آپ کے منہ سے نکلنا۔ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا۔ اے ابو بکرؓ غم نہ کر۔ اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے کسی انسان کے وہم وگمان میں نہیں آسکتا۔ اگر یہ باتیں آپ کے اندر سے نکلتی ہوئیں تو اب وہ وقت تھا کہ آپ کے اوسان خطا ہو جاتے۔ بھاگنے کی کوئی راہ نہیں۔ دشمن قتل کا قطعی فیصلہ کر چکا ہے۔ لیکن اس انتہائی بیکسی کے وقت بھی جب دنیا میں نہ کوئی یار ومددگار باقی رہ گیا ہے نہ گریز کی جگہ رہ گئی ہے۔ کس قدر سلامتی اور حفاظت کے یقین کامل کے الفاظ آپ کے دہن مبارک سے نکلتے ہیں کہ اللہ ہمارے ساتھ ہے ہمیں کوئی نہیں پکڑ سکتا نہ کوئی مار سکتا ہے۔ یہ انسان کے اندر کی آواز نہیں ہوسکتی۔ انسان کا اپنا دل ایسے حالات کے اندر یہ شہادت نہیں دے سکتا یہ خدائے عالم الغیب کی آواز تھی جو جانتا تھا کہ سر پر پہنچ جانے کے باوجود بھی دشمن آپ تک نہیں پہنچ سکتا۔

تین دن آپ غار میں رہے حضرت ابو بکرؓ کا بیٹا عبداللہ ان ایام میں آپ کو شہر کی خبریں پہنچاتا رہا اور انہی کا غلام عامر بن فُہیرہ بکریاں چراتا چراتا ان کو غار کے منہ پر لے جاتا اور ان کا دودھ دوہ کر پلاتا حضرت اسماء ابو بکر کی بیٹی کھانا پہنچاتیں آخر جب تلاش کے متعلق خاموشی ہوگئی تو چوتھے دن آپ غار سے نکلے۔ دونوں

اونٹنیاں حضرت ابو بکرؓ کی تیار تھیں۔ آنحضرت صلعم نے باوجود اس کے کہ ابو بکرؓ اپنا مال اور اپنی جان آپ پر فدا کر چکے تھے یہی پسند کیا کہ اونٹنی حضرت ابو بکرؓ سے خرید کر اس پر سوار ہوں۔ عبداللہ بن اُریقِط ایک کافر راستہ دکھانے کے لئے ساتھ لیا تھا۔ عامر بن فُہیرہ کو حضرت ابو بکرؓ نے اپنے پیچھے سوار کر لیا تاکہ رستہ میں کچھ خدمت کا کام دے گو نبی کریم صلعم کی خدمت وہ خود اپنے ہاتھ سے کرتے تھے۔ دھوپ کی گرمی ہوئی تو ایک چٹان کے سایہ میں جگہ صاف کر کے حضرت ابو بکرؓ نے اپنی چادر بچھا دی آنحضرت صلعم اس پر لیٹ گئے۔ حضرت ابو بکرؓ آپ کے لئے کچھ غذا کی تلاش میں نکلے ایک چرواہا مل گیا۔ بکری کے تھن صاف کر کے ہی کا دودھ دوہا اور ایک صاف برتن میں ڈال کر اور کپڑے سے ڈھاک کر آنحضرتؐ کی خدمت میں پیش کیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ جانتے تھے کہ آنحضرتؐ کی طبیعت کس قدر نفاست پسند ہے +

قریش نے اعلان کیا کہ آنحضرت صلعم کے گرفتار کر کے لانے والے کو سو اونٹ انعام ملے گا جو لوگ نکلے ان میں سے سُراقہ بن مالک بن جعشم کو ایک شخص سے یہ خبر ملی کہ اس نے تین سواروں کو مدینہ کی طرف جاتے دیکھا ہے یہ شخص بڑا قوی ہیکل تھا کسی کو اطلاع دیئے بغیر زرہ پہنکر اور مسلح ہو کر تیر و ترکش ساتھ لے کر تیز گھوڑے پر نکلا۔ اثنائے تعاقب میں ایک جگہ گھوڑے نے ٹھوکر کھائی اور وہ گرا۔ فال نکالی تو نفی میں نکلی یعنی تعاقب نہ کرنا چاہیئے۔ پھر تعاقب کیا پھر ایسا ہی ہوا پھر وہی فال نکلی۔ تیسری مرتبہ قریب پہنچا اور قریب تھا کہ تیر سے وار کرے۔ کہ گھوڑا گرا اور اس کے اگلے پاؤں زمین میں دھنس گئے سُراقہ خود بیان کرتا ہے تب میں نے سمجھا کہ مقدر یہی ہے کہ آنحضرتؐ کا امر غالب ہو۔ آخر قتل کے ارادہ کو ترک کر کے مخلصانہ حاضر خدمت ہوا۔ اور عرض کیا کہ مجھے معافی دی جائے

اور جب خدا آپ کو حکومت دے تو مجھ سے اس کا مواخذہ نہ کیا جائے آپ نے تحریر لکھوا دی (قلم دوات کاغذ آپ کے ساتھ رہتا تھا تاکہ جو وحی نازل ہو وہ ساتھ کی ساتھ لکھی جائے) ساتھ ہی آپ نے سُراقہ کو مخاطب کر کے کہا اے سُراقہ میں تو تمہارے ہاتھ میں کسریٰ کے سونے کے کنگن دیکھتا ہوں۔ یہ کشفی نظارہ جو بیس سال بعد کی ایک خبر بتا رہا تھا ان حالات میں خیالات انسانی سے بالاتر ہے وہ شخص جو نہایت بیکسی کی حالت میں عرب کے معمولی چند دشمنوں کے ہاتھ سے چھپ کر شہر چھوڑ کر بھاگا ہے اور جسے ابھی چاروں طرف خطرہ لگا ہوا ہے کہ کوئی دشمن پہنچ جائے اس بیکسی کی حالت میں کسریٰ کی سلطنت کے مالک ہو جانے کی خوشخبری پاتا ہے۔ وہ لفظ جو اس بھاگنے والے کے منہ سے اس حالت میں نکلا۔ آخر وہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں پورا ہوا جب حضرت عمرؓ نے ایران کے مال غنیمت کے آنے پر سُراقہ کو بلایا اور کسریٰ کے کنگن اس کے ہاتھ میں پہنائے اس نظارہ کے دیکھنے والوں کے دلوں پر اس واقعہ سے اللہ تعالیٰ کی عجیب قدرت پر کیسا ایمان پیدا ہوا ہوگا۔

ان تسلیوں میں جو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا کی طرف سے ملتی رہتی تھیں۔ اور جو آپ کی حیرت انگیز ثابت قدمی میں آپ کی معاون ہوتی تھیں وہ وحی بھی ہے جو آپ کو اس سفر ہجرت میں ہوئی اِنَّ الَّذِی فَرَضَ عَلَیْکَ الْقُرْاٰنَ لَرَآدُّکَ اِلٰی مَعَادٍ وہ جس نے تم پر قرآن فرض کیا ہے یقیناً یقیناً تم کو مکہ میں لوٹا کر لائے گا۔ یہاں لفظ مَعَاد اختیار کیا ہے جس کے معنی ہیں لوٹ کر آنے کی جگہ۔ حضرت ابن عباس نے یہاں اس کے معنی مکہ کئے ہیں۔ اور اہل لغت نے اس کی صحت کو تسلیم کیا ہے کیونکہ نہ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ وعدہ تھا کہ آپ کو لوٹا کر اس جگہ لایا جائے گا بلکہ مکہ اس لحاظ سے بھی مَعَاد کہلاتا ہے

کہ حاجی وہاں لوٹ لوٹ کر آتے ہیں۔ اس کے علاوہ اس سے پیشتر بھی آپ کو بار بار اطلاع دی گئی تھی کہ آپ کو مکہ سے ہجرت کرنی ہوگی اور اسلام کی اصل کامیابی کا زمانہ کسی دوسرے مرکز سے شروع ہوگا۔ قرآن شریف ان پیشگوئیوں سے بھرا پڑا ہے اور عین اس وقت جب ایک طرف کفار کی مخالفت زوروں پر تھی۔ اور نبی کریم صلعم پر نہایت بیکسی کا زمانہ تھا۔ کفار کو یہ چیلنج دیا جاتا تھا کہ تم جتنا زور مخالفت میں چاہو لگا لو دین اسلام کا تم کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ پچھلے انبیاء کی مخالفت اور اس مخالفت کی ناکامی کے تذکرے زیادہ تفصیل کے ساتھ اسی زمانہ میں نازل ہوئے۔ ان میں بھی نبی کریم صلعم کو تسلی دینا مقصود تھا کہ آپ کے مخالف آخر کار ناکام ہوں گے۔ ہجرت سے پیشتر آپ نے یہ خواب دیکھا کہ آپ نے ایک ایسے مقام میں ہجرت کی ہے جو نہایت سرسبز ہے۔ آپ نے اسے یمامہ خیال کیا۔ مگر وہ مدینہ نکلا +

اسلامی تاریخ میں سنہ اسلامی کی ابتدا بعثت نبوی سے نہیں بلکہ ہجرت نبوی سے لی گئی ہے گویا ہجرت کو ہی اسلام کی پیدایش کا زمانہ قرار دیا گیا ہے صحابہؓ کی باریک نظر اس بات تک پہنچی ہوئی تھی کہ ہجرت کے ساتھ ہی اسلام کی اصل کامیابیاں وابستہ ہیں۔ ہجرت میں ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیکسی کی حالت انتہا کو پہنچی۔ اسی لئے دین اسلام کی کامیابی اور اس کے ساتھ نصرت الٰہی کے ہونے کی اس واقعہ کو دلیل ٹھہرایا گیا۔ جیسا کہ آیت مندرجہ عنوان میں فرمایا کہ اگر تم اس کی نصرت نہ کرو تو اللہ نے اس کی نصرت اس انتہائی بیکسی کے وقت کی جب کافروں کے ظلم کی وجہ سے آپ کو مکہ سے نکلنا پڑا۔ اور صرف ایک ہی آپ کا رفیق تھا۔ ان دونوں کو بھی دشمن سے بچنے کے لئے ایک غار میں پناہ لینی پڑی مگر وہاں بھی وہ محفوظ نہ رہے بلکہ تعاقب کرنے والے اس غار کے منہ پر پہنچ گئے اور آپ کے ساتھی کو فکر ہوا کہ اب ہم پکڑے جائیں گے۔ اس

وقت آپ نے اپنے ساتھی کو تشفی دی کہ اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ غم نہ کرو۔ یہ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا کی آواز درحقیقت ہر وقت آپ کے دل سے نکلتی تھی۔ اور یہی وجہ تھی کہ آپ نے کسی سخت سے سخت مصیبت کے وقت کوئی یا یوسی کا کلمہ منہ سے نہیں نکالا۔ ایک نبی حد درجہ کے مصائب کو دیکھ کر نا اُمید ہو کر کہتا ہے کہ میں بھی اپنے باپ دادا کے ساتھ جا ملوں ایک اور جب بیکسی کی حالت کو پہنچتا ہے تو اِیْلِی اِیْلِی لِمَا سَبَقْتَانِی کی آواز بلند کرتا ہے یعنی اے میرے خدا اے میرے خدا تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا۔ مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ سے انتہائی بیکسی کے وقت اگر کوئی آواز نکلتی ہے تو وہ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا کی آواز ہے +

مکہ میں تیرہ سال میں آپ نے خطرناک مخالفتوں کے اندر کیا کام کیا؟ تین سو کے قریب وہ انسان آپ کی قوت قدسی سے پیدا ہو گئے۔ جنہوں نے خطرناک اذیتیں اُٹھا کر آپ کا ساتھ دیا۔ گھر بار چھوڑ دیئے۔ جائدادیں چھوڑ دیں مگر آپ کا ساتھ نہ چھوڑا۔ بہتیرے ایسے تھے کہ دل سے صداقت اسلام کے قائل تھے مگر بوجہ کمزوری کے ظاہر طور پر [illegible] نہ ہو سکتے تھے۔ اس تبدیلی پر جو تیرہ سال میں آپ نے پیدا کر دی۔ اور ساری قوم کی مخالفت کے باوجود کر دی ایک دشمن کے منہ سے یہ کلمات بیج نکلتے ہیں۔ یعنی سر ولیم میور لکھتا ہے:-

"ایسے تھوڑے عرصہ میں مکہ اس عجیب تحریک کے دو ٹکڑوں میں تقسیم ہو گیا جو قوم اور قبیلہ کے پرانے امتیازات کو بھلا کر ایک دوسرے کے خطرناک مخالف ہو گئے۔ مومنین نے صبر اور استقلال کے ساتھ تمام تکلیفوں کو برداشت کیا..... ایک سو مرد و عورت بجائے اس کے کہ اپنے قیمتی ایمان کو چھوڑیں گھر بار چھوڑ گئے اور ملک حبش میں جلاوطن ہو گئے یہانتک کہ مخالفت کا طوفان دب جائے اور اب اس سے بھی زیادہ آنحضرتؐ سمیت اس شہر سے بھاگ رہے تھے جس کے ساتھ انکو نہایت درجہ کی محبت تھی اور جہاں وہ پاک گھر تھا جس کو وہ دنیا کی سب چیزوں سے زیادہ محبوب سمجھتے تھے۔

مدینہ [illegible] وہاں اسی عجیب کشش نے دو تین سال کے عرصہ کے اندر ایک ایسا سلسلہ اخوت پیدا کر دیا تھا جو آنحضرت اور آپ کے صحابہ کی حفاظت اپنے خون سے کرنے کے لئے تیار تھا۔ یہودی صداقت مدت سے اہل مدینہ کے کانوں میں گونجتی تھی۔ مگر وہ اس وقت تک اپنے خواب سے بیدار نہیں ہوئے جبتک کہ نبی عربی کی رُوح ہلا دینے والی آواز ان کے کان میں نہیں پہنچی اور اس آواز سے ایک نئی اور سنجیدہ زندگی ان کے اندر پیدا ہو گئی +

"آپ کے صحابہ کی نیکیاں محمد صلعم کے اپنے الفاظ میں یوں بیان ہو سکتی ہیں +

" اور رحمان کے بندے وہ ہیں جو زمین پر فروتنی سے چلتے ہیں۔ اور جب جاہل ان کو خطاب کرتے ہیں تو کہتے ہیں سلامتی ہو۔ اور وہ جو خدا کے حضور سجدہ کرتے ہوئے اور کھڑے ہو کر رات کاٹتے ہیں +

"اور وہ جو کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہم سے عذاب جہنم پھیر دے۔ کیونکہ اس کا عذاب ایسا چمٹ جانے والا ہے جس سے مخلصی نہیں ملتی وہ بڑی قرار کی جگہ اور بُرا مقام ہے +

"اور وہ جو جب خرچ کرتے ہیں نہ فضول خرچی کرتے ہیں اور بخل کرتے ہیں اور درمیانی راہ اختیار کرتے ہیں

"اور وہ جو خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتے اور نہ اس جان کو قتل کرتے ہیں جسے اللہ نے منع کیا ہے مگر حق کے ساتھ۔ اور زنا نہیں کرتے +

"اور وہ جو جھوٹ کے پاس نہیں جاتے اور جب لغو کے پاس سے گزرتے ہیں تو بزرگانہ طور پر گزرتے ہیں +

"اور وہ جن کو جب ان کے رب کے احکام یاد دلائے جاتے ہیں بہرے اور اندھے ہو کر نہیں گر جاتے +

"اور وہ جو کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہم کو ہماری بیبیوں اور ہماری نسل

سے ایسے عطا فرما جو آنکھوں کی ٹھنڈک ہوں ۔ اور ہمیں متقیوں کا امام بنا ؛؛

فی الحقیقت یہ اور اس قسم کی سینکڑوں آیات جن میں نیک لوگوں کا نقشہ کھینچا ہے وہ کوئی فرضی نقشہ نہیں بلکہ وہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا نقشہ ہے ۔ اور ایک انسان کی قوت قدسی نے تمام تر مخالفتوں کے اندر یہ کام کیا کہ ایک تھوڑے سے عرصہ میں سینکڑوں انسانوں کو (کیونکہ مکہ کے علاوہ مدینہ میں بھی بہت سے مسلمان ہو چکے تھے اور اور بھی اطراف عرب میں بعض مقامات پر اسلام کے نام لیوا پیدا ہو گئے تھے) ذلیل ترین بت پرستی کی حالت سے نکال کر اور گندے رسم و رواج سے الگ کر کے اعلیٰ درجہ کی نیکیوں کے مقام پر کھڑا کر دیا تھا ۔ اور ان کے اندر اس قسم کا احساس اور ایسی بیداری پیدا کر دی کہ جس اصول پر ایک مرتبہ سوچ سمجھ کر قائم ہو گئے اور جس میں اپنی اور مخلوق خدا کی بھلائی سمجھی اس کو پھر چھوڑا نہیں چاہے مشکلوں کے پہاڑ بھی سامنے آ گئے ہوں ۔ اس سے بڑھ کر نسل انسانی کا محسن کون ہو سکتا ہے جو اپنے ہمجنسوں کے اندر اتنی خوبیوں کے ساتھ یہ ذمہ داری کا احساس پیدا کر دے ؛

چودھواں باب

نئے دور کا آغاز

یعنی

مدینہ کے ابتدائی ایام

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَھَاجَرُوْا وَجَاھَدُوْا بِاَمْوَالِہِمْ وَاَنْفُسِہِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَالَّذِیْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِکَ بَعْضُہُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ (الانفال ۷۲)

آنحضرت صلعم اور حضرت ابوبکرؓ اپنے دونوں ساتھیوں سمیت گیارہ دن کا سفر آٹھ دن میں طے کر کے ۱۲ ربیع الاول بعثت نبوی کے تیرھویں سال میں مدینہ پہنچے۔ آپ کے مکہ سے نکلنے کی خبر مدینہ میں پہنچ چکی تھی مگر تین دن تک آپ کا غار ثور میں رہنا کسی کو معلوم نہ تھا اس لئے اس وقت مدینہ میں لوگ بڑے شوق سے انتظار کی گھڑیاں گن رہے تھے۔ صبح ہوتے بعض عشاق آگے رستہ پر دور دور نکل جاتے۔ آخر انتظار کی گھڑیاں پوری ہوئیں۔ اور آفتاب رسالت اُفق مدینہ پر جا نکلا۔ خاص شہر سے تین میل کے فاصلہ پر بیرونی آبادی ہے جو قُبا کے نام سے موسوم ہے۔ اور عوالی مدینہ کہلاتی ہے یہاں انصار کے کئی خاندان آباد تھے۔ ان میں عمروؔ بن عوف کا خاندان بہت ممتاز تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شہر میں داخل ہونے سے پیشتر انہی کی مہمانی قبول کی اور قُبا میں ٹھہر گئے کئی مہاجرین بھی یہیں ٹھہرے ہوئے تھے۔ مدینہ میں جو مسلمان تھے وہ بھی جوق در جوق زیارت کے لئے جمع ہو گئے۔ چودہ دن تک آپ نے یہاں

قیام فرمایا۔ حضرت علیؓ بھی یہیں آپ کے ساتھ آملے اور یہاں مسجد قبا بنائی گئی یہ سب سے پہلی مسجد ہے جو اسلام میں بنائی گئی اور اس کا ذکر قرآن شریف میں سورہ توبہ میں آیا ہے لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى اس کی تعمیر میں آپؐ خود اور صحابہؓ سب مزدوروں کی طرح کام کرتے تھے۔ اس کے بعد آپ خاص شہر میں داخل ہوئے۔ شہر میں اس دن گویا عید تھی۔ لوگ سج دھج کر نکلے عورتیں کوٹھوں پر چڑھ کر خوشی کے گیت گاتی تھیں :۔

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَيْنَا مِنْ ثَنِيَّاتِ الْوَدَاعِ

وَجَبَ الشُّكْرُ عَلَيْنَا مَا دَعَا لِلّٰهِ دَاعِ

ہر ایک انصاری چاہتا تھا کہ اس کا جان و مال آپ پر فدا ہو اور آپؐ اسی کے ہاں قیام فرمائیں۔ آپ نے اپنی اونٹنی کو چھوڑ دیا۔ کہ جہاں بیٹھ جائے وہی جگہ آپ کے اُترنے کی ہوگی۔ حضرت ابو ایوبؓ کے گھر کے سامنے اونٹنی آٹھہری۔ یہاں ایک ویران سی جگہ تھی جو دو یتیموں کی تھی۔ اس کے ایک حصہ میں اونٹ بندھتے تھے ایک طرف کچھ قبریں تھیں۔ کچھ درخت اور جھاڑیاں تھیں۔ انہوں نے چاہا کہ یہ زمین مسجد نبوی کے لئے مفت دی جائے مگر آپ نے پسند نہ کیا۔ قیمتاً زمین خریدی گئی اور سب سے پہلا کام یہ ہوا کہ مسجد یہاں بنائی گئی۔ اس مسجد کی تعمیر میں جو مزدور اور معمار لگے وہ خود سرورِ عالم اور اُن مقدس انسانوں کا گروہ تھا جو اپنا سب کچھ خدا کے لئے کر چکے تھے۔ پتھر اُٹھاتے اور اس محنت کو اپنی روح کی غذا سمجھتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ساتھ یہ پڑھتے جاتے اَللّٰهُمَّ لَا خَيْرَ اِلَّا خَيْرُ الْاٰخِرَةِ فَانْصُرِ الْاَنْصَارَ وَالْمُهَاجِرَةَ۔ اے خدا آخرت کی بھلائی ہی اصلی بھلائی ہے تو انصار اور مہاجرین کی حفاظت فرما۔ مسجد کیا تھی سادگی کا ایک کامل نمونہ تھا۔ کچی دیواریں کھجور کے ستون کھجور کی شاخوں اور پتوں کی چھت کچا فرش۔ جب

بارش ہوتی تو پانی اندر گر کر کیچڑ ہو جاتا۔ اس تکلیف کے دور کرنے کے لئے بعد میں سنگریزے بچھا دیئے گئے۔ مسجد کے ایک سرے پر ایک چھتا ہوا چبوترہ تھا۔ یہاں وہ لوگ رہتے جو اپنا گھر بار نہ رکھتے تھے اور اصحاب صُفّہ کے نام سے مشہور تھے۔ یہ گویا مسجد کے ساتھ درسگاہ کی بنیاد تھی کیونکہ یہ لوگ اپنا وقت تعلیم دین پر ہی صرف کرتے تھے اسی مسجد کے ساتھ ملتے ہوئے دو حُجرے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیبیوں کے لئے بنائے گئے بعد میں جب اور ازواج مُطہّرات سے آپ نے نکاح کیا تو اور حُجرے بنتے گئے ان سب کے دروازے مسجد میں کُھلتے تھے۔

مکہ معظّمہ میں تو کھلے طور پر نماز باجماعت نہیں ہو سکتی تھی۔ اب مدینہ میں امن ملا۔ تو لوگوں کو نماز کے اوقات پر بلانے کے لئے مختلف تجاویز پر غور ہوا۔ اسی رات کو حضرت عمرؓ نے خواب میں دیکھا کوئی شخص یہ کلمات دوہرا رہا ہے۔ اَللّٰہُ اَکْبَرْ اَللّٰہُ اَکْبَرْ یعنی اذان اور اقامت کے پورے کلمات۔ آپ نے صبح سویرے یہ خواب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سُنایا آپ نے فرمایا یہی نماز کے لئے بُلانے کو ہماری اذان ہے۔ ایک اور صحابی نے بھی بعینہٖ یہی رؤیا دیکھا جمعہ کی ابتدا بھی مدینہ میں ہوئی اور سب سے پہلا جمعہ جو آپ نے پڑھا وہ وہ دن تھا جب آپ قُبا سے نکل کر شہر کی طرف آئے۔

نماز کے انتظام کے بعد دوسری ضرورت مہاجرین کا انتظام کرنا تھا کہ تاجب تک اللہ تعالیٰ ان کے لئے کوئی سہولت کی راہ کھولے انکی رہایش وغیرہ کا ٹھیک انتظام ہو جائے۔ اُن میں سے اکثر لوگ گو صاحب مال تھے مگر چونکہ مکہ سے انکو چھپ کر بھاگنا پڑا اس لئے اموال و جائدادیں وہیں چھوڑنی پڑیں۔ آپنے ان کی تکالیف کا یہ علاج کیا کہ ایک ایک مہاجر اور ایک ایک انصاری میں مواخاۃ قائم

کردی یعنی دو دو کو بھائی بھائی بنا دیا۔ یہ عقد اخوت جس ہمدردی اور محبت کی روح کا نتیجہ تھا ویسی ہی ہمدردی اور محبت انصار نے فی الواقع اپنے مہاجر بھائیوں سے کرکے دکھائی جس کو جس کا بھائی بنایا گیا اس نے اپنے ساتھی کو گھر لے جا کر ایک ایک چیز کا نصف کر دیا اور اپنا نصف مکان رہائش کے لئے بھی دے دیا۔ ایک انصاری کی دو بیبیاں تھیں۔ اور جس مہاجر کو اس کا بھائی بنایا گیا اس کے ہاں کوئی بی بی نہ تھی انصاری نے کہا میں ایک بی بی کو جسے تم پسند کرو طلاق دیتا ہوں تم اس سے نکاح کر لو۔ مگر انہوں نے ان کی اس قدر ہمدردی کا شکریہ ادا کرتے ہوئے اس سے انکار کیا۔ انصار نے یہ بھی چاہا کہ مہاجرین کو اپنی نصف نصف کھیتیاں دے دیں کیونکہ انصار اکثر زراعت کا کام کرتے تھے۔ مگر مہاجرین چونکہ تجارت پیشہ لوگ تھے اس لئے رسول اللہ صلعم نے اس سے روکا۔ تب انصار نے یہ فیصلہ کیا کہ محنت اور کاروبار کھیتی کا خود کریں اور نصف پیدا وار اپنے مہاجر بھائیوں کو دے دیں۔ یہ عقد اخوت یہاں تک مضبوط ہوا کہ حقیقی رشتہ داری بھی پیچھے رہ گئی۔ اور جب ایک ان دو بھائیوں میں سے فوت ہو جاتا تو دوسرا اس کی جائداد کا وارث ہو جاتا۔ مگر اس کو قرآن کریم نے بعد میں روک دیا جب فرمایا وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ یعنی تعلقات قرابت والے بعض بعض سے زیادہ قریب ہیں اس لئے ورثہ انہی کو ملیگا۔ مہاجرین بھی ایسے نہ تھے کہ اپنے بھائیوں کے سر پر بوجھ بن کر بیٹھ جاتے کہ کھانے کو تو ماتا ہے حضرت عبد الرحمٰن بن عوف کو جب سعد بن الربیع نے ہر ایک چیز کا نصف دینا چاہا تو انہوں نے اس ہمدردی کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا مجھے بازار کا رستہ بتا دو چنانچہ تھوڑے ہی دنوں میں تجارت کرکے انھوں نے اچھا مال پیدا کر لیا۔ اور مہاجرین نے بھی کاروبار تجارت شروع کر دیا بعض ایسے بھی تھے کہ ان کو اور کوئی کام نہ ملتا تھا تو بازار میں بوجھ ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانے کا کام کرکے کچھ کماتے اور

کچھ اس میں سے خود کھاتے کچھ قومی بیت المال میں داخل کرتے تاکہ مسلمانوں کی بہبودی پر صرف ہو۔ کاش یہ روح آج بھی مسلمانوں میں ہو کہ محنت سے دل نہ چرائیں اور پھر جو کچھ محنت سے کمائیں اس کا ایک حصہ اگر اپنے اوپر اور اپنے اہل و عیال پر صرف کریں تو لازماً ایک حصہ خدا کی راہ میں اپنی قوم کی بھلائی کے لئے صرف کریں سنہ ۴ ہجری میں جب بنو نضیر جلاوطن ہوئے اور ان کی زمینیں مسلمانوں کے قبضہ میں آئیں۔ تو اس وقت مہاجرین کی تکلیف کو دور کرنے کے لئے ان زمینوں کو انہی کو دینا تجویز کیا گیا۔ انصار نے نہایت خوشی سے اس تجویز کو قبول کیا۔ بلکہ یہاں تک شرح صدر دکھائی کہ بارگاہ نبوی میں عرض کیا کہ یہ زمینیں بھی مہاجرین کو دے دی جائیں اور ہمارے نخلستانوں میں بھی وہ حصہ دار رہیں۔ بعض مہاجرین کو انصار نے سکونت کے مکان بنانے کے لئے پہلے سے اپنی زمین دے دی تھی۔ تجارت کی برکت سے تھوڑے دنوں میں ہی مسلمان مہاجرین پر اللہ تعالیٰ نے اس قدر کشائش کی کہ لکھا ہے کہ بعض صحابہ کا اسباب تجارت سات سات سو اونٹوں پر لد کر آتا تھا ایک وقت تنگی اور تکلیف کا وہ بھی تھا کہ ایک مہمان رسول اللہ صلعم کے پاس آ گیا تو آپ نے اپنے گھر میں کچھ کھانے کو نہ پا کر صحابہ سے کہا کہ کوئی اس کو اپنا مہمان بنائے ابو طلحہ مہمان بنا کر لے گئے تو معلوم ہوا صرف اس قدر کھانا ہے کہ بچوں کا پیٹ بھر سکتا ہے۔ آخر چراغ بجھا کر ابو طلحہ اور ان کی بیوی خالی منہ ہلاتے رہے اور مہمان کا پیٹ بھرا اور ایک وقت وہ بھی آیا کہ اللہ تعالیٰ نے تجارت کی برکت سے مسلمانوں کو نہایت آسودہ حال کر دیا۔ نہ پہلی حالت میں جو افلاس کی حالت تھی وہ کوئی شکایت کا حرف زبان پر لائے نہ دوسری حالت میں جب اکثر گھروں میں آسودگی آ گئی انہوں نے خدا کے دیئے ہوئے مال کو ضائع کیا بلکہ جو ان میں سے آسودہ حال تھے وہ غربا کی پوری خبر گیری کرتے اور بالخصوص اصحاب صُفّہ کی جو سارا دن بارگاہ نبوی میں

تعلیم دین کے لئے حاضر رہتے اور رات کو عبادت کرتے انہی میں سے وہ گروہ معلمین دین کا پیدا ہوا جنہوں نے مختلف قوموں اور قبیلوں کو جا کر دین اسلام سکھایا اور انہی میں سے ایک درخشندہ گوہر حضرت ابوہریرہ ہیں۔ جنہوں نے حدیث نبوی کے وسیع ذخیرہ کا بیشتر حصہ ہم تک پہنچایا ہے۔ ان لوگوں کی چونکہ کوئی صورت معاش نہ تھی اس لئے آسودہ حال صحابہ ان کو اپنے گھروں میں کھانے کے لئے لے جاتے۔ چنانچہ لکھا ہے کہ حضرت سعد بن عُبادہ بعض وقت اسّی اسّی مہمانوں کو اپنے گھر لے جاتے تھے +

تیسری بڑی ضرورت جس کی طرف مدینہ میں آتے ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے توجہ فرمائی۔ مدینہ کی مختلف قوموں میں ایک اتحاد پیدا کرنا تھا۔ یہودی یہاں ایک بڑی طاقتور قوم تھی۔ اور یہ لوگ اَوس اور خَزرَج کی باہمی جنگوں میں حلیف بنکر شامل ہوتے تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اصل میں یہ لوگ عربی النسل تھے۔ یہودی مذہب اختیار کر کے یہ علیحدہ قوم بن گئے۔ مدینہ میں ان کے تین قبیلے تھے۔ بنُو قَینُقاع۔ بنُو نَضِیر۔ بنُو قُرَیظہ۔ دوسری قوم وہاں اَوس اور خَزرَج کے دو قبیلے تھے۔ جن میں باہم ہمیشہ جنگ رہتی تھی۔ یہودیوں کے دو بڑے قبیلوں میں سے بنو قُرَیظہ جنگوں میں اَوس کے حلیف ہوتے تھے۔ اور بنُو نَضِیر خَزرَج کے اب خَزرَج اور اَوس کا بیشتر حصہ مسلمان ہو گیا۔ اور ان میں سے جو مشرک رہ گئے وہ بہت تھوڑے تھے۔ اس لئے نبی کریم صلعم نے مسلمانوں اور یہود میں ایک معاہدہ کی بنیاد ڈالی جس پر یہود بھی راضی ہو گئے اس معاہدہ کی بڑی بڑی شرطیں یہ تھیں۔ کہ

اوّل۔ مسلمان اور یہودی دونوں ایک قوم کے حکم میں ہونگے +

دوئم۔ دونوں فریق اپنے اپنے دین پر رہیں گے۔ کوئی فریق دوسرے سے تعرض نہ کرے گا +

سویم۔ دونوں میں سے کسی فریق کو جنگ پیش آئے گی تو ایک فریق دوسرے کی اگر وہ مظلوم ہو مدد کرے گا +

چہارم۔ مدینہ پر حملہ ہو تو دونوں فریق مل کر اس کا دفعیہ کرینگے +

پنجم۔ جب صلح کریں گے تو دونوں فریق صلح کرینگے +

ششم۔ مدینہ دونوں معاہدین کے لئے حرمت کا مقام ہو گا یعنی اس کے اندر خونریزی وغیرہ نہ ہو گی +

ہفتم۔ آخری فیصلہ تنازعات کا آنحضرت صلعم کریں گے +

یہود نے کس طرح ان معاہدات کو توڑا؟ اس کا ذکر آگے آئیگا +

پندرھواں باب

جنگ بدر

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ (آل عمران ۱۲۲)

مدینہ میں آکر مسلمانوں کو مذہبی آزادی مل گئی۔ مسجدیں بن گئیں۔ اذان ہونے لگی۔ اور کوئی چھیڑ چھاڑ کرنے والا نہ رہا۔ مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ اب اسلام کے دشمن کوئی باقی نہیں رہے تھے۔ اگر ایک طرف مدینہ کے اندر مذہبی آزادی حاصل تھی تو دوسری طرف اسلام کے دشمن جوش میں اور تعداد میں پہلے سے زیادہ ہو گئے تھے۔ جب مسلمانوں نے حبش میں ہجرت کی تو اس وقت بھی کفار نے ان کا تعاقب کرکے اور آخر نجاشی کے پاس وفد بھیجکر ان کو تباہ کرنے کا پورا تہیہ کیا تھا۔ اب جب خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کو ایک دوسرے مقام میں امن کی جگہ مل گئی تو قریش اس کو کس طرح اطمینان کی نظر سے دیکھ سکتے تھے۔ عبداللہ بن اُبیّ مدینہ میں ایک شخص تھا جسے آنحضرت صلعم کی تشریف آوری سے پہلے اہل مدینہ اپنا بادشاہ بنانے کو تیار تھے۔ آپ کی تشریف آوری پر اس شخص نے مخالفانہ رویہ اختیار کیا قریش نے اس کو لکھا کہ تم محمد صلعم کو مدینہ سے نکال دو۔ مگر چونکہ اس کی اپنی قوم کے لوگ بڑی تعداد میں مسلمان ہو چکے تھے۔ اس لئے ایسا کرنے میں اسے خود خانہ جنگی کی صورت نظر آتی تھی۔ جب ادھر سے کامیابی نہ ہوئی تو قریش نے ان قبایل کو جو مکّہ اور مدینہ کے درمیان تھے۔ اسلام کے خلاف اُکسانا شروع کیا۔ اول قریش کا ذاتی اثر بہت تھا کیونکہ خانہ کعبہ کے متولی ہونے کی وجہ سے عرب کی تمام قومیں ان کی عزت کرتی تھیں۔ دوسرے اسلام کی طاقت ابھی نہایت کمزور تھی

اور اس کی مخالفت سارے عرب میں یکساں تھی اس لئے ان قبائل کا قریش کے زیر اثر آجانا معمولی بات تھی۔ قریش جب اس میں کامیاب ہو گئے تو اب مسلمانوں کو اپنی حفاظت کا سخت فکر ہو گیا۔ کیونکہ مدینہ کو چھوڑ کر چاروں طرف دشمن ہی دشمن تھے اور خود مدینہ میں بھی مخالفت اندر ہی اندر موجود تھی گو ظاہر میں دبی ہوئی تھی۔ عبداللہ بن اُبَیّ کا رویہ نہایت مشتبہ تھا۔ یہودیوں پر باوجود معاہدہ کے کوئی اعتبار نہ ہو سکتا تھا۔

قریش کے چھوٹے چھوٹے دستے باہر نکلتے تھے۔ حتّٰی کہ ایک مرتبہ مدینہ کی چراگاہ پر حملہ آور ہو کر اونٹ لے گئے۔ اِدھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی حکم ہو چکا تھا کہ اب چونکہ دشمن نے اسلام کو نیست و نابود کرنے کے لئے تلوار اٹھالی ہے اس لئے آپ بھی اب مدافعت میں تلوار اٹھا سکتے ہیں۔ چنانچہ قرآن شریف کے الفاظ یہ ہیں اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّھُمْ ظُلِمُوْا ان لوگوں کو مدافعت کی اجازت دی جاتی ہے جن کے ساتھ جنگ کی جاتی ہے اس لئے کہ ان پر ظلم کیا گیا۔ اور دوسری جگہ ہے وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَکُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا اللہ کی راہ میں ان لوگوں کے ساتھ جنگ کرو جو تمہارے ساتھ جنگ کرتے ہیں اور زیادتی مت کرو یعنی پہل نہ کرو۔ پس جب دشمن نے جنگ کی تیاری شروع کر دی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حفاظت خود اختیاری کے طور پر بعض احتیاطیں ضروری معلوم ہوئیں۔ اس حالت میں سب سے پہلے یہ ضروری تھا کہ ارد گرد کے حالات کی خبر رکھی جائے۔ اور نیز مدینہ کے قرب و جوار کے قبائل کے ساتھ صلح کی بنیاد ڈالی جائے۔ اس بنا پر آپ نے مختلف اوقات میں چھوٹی چھوٹی جماعتیں اطراف میں بھیجنی شروع کیں۔ ایک اس لئے کہ دشمن کے حالات سے خبر رکھیں۔ دوسرے اس لئے کہ دشمن کو یہ معلوم رہے کہ مسلمان بے خبر نہیں۔ اور تیسرے اس لئے کہ بعض قبیلوں کو غیر جانبدار رکھنے کی

کوشش کی جائے یا ان سے معاہدہ ہو جائے اور اس طرح پر دشمن کو حملے کی جرأت نہ ہو۔ اور ایک غرض یہ بھی تھی۔ کہ قریش کو اس بات کا خیال رہے کہ اگر انہوں نے مسلمانوں سے چھیڑ چھاڑ کی تو ان کی شام کی تجارت جس پر ان کی دولتمندی کا دارومدار تھا رک جائے گی۔ اور یہ وہ بات تھی کہ جس کی دھمکی انصار مدینہ نے قریش کو پہلے بھی دی تھی۔ چنانچہ جب سَعد بن مَعاذ کو حج کرنے گئے تھے۔ ابوجہل نے کہا کہ چونکہ تم نے محمد صلعم کو اپنے ہاں پناہ دی ہے اگر تم فلاں شخص کی حفاظت میں نہ ہوتے تو یہاں سے زندہ بچ کر نہ جاتے تب سَعدؓ نے کہا کہ اگر تم نے ہم کو حج سے روکا تو ہم تمہارا مدینہ کا راستہ روک دینگے۔ مگر باوجود اس کے کہ یہ چھوٹی چھوٹی جماعتیں باہر بھیجی جاتی تھیں ان کو حکم یہی ہوتا تھا کہ وہ جنگ نہ کریں +

چنانچہ ان مہموں کا یہ اثر ہوا کہ مدینہ کے آس پاس کے کئی قبائل نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ معاہدہ کرلیا۔ حالانکہ یہ سب مشرک تھے۔ ان میں سے ایک معاہدہ کے الفاظ حسب ذیل ہیں اور انہی سے پتہ لگتا ہے کہ یہ معاہدات کس رنگ کے تھے۔ "یہ محمد رسول اللہ صلعم کی تحریر ہے بَنُو حَمزَہ کے لئے ان لوگوں کی جان اور مال محفوظ رہے گا۔ اور جو شخص ان پر حملہ کرے گا اس کے مقابلہ میں ان کی مدد کی جائے گی بجز اس صورت کے کہ یہ لوگ مذہب کے مقابلہ میں لڑیں اور پیغمبر جب ان کو مدد کے لئے بلائیں گے تو یہ مدد کو آئیں گے" پس یہ معاہدات سب حفاظت کے لئے تھے۔ اور قریش کے حملہ سے بچاؤ کے لئے۔ انہی واقعات میں سے ایک وہ واقعہ ہے جس سے کفار میں اشتعال پیدا ہو کر جنگ بدر کی بنیاد پڑی۔

اور وہ واقعہ یہ ہے کہ جمادی الثانی ۲ سنہ ہجری کے آخر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن جَحش کو کچھ آدمیوں کے ساتھ بھیجا اور ایک خط دیا جس کے متعلق ہدایت یہ تھی کہ دو دن بعد کھولا جائے۔ چنانچہ جب وہ خط اپنے وقت پر کھولا گیا۔ تو اس میں

ہدایت تھی کہ نخلہ کے مقام پر پہنچکر قریش کے حالات کا پتہ لگایا جائے۔ یہ تو ظاہر ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خوب جانتے تھے کہ آپ میں اس قدر طاقت نہیں کہ قریش پر حملہ کر سکیں (بلکہ اس کے چھ سال بعد تک آپ قریش پر کوئی حملہ نہیں کر سکے ہمیشہ قریش چڑھ کر آتے اور مدینہ پر حملہ آور ہوتے) پس قریش کے حالات کی تحقیق سے منشاء صرف اپنے آپ کو ان کی نقل و حرکت سے آگاہ رکھنا تھا تا ایسا نہ ہو کہ بیخبری میں ہی وہ حملہ آور ہو کر مسلمانوں کو تباہ کر دیں۔ خدا نے آپ کو نبی بنایا اور اب ایک چھوٹی سی قوم کی حکومت بھی آپ کے سپرد کر دی آپ کا فرض تھا کہ اس جماعت کی جس کی حکومت آپ کے ہاتھ میں تھی دشمن سے پوری حفاظت کرتے اور ایک دور اندیش جرنیل کی طرح دشمن کی نقل و حرکت کی خبر رکھتے۔ نبی تو کچھ علمی سبق ہی سکھانے آتے ہیں پس آپ نے اپنی حکومت کی ذمہ داری کو ادا کر کے بتا دیا کہ قوم کے لیڈروں کو اپنی نہیں بلکہ قوم کی حفاظت کی کس قدر فکر ہونی چاہئے۔

غرض عبد اللہ بن جحش نے جب یہ خط کھولا اور اس کے مطابق نخلہ کے مقام پر وہ پہنچا۔ تو اتفاق سے اسے قریش کے چند آدمی نظر آئے جو مال تجارت ملک شام سے لا رہے تھے۔ جو کچھ ہدایات دی گئی تھیں اس میں ان سے تجاوز کر کے اس گروہ پر حملہ کیا۔ اور عبد اللہ بن حضرمی کو قتل کر دیا۔ اور دو کو گرفتار کر لیا۔ نبی کریم صلعم کو جب اس کی اطلاع ہوئی۔ تو آپ نے فرمایا کہ میں نے تم کو یہ اجازت نہیں دی تھی۔ اور بعض صحابہ نے بھی اس کو کہا کہ تم نے وہ کام کیا جس کا تم کو حکم نہیں دیا گیا تھا۔ قریش جو اس وقت تک مدینہ پر حملہ آور ہونے کے لئے بہانہ ہی تلاش کر رہے تھے اب ان کو وہ موقعہ ہاتھ آ گیا۔ اور ابن حضرمی کے قتل کی بنا پر انھوں نے عام لوگوں کو اکسایا۔ رجب کا مہینہ تو درمیان میں حرمت کا مہینہ تھا۔ شعبان کا مہینہ معلوم ہوتا ہے انہوں نے جنگ کی تیاری کے لئے لیا۔ اور ماہ رمضان

میں مدینہ پر حملہ آور ہوئے جس سے جنگ بدر پیش آئی۔ اگر قریش کی نیت مسلمانوں کو تباہ کرنے کی نہ ہوتی۔ تو ایسے قتل غلطی کے ساتھ عرب میں شب و روز واقع ہوتے تھے اور ان میں جیسا کہ آج بھی مہذب گورنمنٹوں میں قاعدہ ہے خونبہا طلب کیا جاتا تھا مگر ان کا ارادہ تو پہلے سے ہی کچھ اور تھا مسلمانوں کا مدینہ میں جاکر سرسبز ہونا اور آزادی سے زندگی بسر کرنا ان کو کہاں بھاتا تھا۔ عوام الناس کو اس جنگ کے لئے اٹھانا ایک مشکل کام تھا سو ان کے لئے ابن حضرمی کا قتل بہانہ ہو گیا اور سب سے پہلی جنگ جو جنگ بدر کے نام سے مشہور ہے پیش آئی +

اتفاق کی بات ہے کہ انہی دنوں میں قریش کا ایک تجارتی قافلہ ابوسفیان کی سرکردگی میں ملک شام سے واپس آرہا تھا۔ اس نے چلنے سے پہلے ایک قاصد مکہ دوڑایا کہ قافلہ کی حفاظت کا کچھ سامان ہو۔ لیکن قریش کو فی الواقع اس بات کی چنداں پروا نہ تھی۔ آخر وہیں سے یہ قافلہ تو پہلے ہی گزر گیا تھا۔ چنانچہ جنگ کی تیاری میں قافلہ کی حفاظت کا چرچا قریش میں قطعاً نہیں پایا جاتا صرف ابن حضرمی کے خون کے بدلہ پر جوش تھا بعض مدبرین قریش جیسے حکیم بن حزام نے جو بعد میں مسلمان ہوئے اور آنحضرت صلعم کے پرانے رفقا میں سے تھے قریش کو جنگ سے روکنا بھی چاہا مگر ابوجہل کے سامنے اُن کی پیش نہ گئی۔ اور ایک ہزار کا لشکر جرار ہر قسم کے سامان حرب سے مسلح ہو کر مدینہ کی طرف بڑھا۔ ادھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی خبر مل گئی کہ قریش اس طرح تیار ہو کر نکلے ہیں۔ آپ نے فوراً اصحابہ کو جمع کیا سب صحابہ نے اپنی جانیں حاضر کیں۔ انصار تو پہلے سے وعدہ کر چکے تھے کہ آنحضرت صلعم کی حفاظت اسی طرح کریں گے جس طرح اپنے بال بچوں کی کرتے ہیں۔ مگر میدان جنگ میں باہر نکلنا اور بات تھی اور مدینہ کے اندر رہ کر مدافعت کرنا اور بات۔ جب آنحضرتؐ نے انصار کی طرف دیکھا تو مقداد نے کہا کہ یارسول اللہ

ہم موسیٰ کی قوم کی طرح یہ نہیں کہیں گے کہ آپ اور آپ کا خدا جائیں اور جنگ کریں بلکہ آپ جہاں لے جائیں گے ہم آپ کی حفاظت کے لئے جنگ کریں گے مطلب یہ تھا کہ جب آپ کے نزدیک آگے بڑھ کر ہی دشمن کو روکنا ضروری ہے تو ہم حاضر ہیں۔ یا ایں جیسا کہ قرآن شریف سورہ انفال میں ذکر ہے اِنَّ فَرِیْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِیْنَ لَکَارِهُوْنَ۔ مسلمانوں میں سے کچھ لوگ اس کو بڑی مشقت سمجھتے تھے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ سمجھتے تھے کہ ہم کو موت کے منہ میں ڈالا جاتا ہے کیونکہ وہ دشمن کی طاقت اور اپنی کمزوری سے واقف تھے۔ بہرحال جس قدر آدمی میسر آسکتے تھے ان کو لیکر آپ نکلے۔ کچھ کم عمر بچے بھی تھے بعض کو آپ نے واپس بھی کر دیا مگر بعض نے شامل ہونے پر اصرار کیا۔ کل تعداد تین سو تیرہ تھی۔ سامان جنگ قریش کے مقابل میں کچھ بھی نہ تھا۔ مگر چونکہ اس موقعہ پر پیچھے ہٹنے سے اسلام ہی نیست و نابود ہو جاتا۔ اس لئے اللہ پر بھروسہ کرکے یہ چھوٹی سی جماعت اس سڑک کی طرف بڑھی۔ جو کہ مکہ معظمہ سے شام کو جاتی ہے جب مسلمانوں کی جمعیت مقام بدر پر پہنچی۔ جو ایک کنوئیں کی وجہ سے اس نام سے مشہور ہے تو قریش کی فوج وہاں پہلے سے موجود تھی۔ آپ نے بھی وہیں ڈیرے ڈال دیئے +

ابو سفیان کا قافلہ اصل راستہ سے سمندر کی طرف ہوتا ہوا ان دونوں فوجوں کے بدر پر پہنچنے سے پیشتر نکل چکا تھا۔ اب بھی بعض لوگوں نے ابو جہل کو مشورہ دیا کہ واپس جانا چاہیئے۔ مگر وہ چونکہ مسلمانوں کے نیست و نابود کرنے پر تُلا ہوا تھا کسی کی نہ مانی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اب بھی حملہ کے لئے پہل نہیں کی۔ علاوہ ازیں آپ کی جمعیت کی طاقت تعداد کے لحاظ سے قریش کی ایک تہائی تھی لیکن اس لحاظ سے کہ ایک طرف جنگ آزمودہ بہادر تھے۔ اور دوسری طرف چھوٹی عمر کے لڑکوں تک شامل کر لیئے گئے تھے۔ آنحضرت صلعم سخت متفکر تھے۔ آپ ایک

چھوٹی سی جھونپڑی کے اندر جو آپ کے لئے تیار کی گئی تھی زار زار رو رہے تھے اور بارگاہ الٰہی میں عرض کرتے تھے اَللّٰھُمَّ اِنْ تُہْلِكْ ھٰذِہِ الْعِصَابَةَ مِنْ اَھْلِ الْاِیْمَانِ الْیَوْمَ فَلَا تُعْبَدُ فِی الْاَرْضِ اَبَدًا۔ اے خدا اگر تو نے اس چھوٹی سی جماعت کو ہلاک کر دیا تو زمین میں تیری عبادت کرنے والا۔ توحید الٰہی کا پیغام پہنچانے والا کوئی نہ رہے گا۔ پھر آپ نے دو رکعت نماز پڑھی اور کچھ غنودگی طاری ہو کر آپ مسکراتے ہوئے جھونپڑی سے باہر نکلے اور قرآن کریم کی یہ آیت جو مدتوں پہلے کی نازل شدہ تھی آپ نے بلند آواز سے پڑھی سَیُهْزَمُ الْجَمْعُ وَیُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ۔ کفار کی فوج کو شکست ہوگی اور وہ پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے۔

دوسری طرف سے کفار کا لشکر آراستہ ہو کر نکلا۔ آنحضرت صلعم نے اپنی فوج کو حملہ کرنے سے روک دیا تھا کیونکہ آپ کو حکم یہی تھا کہ ابتدا کفار کریں تو کریں آپ نہ کریں۔ آخر لشکر کفار میں سے تین بہادر بڑھے اور اپنے مقابلہ کے لئے مسلمانوں میں سے اتنے ہی آدمی نکلنے کے لئے للکارے۔ عرب کی جنگوں میں قاعدہ تھا کہ پہلے کچھ بہادر دشمن کے بہادروں کے ساتھ اکیلے اکیلے نبرد آزمائی کرتے۔ چنانچہ مسلمان بہادر بھی بالمقابل نکلے۔ تینوں قریشی مسلمان بہادروں کے ہاتھ سے مارے گئے۔ کچھ اور ایسے ہی مقابلے ہو کر آخر جنگ عام ہوئی مسلمان اپنی جگہ پر جمے رہے۔ جب کفار ان کی طرف بڑھے تو انہوں نے جواب دیا۔ قدرت خداوندی کا نظارہ تھا۔ بڑے بڑے سرداران قریش جو اسلام کو تباہ کرنے پر تلے ہوتے تھے اور نبی کریم صلعم کی مخالفت پر سارا زور لگاتے رہے تھے میدان جنگ میں کٹ گئے ابوجہل دو انصاری نوجوانوں کے ہاتھ سے مارا گیا۔ کل ستر آدمی دشمن کی فوج میں سے مارے گئے۔ بڑے بڑے سرداران قریش کو مرتے دیکھ کر فوج کے قدم اکھڑ گئے۔ مسلمانوں نے تعاقب کیا اور ستر کے قریب آدمیوں کو گرفتار کیا۔ مسلمانوں میں سے

صرف چودہ شہید ہوئے *

جنگ بدر میں جو نظارہ قدرت خداوندی کا نظر آیا۔ ایسے نظارے دنیا میں عموماً نہیں دیکھے جاتے یہ تو بسا اوقات ہوتا ہے کہ ایک چھوٹی سی فوج جو اعلیٰ سامان جنگ ساتھ رکھتی ہو۔ جس کے سپاہی بہادری میں بڑھ کر ہوں جن میں نظم زیادہ ہو ایک بڑی فوج پر غالب آجائے جہاں یہ باتیں اس حد تک موجود نہ ہوں۔ مگر جنگ بدر کی ان دونوں جمعیتوں میں جو عجیب بات نظر آتی ہے وہ ہر قسم کی کمزوری کا ایک طرف ہونا اور ہر قسم کی طاقت کا دوسری طرف ہونا ہے۔ قریش کی جمعیت تعداد میں مسلمانوں سے تگنی ہے۔ میدان جنگ میں پہلے وہ پہنچے ہیں اور عمدہ مقام پر قبضہ کر لیا ہے ان کے اندر بڑے بڑے تجربہ کار بہادر ہیں جن کا پیشہ ہی مدت سے جنگ رہا ہے۔ سامان اور ہتھیار اس قدر ہیں کہ ہر ایک سپاہی زرہ پوش ہے۔ ایک سو سوار بھی ہیں۔ سات سو اونٹ ہیں۔ ایک مٹھی بھر جماعت کے تباہ کرنے کے لئے ان کے سینوں میں جوش ہے۔ بالمقابل مسلمانوں کو میدان جنگ میں اچھی جگہ نہیں ملی۔ تعداد میں ایک ہزار کے سامنے تین سو تیرہ ہیں اور ان میں وہ نوجوان بھی جن کی عمر ابھی جنگ کی نہیں۔ گھوڑے دو ہیں۔ اونٹ ستر ہیں۔ سامان جنگ مقابل میں گویا کچھ بھی نہیں۔ انصار جنگ میں قریش کے مقابل کے نہیں۔ مہاجرین میں زیادہ تر ضعفاء ہیں۔ جن کو اب تک کافی خوراک بھی میسر نہیں آسکتی تھی بکل طاقتیں ایک طرف جمع ہو گئیں۔ اور سب کمزوری دوسری طرف مگر ان کمزوروں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا طاقتور ہاتھ ہے۔ اور وہی طاقتور ہاتھ اپنی طاقت کا اظہار کرتا ہے اور ان افواج سے ان کمزوروں کی مدد کرتا ہے جن کو انسانی آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں قَدْ كَانَ لَكُمْ اٰيَةٌ فِيْ فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا۔ ہر ایک غور کرنے والے کیلئے اس میں بھیڑ میں نشان ہے *

میدان جنگ میں جو قیدی پکڑے گئے۔ ان کے ساتھ اعلیٰ درجہ کے حسن سلوک کا حکم ہوا۔ بہت سے ان لوگوں کے دلوں میں مسلمانوں کے اس حسن سلوک سے اسلام گھر کر گیا۔ ایک قیدی بعد میں خود بیان کرتا ہے کہ جن لوگوں کے پاس میں قید تھا۔ ان کے ہاں جب کھانے کا وقت آتا تو وہ اعلیٰ درجہ کا کھانا مجھے دیتے۔ اور خود کھجور وغیرہ کھا لیتے۔ مسلمانوں نے اپنے شدید ترین دشمنوں سے حسن سلوک کرکے یہ دکھا دیا کہ ان کے دل کس قدر فراخ ہیں۔ دوست تو دوست وہ دشمن سے بھی نیکی کر سکتے ہیں۔ آخر باوجود اس کے کہ سلسلۂ جنگ فریقین میں جاری تھا ان قیدیوں کو فدیہ لے کر آزاد کر دیا گیا۔ بعض ناداروں کو بلا فدیہ ہی چھوڑ دیا۔ اور جو لوگ لکھنا جانتے تھے ان سے یہ فدیہ کافی سمجھا گیا کہ وہ دس دس بچوں کو لکھنا سکھا دیں۔ چار ہزار درہم کی جگہ لکھنا سکھا دینا کافی سمجھنا بتاتا ہے کہ علم کی کتنی قدر آنحضرت صلعم کے دل میں تھی۔ مغلوب دشمن کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی سختی نہیں کی۔ یہ پہلا موقعہ تھا اور اس قدر دکھ کفار کے ہاتھ سے اُٹھانے کے بعد چاہتے تو ان لوگوں کو نہایت تکلیف کے ساتھ جان سے مروا دیتے مگر جب ایک شخص کے متعلق جو فصیح ہونے کی وجہ سے مسلمانوں کے خلاف مجمعوں میں بڑی پُراثر تقریریں کیا کرتا تھا آپ سے یہ عرض کیا گیا کہ اس کے دو دانت اُکھڑوا دیئے جائیں تاکہ آیندہ اسلام کے خلاف ایسی تقریریں نہ کر سکے تو آپ نے فرمایا کہ اگر میں اس کے عضو بگاڑوں تو خدا میرے عضو بگاڑ دے گا +

جنگ بدر میں جو کامیابی مسلمانوں کو ہوئی اس نے قریش کی قوت کو توڑ دیا اور اسلام کی بنیاد اس سے مستحکم ہو گئی۔ یہودی اور ارد گرد کے قبائل بھی بہت کچھ اس سے متاثر ہوئے اور وہ دل ہی دل میں یہ سوچتے تھے کہ اگر خدا کا طاقتور ہاتھ اس شخص کے ساتھ نہیں۔ تو اتنی بڑی جمعیت کیونکر ایک مٹھی بھر آدمیوں کے

ہاتھ سے اس طرح مغلوب ہو جاتی ہے پھر کس طرح وہ لوگ جو اسلام کے سخت ترین اور اوّلین دشمن تھے سب کے سب اس میدان میں مارے جاتے ہیں۔ یہ صریح ایک خدائی فیصلہ ان دو جھگڑا کرنے والے فریقوں میں نظر آتا تھا جن میں سے ایک طاقتور فریق ایک کمزور جماعت کو محض اس لئے تباہ کرنا چاہتا تھا کہ وہ خدائے واحد کے پرستار ہیں۔ اور سب سے عجیب بات یہ ہے کہ اگر ایک طرف عین میدان جنگ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رو رو کر دعائیں کرتے تھے تو دوسری طرف ابوجہل نے بھی میدان جنگ میں ان الفاظ میں دعا کی کہ اے خدا جو ہم دو فریق میں سے تعلقات رحمی کو کاٹنے والا اور زمین میں فساد کرنے والا ہے اسے اس جنگ میں ہلاک کر دے اور جنگ کو چلتے وقت استار کعبہ کو پکڑ کر قریش نے بھی اسی قسم کی دعا کی تھی کہ اس جنگ میں اللہ اس فریق کا ناصر و حامی ہو جو راستی اور حق پر ہے۔ پس یہ ایک خدائی فیصلہ تھا۔ اور اسی لئے قرآن شریف نے اس کو محض ایک جنگ میں فتح کے طور پر بیان نہیں کیا بلکہ اس کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا لِیَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ وَيَحْيٰى مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ تاکہ جو ہلاک ہوتا ہے وہ دلیل سے ہلاک ہوا اور جو زندہ ہوتا ہے وہ دلیل سے زندہ ہو۔ اس خدائی فیصلہ نے اگر ایک طرف مخالفوں کی کمر توڑ دی تو دوسری طرف مسلمانوں نے بھی ان وعدوں کو پورا ہوتے دیکھ لیا جو دس بارہ سال پیشتر سے متواتر اس وقت ان کو دیئے جاتے رہے تھے جب وہ نہایت کس مپرسی کی حالت میں تھے۔ اور ہر طرف سے مصائب اور تکالیف کا آماجگاہ بنے ہوئے تھے کہ دین اسلام غالب ہوگا اور مخالف مغلوب ہوں گے اور اسطرح دین اسلام کی صداقت روز روشن کی طرح ان پر چمک اٹھی۔

ایک غلط خیال کی جو عام طور پر پھیلا ہوا ہے اور جس کو غلطی سے بعض ارباب

سیرنے بھی لیا ہے اس جگہ تردید کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ نبی کریم صلعم شام سے واپس آتے ہوئے قافلہ کو لوٹنے کے لئے نکلے تھے۔ اور قریش کی فوج صرف اس قافلہ کی حفاظت کے لئے آئی تھی۔ ظاہر ہے کہ قرآن شریف سے بڑھ کر معتبر کوئی شہادت نہیں ہوسکتی۔ اور قرآن شریف میں جہاں جنگ بدر کا ذکر ہے۔ وہاں یوں فرمایا ہے وَاِذْ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ یعنی پیغمبر صلعم کو خدا نے اپنے گھر سے ضرورت حقہ کے ساتھ نکالا۔ پس نبی کریم صلعم اپنی خواہش سے نہیں صحابہ میں سے کسی کی خواہش سے نہیں نکلے بلکہ حکم خداوندی کے ماتحت نکلے۔ اور پھر بالحق نکلے یعنی کوئی ضرورت حقہ پیش آگئی تھی جس کے لئے نکلنا ضروری تھا۔ اللہ تعالیٰ کا آنحضرت صلعم کے مدینہ سے چلنے کو اپنی طرف منسوب کرنا بتاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خاص ضرورت کیلئے نکالا تھا اور وہ ضرورت پوری ہوگئی اور ظاہر ہے کہ قافلہ تو ہاتھ نہیں آیا۔ پس اس غرض کے لئے آپ نکلے بھی نہیں پھر وہیں قرآن شریف میں لکھا ہے وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكَارِهُوْنَ مومنوں میں سے ایک گروہ ناخوش تھا۔ اور اسے مصیبت سمجھتا تھا۔ حالانکہ قافلہ کو لوٹ لینا کوئی مصیبت نہ تھی۔ بلکہ یہاں تک فرمایا ہے کہ وہ لوگ اسے موت کے برابر سمجھتے تھے۔ اور یہ سب کچھ اسی صورت میں صحیح ٹھہرتا ہے جب آنحضرت صلعم مدینہ سے علی الاعلان قریش کے لشکر کے مقابلہ کے لئے نکل رہے ہوں۔ قرآن شریف کے ان الفاظ کے سامنے ارباب سیر کا کوئی قول کچھ وقعت نہیں رکھتا ✦

سولھواں باب

جنگ اُحُد

وَلَا تَہِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ (آل عمران ۱۳۹)

بدر کی شکست ایک ایسا زخم نہ تھا جس کو قریش بغیر بدلہ لئے چھوڑتے سب سے زیادہ یہ بات ان کے لئے باعث ننگ و عار ہو رہی تھی کہ ایک ایسی چھوٹی سی اور بے سروسامان جماعت کے ہاتھ سے مغلوب ہوئے۔ بدر میں سرداران قریش کے مارے جانے کے بعد افسری ابوسفیان کے ہاتھ آئی۔ اور اس نے انتقام پر قسم کھائی۔ ادھر جس قدر نفع اس کاروان تجارت سے ہوا تھا جو ابوسفیان کی سرکردگی میں جنگ بدر کے موقعہ پر شام سے واپس آیا تھا۔ اس کے متعلق سب لوگوں نے عہد کر لیا تھا کہ اس کو پھر جنگ پر لگایا جائے جس میں مسلمانوں کو بالکل کچل دیا جائے چنانچہ تین ہزار کا لشکر جرار لے کر ابوسفیان ۳ سنہ ہجری میں جنگ بدر سے قریباً پورے بارہ ماہ بعد مکہ سے نکلا۔ عورتیں بھی ساتھ تھیں جو سپاہیوں کی ہمت بڑھانے کے لئے نکلی تھیں۔ دو سو مسلح سوار تھے۔ سات سو آدمی زرہ پوش تھے۔ ۹ شوال ۳ سنہ ہجری جمعرات کے دن اس لشکر نے اُحُد کے نیچے جو مدینہ کے شمال کی طرف تین میل پر ایک پہاڑ ہے ڈیرے ڈال دیئے۔ مدینہ کی چراگاہوں پر قبضہ کر لیا۔ اور سرسبز کھیتوں کو گھوڑوں کے لئے کاٹ کر اور اونٹوں کو ان میں کھلا چھوڑ کر اجاڑ دیا۔

جمعہ کے دن جو شوال کی دسویں تاریخ تھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو اکٹھا کیا اور مشورہ کیا کہ کیا کرنا چاہیے۔ قریباً ہر بڑی جنگ سے پہلے آپ

کا صحابہ سے مشورہ کرنا ثابت ہے۔ آپ نے اپنی کچھ خوابیں بھی بیان فرمائیں۔ ایک خواب میں آپ نے دیکھا تھا کہ آپ کی تلوار کی دھار کچھ ٹوٹی ہوئی ہے۔ آپ نے اس کی تعبیر یہ کی کہ کچھ نقصان پہنچے گا۔ اور آپ نے دیکھا تھا کہ آپ نے اپنا ہاتھ ایک مضبوط زرہ میں ڈالا ہے اس سے آپ نے مدینہ مراد لیا یعنی مدینہ ہمارے لئے محفوظ مقام ہے اور اندر رہ کر جنگ کرنا چاہئے۔ آپ نے یہ بھی دیکھا تھا کہ کچھ گائیاں ذبح کی جارہی ہیں اس کی تعبیر آپ نے یہ فرمائی کہ کچھ آپ کے ساتھی شہید ہوں گے۔ آپ کی رائے یہ تھی کہ مدینہ کے اندر رہ کر جنگ کی جائے۔ مہاجرین اور بڑے بڑے انصار بھی آپ سے اس میں متفق تھے۔ عبداللہ بن اُبیؓ جو جنگ بدر کے بعد بظاہر اسلام لاچکا تھا لیکن اندر سے اسلام کا دشمن تھا۔ اس کا مشورہ بھی یہی تھا کہ دشمن کی طاقت بہت زیادہ ہے کھلے میدان میں اس کا مقابلہ نہیں ہوسکے گا لیکن زیادہ لوگوں کی جن میں اکثر نوجوان تھے یہ رائے تھی کہ مدینہ کے اندر رہنے سے دشمن مسلمانوں کی کمزوری کو محسوس کرکے اور زیادہ جرأت کریگا۔ انہوں نے کہا کہ ہماری غیرت برداشت نہیں کرسکتی کہ دشمن ہمارے کھیتوں کو اُجاڑ رہا ہو اور ہم شہر کے اندر بیٹھے رہیں۔ آخر آنحضرت صلعم نے خود اپنی رائے کے بھی برخلاف کثرت کے حق میں فیصلہ کیا اور زرہ پہن کر باہر نکل آئے شام کے قریب ایک ہزار آدمی کے ساتھ جن میں صرف دو گھوڑے تھے۔ اور صرف ایک سو زرہ پوش۔ آپ مدینہ سے نکلے۔ اور تھوڑی دور نکل کر رات کاٹی صبح سویرے ہی وہاں سے روانہ ہوئے مگر عبداللہ بن اُبیؓ اپنے تین سو ساتھیوں کو لے کر واپس آگیا اور اب صرف سات سو آدمی آنحضرت صلعم کے ساتھ رہ گئے۔ جنہوں نے اپنے سے چار گُنا سے بھی زیادہ تعداد کا مقابلہ کرنا تھا۔ یہ سات سو بھی سب کے سب جوان نبرد آزمانہ تھے۔ ہاں دین اسلام کی حفاظت کی تڑپ نے محمد رسول اللہ صلعم کے

عشق نے بچوں اور بوڑھوں میں بھی شوق اور ہمت پیدا کر دی تھی۔ ایک لڑکے کا ذکر ہے کہ جب آپ نے اسے چھوٹا سمجھ کر فوج میں شامل نہ کیا تو وہ اپنے انگوٹھوں کے بل اُونچا ہو گیا۔ آپ کو یہ ادا پسند آئی تو آپ نے اسے شامل کر لیا۔ ایک دوسرے نے یہ دیکھ کر اپنے آپ کو آگے کیا کہ جس کو حضور نے شامل کر لیا ہے میں اسے کُشتی میں پچھاڑ لیتا ہوں۔ چنانچہ کُشتی کرائی گئی تو واقعی ایسا ہی ہوا آپ نے اسے بھی شامل کر لیا ایک ضعیف العمر آدمی آگے بڑھا اور اس نے کہا کہ میں تو آگے ہی قبر میں پاؤں لٹکائے بیٹھا ہوں بہتر ہے کہ رسول خدا کی حفاظت میں لڑتا ہوا مارا جاؤں اس طرح اکٹھے کئے ہوئے سات سو آدمی کو لے کر جن میں طاقت کی کمی کو عشق نے پورا کیا ہوا تھا آپ تین ہزار مسلح جنگی جوانوں کے مقابلہ کے لئے بڑھے پہاڑ کو پشت پر رکھ کر آپ نے خود صف آرائی کی۔ فوج کی پشت کی طرف ایک درہ تھا جہاں سے خطرہ تھا کہ دشمن عقب سے حملہ آور ہو۔ وہاں آپ نے پچاس تیر اندازوں کو متعین کر دیا اور ان کو حکم دیا کہ خواہ اسلامی فوج کو فتح ہو یا شکست وہ کسی صورت میں اس جگہ کو ترک نہ کریں ؛

قریش کی فوج کے ساتھ ایک عیسائی اَبُو عَامِر راہب بھی تھا۔ یہ شخص آنحضرت صلعم کی مدینہ تشریف آوری سے پہلے وہاں رہتا تھا۔ اور اس کے زہد و تعبد کی وجہ سے انصار اس کی بڑی عزت کرتے تھے۔ آنحضرت صلعم کے مدینہ آنے اور آپ کو وہاں مقام عزت حاصل ہونے پر یہ شخص جل اُٹھا اور مکہ چلا گیا۔ اب قریش کے لشکر کے ساتھ آیا کہ انصار پر میرا اس قدر رُعب ہے کہ میرے کہنے سے وہ محمد صلعم کا ساتھ چھوڑ دیں گے۔ اس لئے جب فوجیں ایک دوسرے کے سامنے نکلیں تو قریش کی طرف سے سب سے پہلے عورتیں رجز گاتی ہوئیں اور فوج کو اُبھارتی ہوئیں آئیں۔ پھر اَبُو عَامِر نمودار ہوا اور انصار کو جتایا کہ میں فلاں شخص ہوں۔ انھوں نے اسے ذلیل

کر کے دھتکار دیا۔ ایک مقابلہ بہادروں کا ہو کر جس میں حضرت حمزہؓ نے قریش کے علمبردار طلحہ کو مار ڈالا۔ عام جنگ شروع ہوئی۔ حضرت ابو دُجانہ ایک مشہور پہلوان تھے انہوں نے اس قدر شدت سے کفار پر حملہ کیا کہ صفوں کی صفیں چیر کر درہم برہم کر دیں۔ حضرت حمزہؓ بھی جس طرف رُخ کرتے تھے صفوں کو اُلٹتے جاتے تھے یہاں تک کہ ایک حبشی غلام وحشی نے جس کو خاص طور پر انعام کا وعدہ دیا گیا تھا۔ موقعہ تاک کر ایک حربہ چلایا جس سے آپ فوراً ہی گر پڑے اور جام شہادت پیا۔ مگر مسلمان اس شدت سے لڑے کہ کفار کے سات علمبردار یکے بعد دیگرے مارے گئے اور بہت سے ان میں سے زخمی ہوئے۔ آخر ان کے پاؤں اُکھڑ گئے اور وہ پیچھے بھاگے یہاں تک کہ عورتیں جو ان کو اُبھار رہی تھیں وہ خود بھی کپڑے سمیٹتی ہوئی پیچھے بھاگیں۔ مسلمانوں نے تعاقب کیا۔ اور کفار کو پھر ایک مرتبہ ہزیمت کا مزہ چکھا دیا۔ ادھر کفار کا پیچھے ہٹنا تھا کہ مسلمان تیراندازوں کے ایک حصہ نے اپنے امیر کو کہا کہ ہم بھی تعاقب کریں گے۔ انہوں نے منع کیا مگر وہ نہ رُکے اور اس جگہ کو چھوڑ دیا جہاں آنحضرت صلعم نے ان کو آخر تک کھڑا رہنے کا حکم دیا تھا صرف عبداللہ بن جُبیرؓ اور چند آدمی ان کے ساتھ رہ گئے۔ خالد اس وقت کفار کی طرف سے لڑ رہے تھے ان کی تیز بین نگاہ نے اس جگہ کو خالی پایا تو فوراً اپنے دو سو سواروں کو ساتھ لے کر ادھر سے حملہ کر دیا۔ اور بقیہ تیراندازوں کو صاف کر کے مسلمانوں کے عقب کی طرف سے عین اس وقت حملہ کیا جب وہ دشمن کے تعاقب کی وجہ سے بے ترتیب ہو رہے تھے۔ اِدھر لشکر کفار نے جب خالد کو عقب کی طرف سے حملہ آور دیکھا تو فوراً پھر مقابلہ کے لئے رُکے اور مسلمانوں کی منتشر شدہ فوج دونوں طرف سے گھر گئی۔ اور اس قدر جرار لشکر میں جو تعداد میں چار گنے سے زیادہ تھا۔ یوں ہر طرف سے گھر کر قریب تھا کہ بالکل نیست و نابود

ہو جاتی۔ اور ان میں سے ایک بھی متنفس زندہ نہ بچتا مگر فوج کا جرنیل وہ صاحبِ کمال انسان تھا جس کو خدا تعالیٰ نے زندگی کے ہر شعبہ میں کمال عطا فرمایا تھا۔ اس نے جب صف آرائی کی تھی تو ایک نہایت دور اندیش جرنیل کی طرح فتح و شکست دونوں پہلوؤں کو مدنظر رکھ لیا تھا۔ اور پہاڑ کو پیٹھ پر رکھنے کے یہ معنی تھے کہ مصیبت کے وقت اس کی آڑ میں پناہ لی جائے۔ جب مسلمان فوج دشمن کے تعاقب میں مصروف تھی تو آپ طلحہؓ اور سعدؓ کے ساتھ پیچھے تھے۔ جوں ہی آپ نے تیر اندازوں کے جگہ چھوڑ دینے پر خالد کو بڑھتے دیکھا۔ آپ نے اپنی فوج کی نازک حالت کو بھانپا۔ اس وقت دو صورتیں آپ کے سامنے تھیں یا تو آپ اپنی جان بچانے کے لئے ایک طرف کو مقام حفاظت پر نکل جاتے اور فوج کو اپنی قسمت پر چھوڑتے اور یا فوج کو بچانے کے لئے اپنی طرف بلاتے۔ اور سب کو اکٹھا کر کے دشمن کے پنجہ سے بچا کر محفوظ مقام پر پہنچا دیتے۔ یہی دوسرا طریق آپ نے اختیار کیا۔ اور مسلمانوں کو چاروں طرف سے گھرے ہوئے پا کر اور چاروں طرف سے ان پر تلواریں برستی دیکھ کر بلند آواز سے پکارا اِلَیَّ عِبَادَ اللّٰہِ اَنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ اے خدا کے بندو میری طرف آ کر اکٹھے ہو جاؤ میں خدا کا رسول ہوں۔ اس پریشانی کی حالت میں جس میں مسلمان تھے یہ آواز ان کے لئے ایک رحمت تھی۔ انہوں نے ہر جگہ تلوار چلاتے اور جنگ کرتے اس سمت کا رُخ کیا مگر جہاں اس آواز نے مسلمانوں کو رسول اللہ صلعم کی طرف کھینچا۔ دشمن کو بھی پتہ بتا دیا کہ آپ کہاں ہیں۔ پھر کیا تھا اصل غرض تو ان سب جنگوں کی آپ کا کام تمام کرنا تھا۔ دشمن نے اپنے حملہ کا پورا زور اس موقعہ پر صرف کیا۔ جاں نثار آتے جاتے اور اپنی جانیں رسول اللہ صلعم کے بچانے میں فدا کرتے جاتے تھے۔ اسی اثنا میں مُصعب بن عُمیرؓ جو آنحضرت صلعم سے شکل و شباہت میں مشابہت رکھتے تھے مارے گئے اور غل مچ گیا کہ آنحضرت

صلعم مارے گئے اس آواز سے جو دشمنوں نے بلند کی مسلمانوں میں اور بھی اسیمگی پھیلی اور ایک کو تو اس قدر غم ہوا کہ اس نے تلوار چلانی چھوڑ دی اتنے میں انسؓ ابن النضر کا گزر ہوا اور اس کو اس حالت میں دیکھ کر تعجب کیا اس نے کہا کہ رسول اللہ صلعم شہید ہو گئے ۔ انس نے کہا اگر آپ شہید ہو گئے تو ہم زندہ رہ کر کیا کریں گے ۔ جس بات پر آنحضرت صلعم جنگ کرتے تھے اس پر جنگ کرو یعنی جنگ تو حفاظت اسلام کے لئے تھی اس کی اب بھی ضرورت ہے ۔ اس طرح پر ایک دوسرے کی ہمت بندھاتے اور دشمنوں کے اندر سے نکلتے ہوئے صحابہؓ رسول اللہ صلعم کے اردگرد جمع ہو گئے اس وقت تک آپ کو بھی کئی زخم لگ چکے تھے اور آپ زخم کھا کر گر گئے مگر اتنے میں آپ کے چاروں طرف ایک مضبوط دیوار مسلمان سپاہیوں کی بن گئی اور اکثر حصہ فوج کا یہاں جمع ہو گیا صرف چند ایک آدمی اس سراسیمگی کی حالت میں اصل فوج کے ساتھ نہ مل سکے اور بھاگ کر دور نکل گئے ۔ دشمن کے حملے کا زور اسی موقعہ پر تھا مگر جاں نثاروں کی یہ کیفیت تھی کہ اس آدمیوں کی دیوار میں کوئی رخنہ واقع نہ ہوتا تھا ادھر جمعیت کے دوبارہ قایم ہو جانے سے کفار کے حملے کا پورا جواب ہونے لگا ۔ اور مسلمان اس قدر جان توڑ کر لڑے اور ایسے محفوظ مقام پر پہنچ گئے تھے کہ دشمن ان کو منتشر کرنے اور اپنا مقصود حاصل کرنے سے مایوس ہو گیا ۔

ابُوطلحہؓ کے ہاتھ میں جو مشہور تیر انداز تھے دو تین کمانیں تیر چلاتے چلاتے ٹوٹیں ۔ آنحضرت صلعم نے خود اپنا ترکش حضرت سعدؓ کے آگے ڈال دیا کہ تیر چلاتے جاؤ ۔ کچھ اس تیر اندازی سے دشمن کی فوج کو نقصان پہنچا ۔ اور کچھ مسلمانوں کے بلند مقام پر پہنچ جانے سے دشمن ان کی زد میں آگیا اور اوپر سے پتھر برسنے شروع ہوئے کچھ وہ مسلمانوں کی جانبازی سے واقف تھے ۔ اس لئے انہوں نے مناسب سمجھا

کہ میدان جنگ سے پیچھے ہٹ جائیں ۔

جنگ کو روک کر اب دشمن نے مسلمانوں کی لاشوں کا مُثلہ کیا یعنی ان کے ناک کان وغیرہ کاٹ ڈالے ۔ ہندہ نے حضرت امیر حمزہؓ کا جگر نکال کر وحشیانہ طور پر چبا ڈالا ۔ ابو سُفیان نے پیچھے ہٹ کر بلند آواز سے پکارا ۔ کیا محمد صلعم قوم میں ہیں ؟ آنحضرت صلعم نے حکم دیا جواب نہ دو ۔ پھر اس نے کہا کیا ابوبکرؓ قوم میں ہیں ؟ آپ نے پھر جواب دینے سے منع فرمایا ۔ پھر اس نے کہا کیا عمر بن الخطاب قوم میں ہیں اور ساتھ ہی کہا یہ سب لوگ مارے گئے اگر زندہ ہوتے تو جواب دیتے ۔ اس پر حضرت عمرؓ سے نہ رہا گیا ۔ اور پکارا اے خدا کے دشمن ہم سب تیرے ذلیل کرنے کے لئے زندہ ہیں ۔ اس کے بعد ابو سُفیان پکارا اُعْلُ ھُبَلْ ہُبَل کی جے ۔ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہو اَللّٰہُ اَعْلٰی وَاَجَلُّ اللہ ہی سب سے اونچا اور بڑا ہے ۔ جب اپنی ذات کا سوال تھا تو جواب دینا پسند نہ کیا مگر توحید الٰہی کی غیرت اس قدر آپ کے سینہ میں جوش زن ہے کہ اس موقعہ پر آپ خاموش نہ رہ سکے ۔ اُبو سُفیان نے پھر کہا لَنَا الْعُزّٰی وَلَا عُزّٰی لَکُمْ ہمارے پاس عُزّٰی ہے تمہارا کوئی عُزّٰی نہیں ۔ آپ نے پھر فرمایا کہ کہو ۔ اَللّٰہُ مَوْلٰنَا وَلَا مَوْلٰی لَکُمْ اللہ ہمارا حافظ و مددگار ہے اور تمہارا حافظ و مددگار کوئی نہیں ۔ اس کے ساتھ ہی رحمۃ للعالمین کے سینے میں خود دشمن کے لئے اس قدر رحم تھا کہ عین اُس وقت جب آپ پر تیر برس رہے تھے ان کے حق میں یہ دعا بارگاہ خداوندی میں کر رہے تھے اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِقَوْمِیْ فَاِنَّھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ اے میرے رب میری قوم کو بخش دے کیونکہ وہ نہیں جانتے ۔ دشمنوں سے پیار کی تعلیم کے صفحوں پر صفحے لکھ دینا آسان امر ہے مگر اس وقت بھی دشمن کی خیر خواہی کا دل میں ہونا جب دشمن کی تلوار سر پر ہو بہت مشکل امر ہے ۔ اس معیار پر اگر کوئی انسان دنیا میں پُورا اُترتا ہے تو وہ محمد رسول اللہ صلعم ہیں ۔

مسلمانوں میں سے جو لوگ حملہ کی شدت کے وقت الگ ہو کر بھاگ گئے انہوں نے مدینہ میں خبر پہنچائی کہ مسلمانوں کو شکست ہوگئی۔ مگر جب انہوں نے گھروں میں داخل ہونا چاہا تو ان کی بیبیوں نے ان کے مونہوں پر خاک ڈالی کہ تم رسول اللہ صلعم کو چھوڑ کر یہاں کس لئے آ گئے۔ عرب کی خواتین میدان جنگ میں سپاہیوں کے ساتھ ہوتی تھیں۔ چنانچہ حضرت عایشہ اور بعض اور بیبیاں عین حالت جنگ میں زخمیوں کو پانی پلاتی تھیں۔ جنگ کی خبر مدینہ پہنچنے پر کئی ایک اور خواتین بھی نکل آئیں۔ مگر سب رسول اللہ صلعم کی خیریت کی خبر دریافت کرتی تھیں اور اپنے عزیزوں اور اقارب کے لئے اس قدر متفکر نہ تھیں۔ انصار میں سے ایک خاتون کا ذکر ہے کہ اس کو پہلے اپنے باپ کی شہادت کی خبر ملی تو اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن پڑھکر رسول اللہ کی خبر پوچھی لوگوں نے کہا تیرا بھائی بھی مارا گیا۔ پھر اِنَّا لِلّٰہِ پڑھا اور رسول اللہ صلعم کی خبر پوچھی۔ لوگوں نے کہا تیرا خاوند بھی کام آیا۔ پھر ایک ٹھنڈی سانس کے ساتھ وہی کلمات اس کے مُنہ سے نکلے۔ مگر رسول اللہ کی خیریت کی خبر سُن کر اس کا سب غم جاتا رہا۔ اور کلفت دور ہوگئی۔ اور رسول اللہ صلعم کے چہرہ مبارک کو دیکھکر پکار اُٹھی کُلُّ مُصِیْبَةٍ بَعْدَکَ جَلَلٌ اگر آپ زندہ ہیں تو سب مصیبتیں ہیچ ہیں۔ ایسا ہی اور بیبیوں نے جب اپنے عزیزوں کی لاشوں کے ساتھ کفار کے وحشیانہ سلوک کو دیکھا تو اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن کہکر چُپ ہو رہیں ۔

مسلمانوں کے پہاڑ کی آڑ میں آجانے سے مدینہ دشمن کے حملہ کے خطرہ میں تھا۔ مگر ابوسفیان اور اس کے ساتھی خود اس قدر سراسیمگی کی حالت میں میدان جنگ سے نکلے کہ مدینہ کا رُخ نہ کر سکے اور اسی دن کئی میل واپس لوٹ گئے۔ رستہ میں خیال آیا کہ ہم فتح کا کیا نشان دکھائیں گے۔ مسلمان قیدی ایک بھی ہاتھ میں نہیں اسلامی فوج میدان جنگ پر قابض ہے۔ مدینہ کا ہم نے کچھ نہیں بگاڑا۔ خیال کیا

کہ پھر لوٹے۔ مگر ہمت نہ پڑتی تھی۔ اسی شش و پنج میں تھا کہ خبر ملی کہ محمد رسول اللہ صلعم اپنی فوج کے ساتھ اس کے تعاقب میں نکلے ہیں۔ قرآن شریف میں یہ واقعہ مسلمانوں کی بڑی تعریف کے ساتھ مذکور ہوا ہے کہ اس قدر تکلیف اور دُکھ اُٹھانے کے بعد بھی جب رسول اللہ صلعم نے ان کو دشمن کے تعاقب کے لئے بُلایا تو وہ شرح صدر کے ساتھ نکلے۔ اور اگلے ہی دن آٹھ میل تک دشمن کا پیچھا کیا۔ اور ایک مقام حُمراءُ الاَسد تک پہنچے۔ مگر ابُو سُفیان نے یہ خبر سُنکر کہ رسول اللہ صلعم پیچھے آرہے ہیں۔ اپنی فوج کو فوراً کوچ کا حکم دیا +

یہ کہنا کہ جنگ اُحد میں مسلمانوں کو شکست ہوئی اور کفار کو فتح۔ واقعات تاریخی کی ناواقفیت کا نتیجہ ہے۔ قرآن شریف میں جنگ اُحد کا بالتفصیل ذکر سورۂ آلِ عمران میں موجود ہے مگر کہیں اس کو مسلمانوں کی شکست نہیں کہا۔ ہاں اس کا نام قرح یا مصیبت رکھا ہے یعنی مسلمانوں کو اس میں کچھ دُکھ پہنچا اور کفار کی حالت کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا ہے فَيَنْقَلِبُوْا خَائِبِيْنَ وہ نامراد واپس جائیں گے سو یہی حقیقت ہے۔ کس نے آج تک سُنا کہ شکست خوردہ فوج میدان جنگ میں رہے اور فاتح فوج اس میں سے ایک بھی قیدی پکڑنے کے بغیر گھر کو واپس جائے اور پھر اگلے ہی دن جنگ سے صرف چند گھنٹے بعد شکست خوردہ فوج فاتح فوج کا تعاقب کرے۔ اور فاتح فوج تعاقب کی خبر سُنکر تیزی سے کوچ کر جائے۔ ہاں بیشک اس جنگ کے اندر ایسے موقعے آئے کہ ایک وقت خود رسول اللہ صلعم کی شہادت کی خبر مشہور ہو گئی۔ اور دشمنوں نے سمجھا کہ ہم نے دین اسلام کا خاتمہ کر دیا۔ مگر رسول اللہ صلعم کی زندگی میں ایسے واقعات کے پیدا کرنے سے منشاء الٰہی یہی تھا کہ اسلام پر ایسے اوقات تو ضرور آئینگے کہ دشمن سمجھیں کہ ہم نے اسلام کو تباہ کر دیا مگر یہ کبھی تباہ نہ ہوگا بلکہ اس کی ہر ایک مصیبت کے نیچے ایک عظیم الشان کامیابی مخفی ہو گی +

سترھواں باب

قبائل عرب اور مسلمان

لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ أَوْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ أَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَإِنَّهُمْ ظَالِمُونَ (آل عمران-۱۲۷)

جنگ اُحُد کا ایک نتیجہ یہ ہوا کہ عام طور پر قبائل عرب میں اسلام کے خلاف شورش بہت بڑھ گئی۔ ان لوگوں نے سمجھا کہ اب قریش مسلمانوں کو تباہ کئے بغیر نہ چھوڑیں گے اس قدر جمعیت کے ساتھ اتنی دور حملہ آور ہونا بتاتا تھا کہ وہ مسلمانوں کو سرسبز ہوتا کسی صورت میں نہیں دیکھ سکتے۔ اور پورا فیصلہ کر چکے ہیں کہ ان کو نیست و نابود کر دیں گے۔ خود قبائل عرب مسلمانوں کے دشمن تھے ہی۔ اب جب ان کو یقین ہو گیا کہ قریش کی زبردست جمعیت بھی ان کے برباد کرنے پر تلی ہوئی ہے تو ان کی شرارتوں میں اور بھی ترقی ہوئی۔ انہوں نے سمجھا کہ اب مسلمان مارے گئے اور ہم بھی ان کی تباہی میں حصہ لیں۔ کوئی قبیلہ یہاں اور کوئی وہاں۔ مسلمانوں پر چڑھائی کے لئے تیار رہوتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اصل کام تزکیہ تھا۔ اور آپ کو جنگوں سے کوئی غرض نہ تھی۔ مگر دنیا میں تزکیہ کا کام آخر ایک قوم نے کرنا تھا اور وہ قوم جو آپ نے اس غرض کے لئے تیار کی تھی اس کی زندگی اب معرض خطر میں تھی۔ علاوہ ازیں آپ نے یہ بھی سبق سکھانا تھا کہ جب کسی شخص کے سپرد ایک قوم کی حکومت اور حفاظت ہو تو اسے اس قوم کے بچاؤ کے لئے اور اس کی ترقی کے لئے کیا کیا تدابیر کرنی چاہئیں اور کس طرح احتیاط سے کام لے کر پیش بندی کے طور پر قوم کی حفاظت کا سامان کرنا چاہئے اگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا میں کوئی اور کام نہ بھی کیا ہوتا تو ایک

آپ کا ہی کام کہ کس طرح ایک قوم کو جس کے چاروں طرف دشمن ہی دشمن پھیلے ہوئے تھے اور جس کی زندگی شب و روز معرض خطر میں تھی۔ ان تمام خطرات سے نکال کر کامیابی کی منزل مقصود تک پہنچا دیا۔ دنیا کے لئے ایک کافی نمونہ تھا جو آپ کو ہمیشہ کے لئے تاریخ نسل انسانی میں ایک عظیم الشان مقام کا حقدار ٹھہراتا ہے۔ قوم بنانا دنیا کے عظیم الشان کاموں میں سے ایک کام ہے اور یہ کام جن مشکلات کے نیچے آپ نے کر کے دکھایا اس کی نظیر دوسری جگہ نہیں ملتی +

جنگ اُحُد کے بعد ایک طرف یہودیوں میں جو مدینہ کے اندر رہتے تھے۔ شورش بڑھ گئی اور انھوں نے اپنے معاہدات کو پس پشت ڈال دیا۔ اور دشمنوں کے ساتھ سازش کر کے اسلام کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی۔ دوسری طرف منافقین کی شرارت نے اب اور کھُلا رنگ اختیار کیا۔ طرح طرح سے مسلمانوں کو ایذا پہنچانا انھوں نے اپنا شیوہ بنا لیا۔ اور ارد گرد کے قبائل نے تو مسلمانوں کو اب چند روز کے مہمان سمجھ کر نقصان پہنچانے کا تہیہ کر لیا اور مسلمانوں کیلئے نہ مدینہ کے اندر امن کا مقام رہا نہ باہر۔ آج اگر ایک طرف سے مدینہ پر حملہ کی تیاری کی خبر آتی ہے تو کل دوسری طرف سے مسلمانوں کو ہر وقت مسلح رہنے کی ضرورت تھی۔ چنانچہ ایک حدیث میں یہ لفظ آتے ہیں کہ صحابہ شب و روز مدینہ میں ہتھیار بند رہتے تھے آخر اس حالت سے اُکتا گئے تو نبی کریم صلعم کے پاس شکایت کی آپ نے تسلی دی کہ عنقریب امن کا زمانہ آتا ہے۔ خود نبی کریم صلعم کس قدر احتیاط سے کام لیتے تھے کہ ایک دن مُنہ اندھیرے کچھ آوازیں بلند ہوئیں جس سے یہ خطرہ ہوا کہ کوئی غنیم حملہ آور ہوا ہے یا کوئی ڈاکہ پڑا ہے مسلمان اِدھر اُدھر سے ایک جگہ اکٹھے ہونے شروع ہوئے کہ تا مقابلہ کے لئے تیاری کر کے نکلیں۔ اتنے میں کیا دیکھتے ہیں کہ خود آنحضرت صلعم بغیر زین کے گھوڑے

پر سوار باہر سے تشریف لا رہے ہیں۔ اور آپ نے لوگوں کو اطلاع دی کہ فکر نہ کریں معمولی بات ہے۔ آپ ایک اعلیٰ درجہ کے دانا حاکم اور دوراندیش جرنیل ہی نہیں بلکہ ایک بہادر سپاہی کیلئے بھی آپکی زندگی اپنے اندر ایک نمونہ رکھتی ہے اور بتاتی ہے کہ سپاہی کو کس طرح بیدھڑک کام کرنا چاہیئے +

غرض مدینہ ان مشکلات کے اندر پھنسا ہوا تھا اس لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کمال درجہ کی احتیاط سے کام لینا پڑتا تھا۔ اور ہر طرف کی خبر رکھنی پڑتی تھی جہاں یہ معلوم ہوتا کہ کسی قبیلہ میں مدینہ پر حملہ کی تیاری شروع ہوئی ہے آپ فوراً ایک دستہ اپنے مقدس سپاہیوں کا وہاں روانہ کر دیتے۔ جو قبل اس کے کہ ان کی جمعیت بڑھنے پائے ان کو منتشر کر دیتا اور یوں اس تھوڑی سی احتیاط سے آپ نے بہت سی خطرناک جنگوں کا سدّ باب کر دیا۔ نادان دشمن کہتے ہیں تلوار سے لوگوں کو مسلمان کیا گیا۔ تلوار سے کیا مسلمان کرنا تھا۔ مسلمان ہونے کے یہ معنی تھے کہ دشمن کی تلوار کے نیچے سر رکھ دیا۔ جس قدر مہمات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو شورش کے دبانے کے لئے باہر بھیجنی پڑیں کسی ایک کے متعلق بھی ثابت نہیں کہ انہوں نے کسی کو مسلمان کیا ہو۔ مسلمان کرنے کے لئے آپ نے مبلغ تیار کئے تھے اور اس کے لئے آپ فوج نہیں بھیجتے تھے بلکہ مبلغ یا قاری بھیجتے تھے۔ اور جہاں سے درخواست آتی تھی وہاں بھیجتے تھے ہاں غدار لوگ بعض وقت اس بہانہ سے آپ کے قاریوں کو قتل کر دیا کرتے تھے جیسا کہ بیرِ مَعُونَہ کا مشہور واقعہ ہے جو صفر ۴ھ میں ہوا۔ بنی عامر اور بنی سُلیم ہوازن میں سے تھے۔ ان کا سردار ابو براء آنحضرت صلعم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کچھ تحفے وغیرہ پیش کر کے (جو آپ نے قبول نہ کئے) یہ کہا کہ اگر آپ میرے ساتھ کچھ قاری بھیج دیں تو شاید میری قوم مسلمان ہو جائے۔ آنحضرت صلعم نے فرمایا مجھے نجد کے لوگوں سے خوف ہے۔ ابو براء نے حفاظت کا ذمہ لیا اور آپ نے

ستر قاری اس کے ساتھ بھیج دیئے۔ جب یہ لوگ بئرِ معونہ کے مقام پر پہنچے تو انہوں نے ایک قاصد کو خط دے کر ان قوموں کے پاس بھیجا مگر بجائے کسی جواب کے ایک بڑا لشکر فوراً تیار ہوا اور ان تمام مبلغین اسلام کو ایک ایک کر کے قتل کر ڈالا۔ صرف ایک عمرو بن امیہ زندہ رہا جس نے یہ خبر رسول اللہ صلعم کو پہنچائی۔ آپ کو اس سے بہت ہی صدمہ ہوا کیونکہ یہ لوگ خاص طور پر تبلیغ اسلام کے لئے تیار ہوئے تھے۔

ایسا ہی ایک اور واقعہ رجیع کا ہے۔ کہ دو قبیلوں نے آنحضرت صلعم کے پاس چند آدمی بھیجے کہ ہمارے قبیلہ نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ چند آدمی دین سکھانے کے لئے ہمارے پاس بھیجے جائیں۔ آپ نے دس قاری بھیجے مقام رجیع پر ان لوگوں کے ساتھ ویسا ہی غداری کا معاملہ ہوا۔ آٹھ ان میں سے لڑتے ہوئے شہید ہوئے۔ دو نے جن کے نام خبیب اور زید تھے کافروں کے وعدہ پر اعتماد کر کے اپنے آپ کو ان کے حوالے کر دیا۔ مگر انہوں نے بدعہدی کر کے ان کو قیدی بنایا اور اہل مکہ کے ہاتھ بیچ ڈالا۔ خبیب کو خاندان حارث نے حرم کی حدود سے باہر لے جا کر قتل کیا۔ قتل ہونے سے پہلے انہوں نے دو رکعت نماز پڑھیں اور پھر یہ اشعار پڑھے:۔

وَمَا اِنْ اُبَالِیْ حِیْنَ اُقْتَلُ مُسْلِمًا عَلٰی اَیِّ شِقٍّ کَانَ لِلّٰہِ مَصْرَعِیْ

جب میں مسلم ہونے کی حالت میں قتل کیا جاتا ہوں تو مجھے یہ پروا نہیں کہ کس پہلو پر میں گرتا ہوں۔

وَذٰلِکَ فِیْ ذَاتِ الْاِلٰہِ وَاِنْ یَّشَاْءُ یُبَارِکْ عَلٰی اَوْصَالِ شِلْوٍ مُّمَزَّعِ

اور یہ سب اللہ کے لئے ہے اور وہ اگر چاہے تو جسم کے ان پارہ پارہ ٹکڑوں پر برکت نازل کرے۔

زید کو صفوان بن امیہ نے قتل کے ارادہ سے خریدا۔ ان کے قتل کے وقت ابو سفیان اور دیگر بڑے بڑے قریش موجود تھے۔ جب ان پر تلوار چلنے کو نکل چکی تھی تو ابو سفیان نے کہا کیا تم پسند نہیں کرتے کہ تم بچ جاؤ اور محمد صلعم قتل کئے جائیں۔ انہوں نے کہا کہ میں تو اپنی جان کو اتنی وقعت بھی نہیں دیتا کہ میں بچ جاؤں اور رسول اللہ صلعم کو ایک کانٹا چبھ جائے۔ یہاں لوگوں کے رسول اللہ صلعم کے ساتھ

عشق کا ایک نمونہ ہے۔

اس قسم کے واقعات سے جب ان قبائل نے دھوکہ دے کر آپ کے بیگناہ متبعین کو ذبح کرنا شروع کیا تو آپ کو نہایت درجہ کا دُکھ پہنچا۔ آپ ہر قسم کی تکلیف برداشت کر سکتے تھے مگر ان لوگوں کا دُکھ اور تکلیف آپ سے برداشت نہ ہوتا تھا جنہوں نے پیغام حق کو قبول کر کے آپ کا ساتھ دیا تھا۔ اور ہر قسم کی قربانیاں کر کے دکھا دیا تھا کہ وہ خدا کے نزدیک کس بلند مقام پر پہنچ چکے ہیں۔ قاریوں کے قتل کے واقعات نے اس قدر آپ کی طبیعت کو صدمہ پہنچایا کہ آپ نے ایک دفعہ ان بعض قبائل پر جو دغا بازی سے مسلمانوں کو قتل کر رہے تھے بددعا کرنے کا ارادہ کیا اور کچھ دن بددعا کی بھی۔ ایسے لوگوں کی سزا تو یہ تھی کہ ان کو اسی طرح اذیت پہنچا کر قتل کیا جاتا مگر آپ نے ایسے معاملات میں اللہ تعالیٰ پر ہی معاملہ کو چھوڑا مگر وہ خدا جس نے آپ کو رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا تھا نہ چاہتا تھا کہ دشمن کے لئے بھی بددعا آپ کے سراسر رحم دل سے نکلے اس لئے آپ پر وحی الٰہی نازل ہوئی جو اس باب کے عنوان میں درج ہے "تمہارا اس معاملہ میں کوئی اختیار نہیں اللہ چاہے تو ان پر رجوع برحمت کرے اور چاہے تو انکو عذاب دے۔ بیشک وہ ظالم ہیں" اس پاک پیغام کے نازل ہوتے ہی آپ نے بددعا کرنا چھوڑ دیا۔ اور کس ہادی کی زندگی میں ایسا پاک نمونہ ہم کو ملتا ہے؟

غرض جنگ اُحد کے بعد یہودیوں۔ منافقوں اور مشرک قبائل عرب میں مسلمانوں کو جس طرح ممکن ہو دکھ اور تکلیف پہنچانے کی ایک ہوا چل گئی۔ اگر رسول اللہ صلعم اس قدر احتیاط سے کام نہ لیتے کہ جہاں کسی قبیلے میں اسلام کے خلاف تیاری ہوئی فوراً ان کی طاقت کو قبل اس کے کہ دوسرے لوگ ساتھ ملیں توڑ دیا جائے تو مدینہ میں مسلمانوں کا ایک دن بھی کاٹنا محال تھا کیونکہ چاروں طرف دشمن ہی دشمن پھیلے ہوئے تھے اور ان کی طاقت کا اجتماع مسلمانوں کی تباہی کا یقینی

پیش خیمہ تھا۔ ایسے حالات میں جو چھوٹے چھوٹے غزوات ہوئے ان کی تفصیل کی اس مختصر میں گنجایش نہیں۔ ان میں سے ایک غزوہ بدر صغرٰی یا غزوہ بدر الآخرہ کے نام سے مشہور ہے۔ اس میں جنگ کوئی نہیں ہوئی اُحد سے چلتے وقت قریش کہہ گئے تھے کہ اگلے سال بدر پر ہماری تمہاری جنگ پھر ہو گی۔ نبی کریم صلعم اس قول کی بنا پر بدر تک تشریف لے گئے۔ مگر دشمن نہ آیا تھا۔ اس لئے آپ کے ساتھی وہاں ایک تجارتی میلہ میں جو سال کے سال ہوتا تھا کچھ تجارت کر کے واپس آ گئے۔ غزوہ دُومۃ الجندل اور غزوہ ذاتِ الرِّقاع جو ۵ھ میں ہوئے۔ اور غزوہ بنی لحیان اور غزوہ ذِی قَرَد جو ۶ھ میں ہوئے اسی قسم کے غزوات تھے کہ دشمن کے ارادہ اور تیاری کی خبر پہنچتے ہی فوراً کوئی دستہ فوج کا پہنچ گیا۔ اور یہ لوگ خود پراگندہ ہو گئے یا کوئی معمولی سی جنگ ہو کر خاتمہ ہو گیا۔ اس قسم کے کئی ایک چھوٹے چھوٹے غزوات ہیں۔ مگر غزوہ مُرَیسیع یا غزوہ بنی المُصطَلِق جو شعبان ۵ھ میں ہوا خصوصیت سے قابل ذکر ہے۔ بنی المُصطَلِق قوم خُزاعہ میں سے تھے۔ اور خُزاعہ کے قُریش کے ساتھ خاص تعلقات تھے۔ بنی المُصطَلِق مقام مُرَیسیع میں آباد تھے جو مدینہ منورہ سے نو منزل کے فاصلہ پر تھا۔ ان کے رئیس حارِث بن ابی ضِرار نے مدینہ پر حملہ کی تیاری شروع کر دی۔ ممکن ہے قُرَیش کی تحریک پر اور ان کی مدد کے لئے تیار ہوا ہو۔ آنحضرت صلعم کو اس کی خبر پہنچی۔ آپ نے تحقیقات کی تو خبر کو درست پایا۔ آپ نے ان کے خلاف تیاری کا حکم دیا۔ حارِث کو اسلامی فوج کے پہنچ جانے کی خبر ملی تو اپنی جمعیت سمیت بھاگ گیا۔ مگر مُرَیسیع کے لوگوں نے نبی کریم صلعم کے ساتھ جنگ کی۔ اور شکست کھائی۔ ۶۰۰ قیدی اور بہت سے اُونٹ اور بکریاں غنیمت میں رسول اللہ صلعم کے ہاتھ آئیں۔ قیدیوں میں جُوَیرِیہ حارِث کی بیٹی بھی تھیں۔ حارِث رسول اللہ صلعم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور اپنی بیٹی کو واپس

لے جانا چاہا تو آپ نے خود جُویریہ کی مرضی پر چھوڑا۔ جُویریہ نے آپ کے پاس رہنے کو ترجیح دی اور نبی کریم صلعم نے زر فدیہ اپنی جیب سے ادا کرکے اس سے نکاح کرلیا۔ اس نکاح کا نتیجہ یہ ہوا کہ جس قدر قیدی اس قوم کے تھے وہ سب کے سب صحابہ نے آزاد کر دیئے کیونکہ ان کو رسول اللہ صلعم کے سُسرال ہونے کا شرف عطا ہوا +

اسی غزوہ سے واپسی کے وقت وہ واقعہ پیش آیا جس سے منافقوں کو شرارت پھیلانے کا موقعہ ملا یعنی حضرت عایشہ صدیقہ پر افک باندھا گیا۔ صدیقہ پر افک کا باندھنا اسی قانون الٰہی کے ماتحت ہوا جس طرح تمام راستبازوں پر جھوٹ باندھا جاتا ہے۔ ایک اور صدیقہ حضرت مریم والدہ عیسیٰ علیہ السلام ہیں ان پر بھی افک باندھا گیا تھا وَقَوْلِهِمْ عَلٰى مَرْيَمَ بُهْتَانًا عَظِيْمًا دو چار مسلمان بھی منافقوں کی شرارت میں بھولے پن سے آ گئے۔ آخر ایک طرف واقعات نے دوسری طرف اللہ تعالیٰ کی وحی نے صدیقہ کی برأت کی اور منافقین کی شرارت کا منصوبہ کھل گیا +

اٹھارھواں باب

جنگ احزاب

وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ قَالُوْا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَمَا زَادَهُمْ اِلَّآ اِيْمَانًا وَّتَسْلِيْمًا (الاحزاب۔۲۲)

گو قبائل عرب کی شرارتوں کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ساتھ کا ساتھ علاج کرتے رہے۔ اور آپ نے محض اپنی دانشمندی سے کسی بڑی جنگ تک نوبت نہ پہنچنے دی اور اس طرح بہت سی خونریزی کو آپ نے روکا۔ مگر ان امور کا قریش کے منصوبوں پر کوئی اثر نہ پڑ سکتا تھا۔ ادھر یہودیوں میں اسلام کی عداوت بڑھتی چلی گئی اور جو یہودی مدینہ سے جلاوطن کر دیے گئے تھے۔ اور وہ مقام خیبر میں آباد ہو گئے تھے۔ انہوں نے اب قریش کے ساتھ مل کر چاہا کہ اسلام کا بالکل خاتمہ ہی کر دیا جائے۔ چنانچہ ذیقعد ۵ھ میں جنگ اُحد سے کوئی دو سال بعد یہودیوں اور قریش کے اُکسانے سے مکہ کے آس پاس کے اکثر قبائل اسلام کے خلاف جنگ پر آمادہ ہو گئے۔ یہ اسلام کو تباہ کرنے کی آخری کوشش تھی اور فوجوں کا ایک ٹڈی دل اسلام کے خلاف تیار ہو گیا۔ جس کا کم سے کم اندازہ دس ہزار ہے۔ اور زیادہ سے زیادہ چوبیس ہزار۔ قریش کے علاوہ جواب کے اپنی پوری طاقت سے اُٹھے غطفان۔ بنُو اسد۔ بنُو سُلیم۔ بنُو سعد سب شامل تھے۔ مدینہ کے اندر جو ایک قوم یہودیوں کی تھی وہ بھی آخر کار اس خطرناک موقعہ پر غداری کر کے دشمنان اسلام کے ساتھ مل گئی اور بظاہر فوجوں کے اس سیلاب عظیم کے سامنے اب مسلمانوں کے بچ رہنے کی کوئی ممکن صورت

نہ تھی۔ مدینہ میں جب یہ خبر پہنچی تو آنحضرت صلعم نے صحابہ کو بلا کر مشورہ کیا حضرت سلمان فارسی نے یہ مشورہ دیا کہ ایک خندق کھودی جائے جو دشمن ہیں اور محصور افواج میں حائل ہو۔ مدینہ کے ایک طرف چٹانوں کی قدرتی حفاظت تھی۔ دوسری طرف مکانات کی مسلسل دیواروں نے مدینہ کو ایک قلعہ کی صورت دی ہوئی تھی اس لئے جو طرف کھلی ہوئی تھی ادھر فوراً خندق کھودنے کا کام شروع ہوا نبی کریم صلعم نے خود اس کے نشانات لگا کر دس دس آدمیوں میں اس خندق کے ٹکڑے تقسیم کر دیئے۔ اور کسی کا کیا کہنا خود سرور دو عالم اس خندق کے کھودنے والے مزدوروں میں تھے عظیم الشان صحابہ اور خود سیّد البشر مٹی میں لتھڑے ہوئے ہیں مگر اس حالت میں بھی وہ خوشی دلوں میں ہے جو دنیا میں بہتوں کو بادشاہت کے تخت پر بیٹھ کر بھی میسر نہیں آتی۔ یہ رجز سب کی زبان پر ہے +

وَاللہِ لَوْ لَا اَنْتَ مَا اھْتَدَیْنَا وَلَا تَصَدَّقْنَا وَلَا صَلَّیْنَا
فَاَنْزِلَنْ سَکِیْنَۃً عَلَیْنَا وَثَبِّتِ الْاَقْدَامَ اِنْ لَاقَیْنَا
اِنَّ الْاُولٰی قَدْ بَغَوْا عَلَیْنَا اِذَا اَرَادُوْا فِتْنَۃً اَبَیْنَا

اے خدا اگر تیرا فضل نہ ہوتا تو ہم ہدایت نہ پاتے اور نہ صدقات دیتے اور نہ نماز پڑھتے۔ اے خدا تو ہم پر سکینت نازل فرما اور جب دشمن سامنے آئے تو ہمیں ثابت قدمی عطا فرما۔ یہ لوگ ہمارے خلاف زیادتی کے ساتھ اٹھ کھڑے ہوئے ہیں وہ ہم کو دین حق سے دکھ دے کر لوٹانا چاہتے ہیں اور ہم انکار کرتے ہیں۔ آخری لفظ اَبَیْنَا۔ ہاں ہم انکار کرتے ہیں بار بار دہرایا جاتا تھا۔ ساتھ ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان الفاظ میں مہاجرین اور انصار کو دعائیں دیتے جاتے اَللّٰھُمَّ اِنَّہٗ لَا خَیْرَ اِلَّا خَیْرُ الْاٰخِرَۃِ۔ فَبَارِکْ فِی الْاَنْصَارِ وَالْمُھَاجِرَۃِ۔ اے خدا آخرت کی بھلائی ہی اصل بھلائی ہے سو انصار اور مہاجروں کو برکت دے۔ قوم کا بادشاہ اور قوم کا ہادی مگر اس کی

مصیبت کے وقت اس کے ادنےٰ مزدوروں میں کام کرنے والا ایک ہی انسان دنیا میں ہوا ہے اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ وَّ بَارِکْ وَسَلِّمْ۔ مزدوری کرلینا ایک مسلمان کا فخر ہے۔ کیونکہ خود سید البشر نے یہ کام کیا ۔

اگر آپ بادشاہوں میں سب سے زیادہ دانا بادشاہ ہیں تو مزدوروں میں بھی سب سے زیادہ بہادر مزدور ہیں ۔ اور یہ ایک عجیب شعبہ آنحضرت صلعم کی زندگی کا ہے ۔ اس خندق کے کھودنے میں ایک جگہ سخت پتھر آگیا سب زور آزمائی کر چکے لیکن پتھر نہ ٹوٹا ۔ آپ سے عرض کی گئی کہ خندق کو وہاں سے پھیرنے کی اجازت دی جائے آپ اُٹھے پھاوڑا دست مبارک میں لیا ۔ اور خندق میں اُتر کر اس زور سے مارا کہ پتھر میں شق آگئی ۔ ساتھ ہی اس کے ایک روشنی نکلی ۔ جس پر آپ نے اللہ اکبر کہا اور سب صحابہ نے اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا ۔ فرمایا مجھے شام کی کنجیاں دی گئیں پھر آپ نے دوسری ضرب لگائی اور پتھر اور بھی زیادہ پھٹ گیا ۔ پھر روشنی نمودار ہوئی اور اللہ اکبر کا نعرہ بلند ہوا اور آپ نے فرمایا مجھے فارس کی کنجیاں دی گئیں ۔ تیسری مرتبہ یہی واقعہ ہوا اور پتھر ٹوٹ گیا ۔ اللہ اکبر کی آواز بلند ہوئی اور آپ نے فرمایا مجھے یمن کی کنجیاں دی گئیں اور آپ نے یہ بھی فرمایا کہ پہلی مرتبہ مجھے قیصر کے محل دکھائے گئے یعنی شام کے اور دوسری مرتبہ مدائن میں کسریٰ کے محل دکھائے گئے اور تیسری دفعہ صنعا کے محل دکھائے گئے اور فرمایا کہ جبرئیل نے مجھے ابھی اطلاع دی ہے کہ میری اُمت ان پر غالب آئے گی ۔ چوبیس ہزار دشمن مٹھی بھر مسلمانوں کو تباہ کرنے کے لئے مدینہ کے قریب پہنچ چکا ہو ۔ سارا عرب محمد رسول اللہ صلعم کے خون کا پیاسا ہوا اس وقت یمن ایران اور روم کی بادشاہت کے نظارے دکھائے جائیں ۔ یہ انسان کے وہم و گمان سے بالاتر باتیں ہیں ۔ عالم الغیب ہستی کے سوائے ان قدرت کے ازدل کو ایسے وقت کون ظاہر کر سکتا تھا جب اسلام کی زندگی کی کوئی اُمید ظاہری ان کو

باقی نہ رہی تھی ؂

چوبیس ہزار فوج تین حصوں میں تقسیم ہو کر مدینہ پر اس زور سے حملہ آور ہوئی کہ واقعی مدینہ کی زمین میں زلزلہ آ گیا۔ قرآن کریم نے جن الفاظ میں اس جنگ کا نقشہ کھینچا ہے۔ وہ بتاتا ہے کہ اس وقت مدینہ کی کیا حالت تھی اور عام لوگوں کے کیا خیالات تھے۔ اِذْ جَاۗءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَـنَاجِرَ وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا ۝ هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا ۝ (الاحزاب ۱۰-۱۱) جب دشمن تم پر اوپر کی طرف سے اور نیچے سے یعنی چاروں طرف سے اُمنڈ آئے اور جب آنکھیں پتھرا گئیں اور کلیجے مُنہ کو آ گئے اور تم خدا کی نسبت طرح طرح کے گمان کرنے لگے تب مومن آزمائش کی کٹھالی میں ڈالے گئے اور ایک خطرناک زلزلہ ان پر آیا۔ مگر سچے مومنوں کے دلوں کی حالت کیا تھی۔ وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ ۙ قَالُوْا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ۡ وَمَا زَادَهُمْ اِلَّآ اِيْمَانًا وَّتَسْلِيْمًا ۝ اور جب مومنوں نے متحدہ فوجوں کے ٹڈی دل کو دیکھا تو کہا یہ وہی ہے جو اللہ اور اس کے رسول نے ہمارے ساتھ وعدہ کیا تھا اور اللہ اور اس کے رسول نے سچ فرمایا اور اس بات نے ان کے ایمان اور اطاعت کو اور بھی بڑھا دیا۔ یعنی مسلمانوں نے دیکھ لیا کہ کفر نے اب اپنا پورا زور لگا لیا ہے۔ اب ان کا زور ٹوٹ جائے گا اور اسلام کامیاب ہو گا ؂

بنظر احتیاط مستورات کو محفوظ قلعوں میں بھیج دیا گیا۔ اور چونکہ یہود کے حملے کا خطرہ تھا اس لئے کچھ انتظام ان کی حفاظت کا کر دیا گیا۔ ایک مہینہ تک مدینہ محصور رہا صحابہؓ اور خود آنحضرت صلعم کو اس اثنا میں سخت فاقے برداشت کرنے پڑے۔ دو دو تین تین وقت کھانا نہ ملتا تو پیٹوں پر پتھر باندھ لیتے۔ بایں ہمت اس قدر بلند تھی کہ ایک دن نبی کریم صلعم نے انصار کو کہا کہ تم پسند کرو تو ہم قبیلہ غطفان کے ساتھ ایک

تہائی مدینہ کی پیداوار دینے کی شرط پر صلح کرلیں اور اس طرح کفار کا زور ٹوٹ جائے۔ انہوں نے عرض کیا کہ غیروں کو خراج تو ہم نے زمانہ کفر میں بھی نہیں دیا۔ اب ہم ان سے نہیں دب سکتے جو کچھ بھی ہو ہم جنگ کریں گے۔ منافق اور یہودی اس تاک میں تھے کہ باہر سے دشمن کا زور ہو تو اندر سے یہ اٹھ کھڑے ہوں اور مسلمانوں کو کوئی فرار یا حفاظت کی راہ نہ ملے پہلے ایک ایک دو دو کے مقابلے ہوتے رہے جن میں مسلمانوں کا پلہ بھاری رہا۔ عَمرُو بنِ وُدّ ایک مشہور عرب کا پہلوان جو ایک ہزار آدمی کے برابر سمجھا جاتا تھا۔ حضرت علی کے ہاتھ سے مارا گیا۔ آخر کفار نے پورے زور سے حملہ کیا۔ خندق کی وجہ سے وہ زیادہ تعداد میں آگے نہ بڑھ سکتے تھے۔ مگر تیروں اور پتھروں کا مینہ اس قدر تھا کہ مسلمان اگر نہایت درجہ کی ثابت قدمی نہ دکھاتے تو دشمن کامیاب ہو جاتا۔ آخر مسلمانوں کی ثابت قدمی پھل لائی۔ چوبیس ہزار فوج بے دست و پا پڑی پڑی تھک گئی۔ اتنی فوج کو رسد ہم پہنچانا بھی ایک نہایت دشوار کام تھا۔ کچھ اس سے فوج میں بے اطمینانی پھیلی کچھ قدرت کی طاقتیں مسلمانوں کی معاون ہوگئیں۔ سردی کا موسم تھا۔ ایک خطرناک آندھی رات کے وقت چلی۔ جس سے خیموں کی طنابیں اکھڑ گئیں۔ چولھوں پر دیگچیاں الٹ گئیں۔ فَاَرْسَلْنَا عَلَیْهِمْ رِیْحًا وَّجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا۔ ہم نے ان پر ہوا بھیجی اور ایک لشکر جس کو تم نہیں دیکھتے تھے۔ اس ہوا اور لشکر نے وہ کام کیا جو مسلمان نہ کرسکتے تھے چوبیس ہزار آدمی نے قدرت کی طاقتوں کو اپنے خلاف دیکھ کر دل چھوڑ دیا۔ اور راتوں رات بھاگ اٹھے صبح ہوئی تو شہر کا ارد گرد خالی پڑا تھا۔ یہ تھی خدائی نصرت جس نے چند مسلمانوں کو بڑی دشمنوں کے ٹڈی دل لشکر سے اور اندرونی دشمنوں کی سازشوں سے بال بال بچایا۔ اور کفر اپنا سارا زور اسلام کے خلاف صرف کر کے ہمیشہ کے لئے ان حملوں سے مایوس ہو گیا۔

اُنیسواں باب

یہودیوں اور مسلمانوں کے تعلقات

قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ وَمَا تُخْفِیْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ (آل عمران ۱۱۸)

ہم دیکھ چکے ہیں کہ یہودیوں کا مدینہ کے اندر ایک طاقتور عنصر تھا۔ اور چونکہ یہ ایک تجارت پیشہ اور سود خوار قوم تھی اس لئے دولتمند تھے۔ اور انصار ان کے مقروض بھی رہتے تھے۔ پھر علم میں بھی وہ انصار سے بڑھ کر تھے۔ غرض ہر قسم کی فوقیت حاصل تھی۔ آنحضرت صلعم کی مدینہ تشریف آوری پر یہودیوں نے آنحضرت صلعم سے معاہدہ کیا تھا جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے مگر اسلام کی روز افزوں ترقی کو دیکھ کر ان میں حسد کی جلن پیدا ہوئی۔ اور منافقوں کے ساتھ مل کر اندر ہی اندر طرح طرح کی کوششیں مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کی کرتے۔ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ہتک آمیز اور بیہودہ کلمات کہنے سے نہ رکتے۔ رَاعِنَا (ہماری رعایت کیجئے) کو مروڑ کر رَعِنَ (احمق ہے) کہہ دیتے۔ السّلام علیکم کی جگہ السَّامُ علیکم (تم پر موت آئے) کا لفظ استعمال کرتے بعض نے ان میں سے منافقانہ روش اختیار کر لی بعض نے ایسے منصوبے بھی سوچے کہ بظاہر اسلام میں داخل ہو کر پھر جائیں تو دوسروں کے دل پر بُرا اثر پڑے گا اور شاید بہت سے مسلمان مرتد ہو جائیں۔ آہستہ آہستہ ان کی عداوت نے یہاں تک ترقی کی کہ در پردہ اسلام کے پورے دشمن ہو گئے مسلمان عورتوں کے ساتھ شعروں میں تشبیب کرتے۔ شرافت سے ایسا نیچے گر گئے کہ چھیڑ چھاڑ سے بھی نہ ٹلتے۔ مدینہ کے بازار میں ایک مسلمان عورت کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کرنے کا یہ نتیجہ ہوا کہ ایک یہودی اور ایک مسلمان مارا گیا اور دونوں قوموں

میں جنگ ہوگئی۔ یہ جھگڑا بنی قینقاع کیساتھ ہوا۔ اور انہوں نے اپنی طاقت کے گھمنڈ میں آکر یہ کہا کہ ہم قریش کی طرح نہیں مسلمانوں کو ہمارے ساتھ واسطہ پڑے گا۔ تو معلوم ہوگا۔ جو معاہدہ آنحضرت صلعم کے ساتھ ان کا تھا اس کو توڑ دیا۔ اور جنگ کا فیصلہ کر کے قلعہ گزین ہوگئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی لڑائی کی تیاری کی۔ اور ان کے قلعوں کا محاصرہ کر لیا۔ پندرہ دن محصور رہنے کے بعد اس پر راضی ہوئے کہ جو فیصلہ آنحضرت صلعم کریں وہ منظور ہے۔ آپ نے فرمایا کہ مدینہ چھوڑ جاؤ۔ چنانچہ یہ لوگ شام کے علاقہ میں جا آباد ہوئے۔ یہ جنگ بدر سے ایک ماہ بعد کا واقعہ ہے۔

بنو نضیر نے باوجود معاہدہ کے شروع سے قریش کے ساتھ سازباز رکھی جنگ بدر سے پہلے قریش نے ان کو خط لکھا تھا کہ تم محمد صلعم کو قتل کردو۔ کھلے طور پر ایسا کرنے کی ان میں طاقت نہ تھی۔ اس لئے طرح طرح کے خفیہ ذرائع سے وہ اسلام کے خلاف منصوبوں میں شامل رہتے۔ اسلام کے دشمنوں کے ساتھ انہوں نے پورا تعلق رکھا ہوا تھا۔ ایک دفعہ انہوں نے نبی کریم صلعم کو بلا کر قتل کرنا چاہا۔ آپ نے ایسے ایسے واقعات کو دیکھکر ان سے کہا کہ تمہارا مدینہ میں رہنا اب اُسی صورت میں ہوسکتا ہے کہ تجدید معاہدہ کرو۔ بنو قریظہ نے تجدید معاہدہ کر بھی لی حالانکہ ان کی طرف سے اب تک ایسی شرارتیں نہ ہوئی تھیں۔ مگر بنو نضیر نے تجدید معاہدہ سے انکار کیا جس سے معلوم ہوا کہ وہ اب علانیہ اسلام کی دشمنی پر آمادہ ہوگئے ہیں۔ ادھر عبد اللہ بن اُبی رئیس منافقین نے ان کو وعدہ دیا تھا کہ میں تمہاری مدد کروں گا۔ اس لئے وہ اور بھی مخالفت پر اڑ گئے۔ یہ زمانہ جنگ اُحد کے بعد کا ہے۔ جب چاروں طرف سے اسلام کے دشمن اُٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ باہر کے دشمن تو حملہ کر کے آسکتے تھے اور اس کی اطلاع مل سکتی تھی مگر یہ اندرونی دشمن نہایت خطرناک تھے دشمنو

کے ساتھ ان کے تعلقات دوستانہ تھے اس لئے ان کا معاہدہ کی تجدید سے انکار کرنا اعلان جنگ کے ہم معنی تھا علاوہ بریں خود رسول اللہ صلعم کو دھوکہ دے کر قتل کرنے کی کوشش کر چکے تھے۔ مجبوراً آنحضرت صلعم کو ان کا محاصرہ کرنا پڑا۔ بالآخر تصفیہ اس پر ہوا کہ بنو نضیر مدینہ چھوڑ جائیں اور جس قدر مال و اسباب اپنے اونٹوں پر لے جاسکتے ہیں لے جائیں۔ ان میں سے بعض لوگ خیبر میں آباد ہو گئے۔

جنگ احزاب میں قریش اور عرب کے قبائل کو اُکسانے میں بنو نضیر نے بڑا کام کیا۔ اور چاروں طرف دوڑے پھرتے رہے۔ بنو قریظہ جن کا تعلق اب تک مسلمانوں سے اچھا رہا تھا۔ ان کو بھی انہوں نے اُکسایا۔ اول اول بنو قریظہ نے اسلام کے دشمنوں سے ملنے سے انکار کیا۔ مگر حیی کا جادو چل گیا۔ اس نے ان کو سمجھایا کہ اس ٹڈی دل کے سامنے جواب مسلمانوں پر چڑھ کر آیا ہے مسلمان بچ نہیں سکتے تمہارے لئے اب فیصلہ کرنے کا وقت ہے اور یہ بھی کہا کہ اگر قریش یوں ہی واپس ہو گئے تو میں خود تمہارے قلعہ میں چلا آؤں گا۔ آخر بنو قریظہ نے نبی کریم صلعم کے ساتھ معاہدہ کو توڑ کر قریش کے ساتھ معاہدہ کیا کہ جنگ احزاب میں وہ بھی ان کی اعانت کرینگے۔ اور معاہدہ تحریر تک ہی محدود نہیں رہا بلکہ عملاً بنو قریظہ نے جنگ احزاب میں حصہ لیا۔ قرآن شریف نے بھی اس کا ذکر سورہ احزاب میں کیا ہے۔ اَلَّذِیْنَ ظَاھَرُوْھُمْ مِنْ اَھْلِ الْکِتَابِ یعنی اہل کتاب میں سے وہ لوگ جنہوں نے ان (کفار) کی مدد کی۔ تاریخ سے بھی ان کے جنگ میں حصہ لینے کی صاف شہادت ملتی ہے۔ بلکہ انہوں نے مسلمانوں کی مستورات پر بھی حملہ کرنا چاہا تھا۔ یہ موقعہ مسلمانوں کے لئے نہایت نازک تھا۔ کیونکہ چوبیس ہزار فوج باہر ان کے کچلنے کے لئے پڑی تھی۔ منافقوں کی طرف سے بھی اطمینان نہ تھا۔ اب بنو قریظہ کی اس غداری سے مشکلات دہ چند ہو گئیں اس لئے غزوہ احزاب کے اختتام پر نبی کریمؐ ان کی سزا دہی کے لئے نکلے۔ اور ان کا محاصرہ کیا

کچھ مقابلہ کے بعد انہوں نے کہا کہ ہم کو سعدؓ بن معاذ کا جو پہلے ان کے حلیف تھے فیصلہ منظور ہے۔ اگر یہ لوگ خود نبی کریم صلعم کے فیصلے پر راضی ہوتے تو غالباً آپ اُن سے وہی معاملہ کرتے جو ان سے پہلے بنو قینقاع اور بنو نضیر سے کیا تھا یعنی ان کو جلاوطن کر دیتے مگر حضرت سعدؓ کو ان کی خطرناک غداری پر اس قدر رنج تھا۔ کہ انہوں نے توریت کے فیصلہ کو جس سے وہ انکار نہیں کر سکتے تھے۔ ان کے حق میں عائد کیا۔ توریت میں ہے۔ کہ جب غنیم صلح پر راضی نہ ہو اور اس کا محاصرہ کیا جائے اور پھر تیرا خدا تجھ کو ان پر قبضہ دلا دے تو جس قدر مرد ہوں ان سب کو قتل کر دے باقی بچے عورتیں جانور اور جو چیزیں شہر میں موجود ہوں سب تیرے لئے مال غنیمت ہونگی"۔ (استثناء ۲۰: ۱۰) چنانچہ سعدؓ نے یہ فیصلہ دیا کہ بنو قریظہ کے مرد جو تعداد میں قریباً تین سو تھے قتل کر دیئے جائیں عورتیں اور بچے قید ہوں مال و اسباب غنیمت قرار دیا جائے۔ یہ وہی فیصلہ تھا جو خود یہود اپنے دشمنوں پر عاید کرتے تھے باایں جس قدر خطرناک غداری کا ارتکاب انہوں نے کیا۔ آج اس تہذیب کے زمانہ میں بھی کوئی قوم اس قسم کی غداری کرے تو اس سے نرم سلوک اس سے نہ کیا جائے گا پھر اول تو فیصلہ اس شخص کا جسے انہوں نے خود منصف مانا۔ دوسرے وہ فیصلہ توریت کے عین مطابق اور توریت ان کی اپنی آسمانی کتاب۔ تیسرے ان کی غداری خطرناک سزا کو چاہتی تھی۔ پس اس فیصلہ کی بنا پر آنحضرت صلعم پر اعتراض کرنا نادانی ہے۔ یہود کی شریعت کے مطابق یہ فیصلہ جس پر مخالفین اسلام اس قدر واویلا کرتے ہیں یہ بھی بتاتا ہے کہ شریعت اسلامی کس قدر رحم لے کر آئی اور شریعت موسوی کی تنسیخ کی کس قدر ضرورت تھی +

جنگ خیبر کا واقعہ گو صلح حدیبیہ کے بعد کے زمانہ کا ہے۔ مگر اس کا ذکر بھی اسی جگہ یہودیوں اور مسلمانوں کے باہمی تعلقات میں زیادہ موزوں ہے۔ نبی

نضیر جب مدینہ سے جلا وطن ہوئے تو ان کا بڑا حصہ بالخصوص سرگروہ خیبر میں جا آباد ہوئے۔ خیبر مدینہ سے کوئی دو سو میل کے فاصلہ پر ہے۔ عرب میں یہودیوں کا خاص مقام تھا۔ اور یہاں ان کے متعدد قلعے تھے۔ اور حکومت بھی ان کی اپنی تھی۔ بنی نضیر کے وہاں جانے سے اسلام کے خلاف ان لوگوں کے دلوں میں عداوت کا بیج بویا گیا حُیّی نے خود پھر کر جنگ احزاب کے لئے اہل مکہ کو قبیلہ غطفان اور دیگر قبائل کو اُکسایا تھا۔ بلکہ بنو قریظہ کو بھی اپنے ساتھ ملایا تھا۔ جنگ احزاب میں قریش کی ناکامی کے ساتھ گو اسلام کا قدم مدینہ میں مضبوط ہو گیا مگر یہودیوں کے دلوں میں عداوت روز افزوں ترقی پر تھی۔ عبداللہ بن اُبَیّ رأس رئیس منافقین کی ان کے ساتھ خط و کتابت تھی۔ اور وہ برابر ان کو اُکساتا رہتا تھا کہ تم محمد صلعم کی طاقت کا مقابلہ کر سکتے ہو۔ چنانچہ ۶ سنہ ہجری کے آخر جب مسلمانوں کو قریش نے حج سے روک دیا۔ اور آنحضرت صلعم کو کمزور شرائط پر قریش کے ساتھ صلح کرنی پڑی۔ تو یہودیوں نے پھر قبیلہ غطفان کے ساتھ مدینہ پر حملہ کرنے کے لئے سازش کی۔ نبی کریم صلعم کو اس سازش کی خبر پہنچی تو آپ نے پہلے اس خبر کی تصدیق کی۔ اور تصدیق کر لینے کے بعد آپ ۱۶۰۰ صحابہ کو ساتھ لے کر خیبر کی طرف بڑھے۔ اور مقام رجیع میں فوجیں اُتاریں جو خیبر اور غطفان کے درمیان تھا۔ اس طرح پر غطفان یہود کی اعانت کو نہ پہنچ سکے بلکہ ان کو خود اپنے گھر کی فکر پڑ گئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خیال تھا کہ یہودی مسلمانوں کی قوت کو دیکھ کر صلح کر لینگے مگر جب آپ خیبر پہنچے تو یہ لوگ جنگ کے لئے پوری طرح تیار تھے اس لئے جنگ شروع ہو گئی۔ اور کچھ قلعے فتح ہو گئے مگر قموص کا قلعہ ایک نہایت مضبوط قلعہ تھا اور اس میں فوج بھی بڑی زبردست تھی۔ یہ قلعہ کوئی بیس دن کے محاصرہ کے بعد حضرت علی کے ہاتھ پر فتح ہوا۔ فتح کے بعد یہود نے آنحضرت صلعم

سے درخواست کی کہ مفتوحہ زمین نصف پیداوار کے دینے کی شرط پر انہی کے قبضہ میں رہنے دی جائے۔ آنحضرت صلعم نے اس درخواست کو منظور کیا اور یہودیوں کو وہاں سے بیدخل نہیں کیا۔ حالانکہ آپ جانتے تھے کہ یہ لوگ شریر ہیں اور اسلام کے خلاف شرارتیں کرنے سے باز نہیں آئیں گے۔ چنانچہ فتح کے بعد ان کی سب سے پہلی شرارت یہی ہے کہ بڑے بڑے یہودیوں کے مشورہ سے زینب بنت الحارث نے جو ایک یہودی رئیس کی بیوی تھی جو قتل ہو چکا تھا آنحضرتؐ کی دعوت کی۔ اور کھانے میں زہر ملا دیا۔ اللہ تعالیٰ نے چونکہ اپنے نبی کو محفوظ رکھنا تھا۔ اس لیے آپ نے ایک لقمہ اٹھا کر ہاتھ روک لیا مگر ایک صحابی بشر بن براء جنہوں نے سیر ہو کر کھانا کھا لیا۔ زہر کے اثر سے فوت ہو گئے۔ چونکہ ان کی شرارتیں حضرت عمرؓ کے زمانہ تک نہ رکیں حتیٰ کہ خود آپ کے فرزند عبداللہ کو انہوں نے کوٹھے سے گرا دیا۔ اس لیے آخر کار حضرت عمرؓ نے ان کو جلا وطن کر کے ملک شام میں بھیج دیا اور ملک عرب کو ہمیشہ کے لئے ان کی منصوبہ بازیوں سے پاک کر دیا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تو رحم مجسم تھے۔ آپ نے چاہا کہ اس قوم کی بھی دلجوئی کی جائے۔ شاید یہ اس طرح شرارتوں سے باز آجائیں زہر دینے کے واقعہ پر بھی آپ نے کوئی سزا عام طور پر یہود کو نہیں دی البتہ بشر کے فوت ہو جانے پر زینب کو بطور قصاص مروا ڈالا۔ حالانکہ آپ کی جان لینے کی کوشش ایک ایسا جرم تھا کہ اس پر ساری قوم کو تباہ کر دیا جاتا تو ان حالات میں جائز تھا۔ مگر آپ چاہتے تھے کہ کسی طرح اس قوم کی اصلاح ہو جائے اور ان کی عداوت اسلام کے ساتھ کم ہو جائے اس لئے آئندہ اس قسم کی شرارتوں کا سدباب کرنے کے لئے آپ نے ان سے خاص تعلق پیدا کرنا چاہا چنانچہ جب آپ کو علم ہوا کہ کنانہ ان کے سردار کی بیٹی صفیہؓ بھی غنیمت میں آکر کسی صحابی کے حصہ میں

آگئی ہیں تو آپ نے ان کو آزاد کر کے خود ان سے نکاح کر لیا۔ مال غنیمت میں جو یہودیوں کے خزانوں کے قصے آتے ہیں وہ سب فرضی ہیں۔ مال غنیمت کا اندازہ اسی سے ہو سکتا ہے کہ جب آنحضرت صلعم نے حضرت صفیہؓ سے نکاح کیا تو دعوت ولیمہ دینے کے لیئے آپ کے پاس کچھ نہ تھا اور آپ نے صحابہؓ کو حکم دیا کہ اپنا اپنا کھانا لے آئیں اور اکٹھے مل کر کھالیں۔ چنانچہ اس دسترخوان پر کھجور اور ستو کے سوا کچھ نہ تھا۔ "یہ اس دعوت ولیمہ کا حال ہے جس میں ایک فاتح بادشاہ کی شادی ایک شہزادی کے ساتھ ہوتی ہے۔" تقسیم مال غنیمت میں علاوہ قیدیوں کے جو مال تقسیم ہوا وہ بھی سوائے کھجوروں کے کچھ نہ تھا۔ یہودیوں کی ان تمام منصوبہ بازیوں کے باوجود جو وہ پیغمبر اسلام کے برخلاف کرتے رہے مسلمانوں نے ہمیشہ اس قوم کی حفاظت کی ہے اور دنیا میں اگر ان کو کہیں امن ملا ہے تو مسلمانوں کے ماتحت ملا ہے۔

بیسواں باب

صلح حدیبیہ

إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا ۝ لِّيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِن ذَنبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ وَيُتِمَّ
نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيمًا ۝ وَيَنصُرَكَ اللَّهُ نَصْرًا عَزِيزًا ۝ (الفتح - ۱-۳)

غزوہ احزاب نے جو سنہ ۵ ہجری کے آخر میں ہوا۔ یہ ثابت کر دیا کہ اسلام کے اندر یا اس کے پیچھے کوئی ایسی غیبی طاقت ہے کہ عرب کی متفقہ قوت بھی اس کو تباہ کرنے کے قابل نہیں۔ قریش نے اپنا پورا زور پہلے جنگ بدر میں اور پھر جنگ احد میں لگایا مگر اسلام کا کچھ نہ بگاڑ سکے۔ قبائل عرب نے علیحدہ علیحدہ کوشش کر کے دیکھ لیا۔ اسلام کے مضبوط قدم کو جنبش نہ دے سکے۔ منافقوں اور یہودیوں نے اندر سے اسلام کو تباہ کرنا چاہا نامراد رہے۔ بالآخر قریش۔ قبائل عرب یہودی منافق۔ بیرونی اور اندرونی کل دشمنوں نے ایک متفقہ کوشش کی مگر وہی ناکامی ان کے حصہ میں آئی جو پہلے آتی رہی تھی۔ یہ قریش کی آخری کوشش تھی۔ اس کے بعد ان کو مدینہ پر حملہ آور ہونے کی جرأت نہیں ہوئی جن لوگوں کے کان ہمیشہ اس آواز سے آشنا رہے ہیں کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلایا گیا۔ ان واقعات کو پڑھکر جن کا اعتراف دشمن و دوست کو یکساں ہے۔ وہ معلوم کرینگے کہ یہ کیسا الٹا اتہام اسلام پر ہے۔ حق یہ ہے کہ اسلام تلوار کے زور سے نہیں پھیلایا گیا بلکہ باوجود تلوار کے زور کے پھیلا۔ کسی مذہب نے اس طاقت کا ثبوت نہیں دیا جس طاقت کا ثبوت اسلام نے دیا ہے کہ چاروں طرف سے تلواریں اس پر پڑتی ہوں۔ مگر یہ سب اس کی تباہی نہیں بلکہ اس کی ترقی کا موجب ثابت ہوتی ہوں۔ تین حملے جو

پانچ سال کے عرصہ میں یکے بعد دیگرے مدینہ پر ہوئے جن کی غرض اسلام کو اور مسلمانوں کو نیست و نابود کرنا تھا جن میں پہلے سے دوسرا اور دوسرے سے تیسرا بڑھ کر شدت اور زور سے ہوا۔ وہ اسلام کا کچھ نہیں بگاڑ سکے بلکہ مسلمانوں کی تعداد میں روز افزوں ترقی نظر آتی ہے۔ اگر بدر میں تین سو تیرہ آدمی نکلتے ہیں تو ایک سال بعد اُحد میں سات سو آدمی ہیں اور دو سال بعد احزاب کے مقابلہ میں ڈیڑھ دو ہزار سے کم جمعیت نہیں پس جتنی زیادہ کوشش اعدائے اسلام اسلام کے نیست و نابود کرنے کیلئے کرتے تھے۔ اسی قدر یہ خدا کے ہاتھ کا لگایا ہوا پودہ زیادہ سرسبز ہوتا جاتا تھا۔ کوئی آندھی اس کی جڑوں کو ہلا نہ سکی کوئی بادسموم کا جھونکا اس کی سرسبز شاخوں کو جلا نہ سکا بلکہ یہ تمام مخالفت کھاد کا ہی کام دیتی رہی۔

جنگ اُحزاب پر قریباً ایک سال کی مدت گزر گئی۔ موسم حج قریب آیا۔ نبی کریم صلعم نے رؤیا میں دیکھا کہ آپ اپنے صحابہ سمیت خانہ کعبہ کا حج کر رہے ہیں۔ آپ نے خیال کیا کہ اب قریش اور قبائل عرب اپنا اپنا زور صرف کر کے دیکھ چکے ہیں کہ وہ اسلام کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ اس لئے صداقت اسلام ضرور انکے دلوں میں گھر کر چکی ہوگی دوسری طرف خانہ کعبہ کا حج ایک ایسا امر تھا کہ جس سے کبھی خطرناک سے خطرناک دشمن کو نہ روکا گیا تھا۔ اس لئے کوئی وجہ نہ تھی کہ کفار حج کرنے میں آپ کے مزاحم ہوں۔ سو آپ تیرہ چودہ سو کے درمیان صحابہ کے ساتھ ذیقعد ۶ہجری میں عُمرہ کے لئے عازم مکہ ہوئے۔ مزید احتیاط کے لئے آپ نے حکم دیا کہ جنگ کے ہتھیار اور سامان ساتھ نہ لیا جائے تاکہ قریش کے دلوں میں کسی قسم کی تشویش پیدا نہ ہو۔ اور مزاحمت کے لئے بہانہ نہ بنالیں۔ صرف تلوار اور وہ بھی نیام میں ساتھ رہے۔ کیونکہ یہ ایک ایسی چیز تھی جس کو عرب کسی حالت میں نہ چھوڑتے تھے۔ چودہ سو جاں نثاروں کے ساتھ آپ روانہ ہوئے۔ قربانی کے جانور ساتھ تھے۔ عُمرہ کا احرام آپ نے

اور آپ کے ساتھیوں نے باندھ لیا۔ مکہ معظمہ کے قریب پہنچ کر معلوم ہوا کہ قریش مقابلہ کے لئے تیار ہو کر نکل آئے ہیں۔ قبیلہ خزاعہ اسلام نہ لایا تھا مگر اسلام کے حامیوں میں سے تھا اس کے رئیس بُدَیل نے آنحضرت صلعم کو قریش مکہ کے ارادہ سے خبر دی آپ نے اسے قاصد بنا کر قریش کے پاس بھیجا کہ وہ ان کو کہہ دیں کہ ہم جنگ کے ارادہ سے نہیں آئے بلکہ صرف حج کے ارادہ سے آئے ہیں اور بہتر ہے کہ قریش ایک مدت کے لئے ہمارے ساتھ صلح کر لیں اور خود حُدَیبیہ کے مقام پر جہاں ایک کنواں تھا نزول فرمایا۔ یہ مقام مکہ معظمہ سے ایک منزل کے فاصلہ پر ہے۔

بُدَیل نے آنحضرت صلعم کا پیغام قریش کو پہنچایا تو تجربہ کار لوگوں کو جو دیکھ چکے تھے کہ ان کی ساری طاقت بھی اسلام کا کچھ نہیں بگاڑ سکی یہ تحریک پسند آئی کیونکہ خود ان کی تجارت ملک شام سے بھی رُکی ہوئی تھی۔ عُروہ نے کہا مجھے جا کر محمد صلعم سے گفتگو کرنے دو چنانچہ وہ آنحضرت صلعم کی خدمت میں آیا۔ اور آپ سے کچھ بات چیت کی اور یہ بھی کہا کہ اگر آپ کو مصیبت پڑی تو یہ لوگ جو آپ کے ساتھ اکٹھے ہوئے ہوئے ہیں گرد کی طرح اُڑ جائیں گے۔ حضرت ابو بکرؓ کو اس پر غصہ آیا اور آپ نے اس کو سختی سے جواب دیا۔ اتفاق سے نماز کا وقت آگیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا تو صحابہ کے عشق کی یہ حالت تھی کہ آپ کے وضو کا پانی زمین پر نہ گرنے پاتا تھا۔ عُروہ اس عشق کی حالت کو دیکھ کر حیرت زدہ رہ گیا۔ بات تو کوئی طے نہ ہوئی مگر اس اثر کو عُروہ ساتھ لے گیا اور قریش سے کہا کہ میں نے قیصر و کسریٰ کے دربار دیکھے ہیں مگر جو جان نثار محمد رسول اللہ صلعم کو ملے ہیں اس کی نظیر میں نے کہیں نہیں دیکھی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر ایک روز قاصد قریش کے پاس بھیجا مگر اس کے ساتھ انہوں نے یہ سلوک کیا کہ اس کی سواری کے اونٹ کو مار ڈالا۔

اور ایک دستہ فوج کا مسلمانوں پر ناگہاں حملہ کرنے کے لئے نکلا۔ مگر خود گرفتار ہو گئے۔ آپ کی غرض چونکہ جنگ نہ تھی۔ اس لئے آپ نے ان کو چھوڑ دیا۔ اور بالآخر حضرت عثمانؓ کو سفیر بنا کر قریش کے پاس بھیجا جن کا مکہ میں اچھا رسوخ تھا مگر قریش نے ان کو نظر بند کر لیا۔ اور یہ خبر مشہور ہو گئی کہ حضرت عثمان مارے گئے۔ اب آنحضرت صلعم نے سمجھا کہ کفار جنگ پر تلے ہوئے ہیں۔ موقع بڑا نازک تھا۔ ہتھیار سامان جنگ ساتھ نہیں۔ قریش اپنے گھر میں ہیں۔ آدمی بھی مقابلہ میں ساتھ بہت تھوڑے ہیں۔ مگر اللہ تعالےٰ کی حفاظت پر اس قدر یقین تھا کہ جب بار بار صلح کے پیغاموں کی پروا قریش نے نہ کی تو آخر آپ نے بھی صحابہ سے یہ عہد لیا کہ اسلام کی حفاظت کے لئے اپنی جانوں کی پروا نہ کریں گے۔ پیٹھ دکھانا مسلمانوں کا شیوہ نہ تھا۔ ایک ببول کے درخت کے نیچے تمام صحابہ سے جاں نثاری کی بیعت لی جو بَیعَتُ الرِّضوَان کے نام سے مشہور ہے۔ سب لوگوں نے عہد کیا کہ اگر کفار نے جنگ کی تو ہم اپنی جانوں کو فدا کر دیں گے۔ مگر باوجود رسول اللہ صلعم پر اس قدر جاں نثاری کے توحید کا اس قدر غلبہ خیالات پر تھا کہ بعد کے زمانہ میں جب لوگوں نے اس درخت کی زیارت شروع کر دی جہاں ایسا اہم واقعہ پیش آیا تھا تو حضرت عمرؓ نے اس درخت کو کٹوا دیا۔

قریش مسلمانوں کے ہاتھ تو بارہا دیکھ چکے تھے ان کو جب یہ پتہ لگا کہ مسلمان مرنے مارنے پر تیار ہیں۔ تو صلح کے شرائط طے کرنے کے لئے سُہیل بن عمرو کو سفیر بنا کر بھیجا۔ مگر ساتھ یہ قید لگا دی کہ اس سال ہم قطعاً حج کی اجازت نہ دینگے سُہیل نے یہاں آکر چند شرائط طے کیں جن میں مسلمانوں کو ایک مغلوب فریق کی حیثیت دی گئی۔ یہ معاہدہ دس سال کے لئے تھا۔ اور بڑی شرائط یہ تھیں +

۱۔ مسلمان اس سال بغیر حج کئے واپس چلے جائیں +

۲۔ اگلے سال آئیں مگر تین دن سے زیادہ مکہ میں قیام نہ کریں +

۳- مکہ میں جو مسلمان ہیں ان کو ساتھ نہ لے جائیں اور مسلمانوں میں سے کوئی مکہ میں رہنا چاہے تو اس کو نہ روکیں +

۴- مکہ والوں میں سے اگر کوئی شخص مدینہ جائے تو مسلمان پابند ہوں گے کہ اس کو واپس کر دیں لیکن اگر مسلمانوں میں سے کوئی مکہ میں چلا جائے تو قریش اسے واپس نہ کریں گے +

۵- قبائل عرب کو اختیار ہوگا کہ جس فریق کے ساتھ چاہیں شریک معاہدہ ہو جائیں-

معاہدہ لکھنا شروع ہوا تو اول بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ پر اعتراض ہوا کہ ہم بِاسْمِكَ اللّٰهُمَّ جو عرب میں مروج چلا آتا تھا لکھیں گے۔ آنحضرت صلعم نے اس کو منظور کر لیا- پھر جب یہ لکھا گیا کہ یہ معاہدہ مابین محمد رسول اللہ اور فلاں کے ہے تو سُہیل نے پھر اعتراض کیا کہ ہم آپ کو رسول اللہ مانتے تو یہ جنگیں کیوں ہوتیں حضرت علی نے جو معاہدہ لکھ رہے تھے عرض کیا کہ میں رسول اللہ کا لفظ اپنے ہاتھ سے نہیں مٹا سکتا- تو آنحضرت صلعم نے جگہ بتانے پر خود اس کو مٹا دیا- اور اس کی جگہ محمد بن عبد اللہ لکھا گیا +

یہ شرائط مسلمانوں کو سخت ناگوار گزریں مگر بپاس ادب خاموش تھے ۔ اتنے میں ابو جُندل جو سُہیل کے فرزند تھے اور مکہ میں اسلام لا چکے تھے اور بوجہ مسلمان ہونے کے سخت اذیت ان کو دی جاتی تھی آ پہنچے . اور اپنی حالت زار رسول اللہ صلعم کو دکھائی- آنحضرت صلعم نے بہتیرا چاہا کہ کسی طرح ابُو جُندل معاہدہ سے مستثنےٰ ہوں. مگر سُہیل نے ایک نہ مانی اور آخر آنحضرت صلعم کو مجبوراً ماننا پڑا کہ ابُو جُندل قریش کے قبضہ میں رہے ۔ مگر مسلمانوں سے ابُو جُندل کی حالت دیکھی نہ جاتی تھی ایک طرف پابندئ عہد اور دوسری طرف ایک مسلمان کی ظلم وستم سے یہ حالت . آخر حضرت عمرؓ نہ رہ سکے اور مسلمانوں کے خیالات کی ترجمانی

بارگاہ نبوی میں کی اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ کیا آپ رسول برحق نہیں؟ آنحضرت صلعم نے فرمایا یقیناً ہوں۔ پھر عرض کیا کیا ہم حق پر نہیں ہیں؟ آپ نے فرمایا بیشک ہیں۔ پھر عرض کیا پھر دین میں ہم پر ایسی ذلت کیوں ڈالی جاتی ہے؟ آپ نے فرمایا میں خدا کے حکم کے مطابق کرتا ہوں۔ پھر عرض کیا کہ آپ نے نہیں فرمایا تھا کہ ہم حج کریں گے؟ آپ نے فرمایا لیکن یہ نہیں کہا تھا کہ اسی سال کریں گے۔ یہی باتیں حضرت عمرؓ نے حضرت ابو بکرؓ سے کیں اور وہی جواب حضرت ابو بکرؓ نے دیا کہ رسول اللہ صلعم جو کچھ کرتے ہیں خدا کے حکم سے کرتے ہیں +

غرض ابُوجَندل کی وجہ سے مسلمانوں کی آنکھوں میں خون اُترا ہوا تھا مگر کچھ نہ کر سکتے تھے۔ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ ہم عہد کی پابندی کو نہیں چھوڑ سکتے یہ کافروں کے ساتھ عہد کی عزت ہے۔ آپ نے ابُوجَندل کو سمجھایا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے لئے بھی کوئی راہ کھول دے گا لیکن ہم شرائط کے خلاف نہیں کر سکتے +

واپسی پر رسول اللہ صلعم پر سورہ فتح نازل ہوئی جس کی شروع کی آیات عنوان میں نقل ہوئی ہیں۔ اِنَّا فَتَحْنَا لَکَ فَتْحاً مُّبِیْناً ہم نے تم کو فتح مبین عطا فرمائی ہے۔ جس کو مسلمان ذلت کی صلح سمجھ رہے ہیں۔ اس کو اللہ تعالیٰ اسلام کی کھلی فتح قرار دیتا ہے۔ آنحضرت صلعم نے حضرت عمرؓ کو یاد فرمایا آپ ڈرتے ہوئے گئے کہ بارگاہ نبوی میں گستاخی کی ہے کوئی عتاب نہ نازل ہوا ہو۔ مگر وہاں مژدہ تھا آپ نے دریافت کیا کہ کیا یہی صلح فتح مبین ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں۔ پھر کون مسلمان تھا جو اس کو فتح یقین نہ کرتا۔ سب لوگ یا تو اس کو اپنی سخت ذلت سمجھتے تھے۔ اور یا اب خوش ہو ہو کر سورہ فتح کو پڑھ رہے ہیں۔ مگر کیا یہ ان کا مجنونانہ فعل تھا؟ واقعات ان کو بتا چکے تھے کہ جہاں اسلام کی شکست نظر آتی ہے۔ وہاں درحقیقت اسلام کی فتح ثابت ہوتی ہے +

واقعات نے صلح حدیبیہ کو فتح مبین ثابت کر دیا۔ اس پر کھلی شہادت یہ ہے کہ ڈیڑھ یا پونے دو سال بعد جب رسول اللہ صلعم عازم مکہ ہوتے ہیں۔ تو چودہ سو آدمیوں کی جگہ دس ہزار قدوسی آپ کے ہمرکاب تھے۔ یہ ترقی کیوں کر ہوئی؟ پہلے اسی قدر عرصہ میں اس قدر ترقی مسلمانوں کی تعداد میں کبھی نہیں ہوئی۔ بات یہ ہے کہ جنگ اسلام کی ترقی میں روک تھی اسلام جس کے خود معنی صلح اور آشتی ہیں دنیا میں صلح اور آشتی کے اندر جو ترقی کر سکتا ہے وہ دوسرے حالات میں نہیں کر سکتا تھا۔ جب سے آنحضرت صلعم مکہ سے نکلے قریش میں بلکہ کل عرب میں اور مسلمانوں میں جنگ چھڑ گئی جس کی غرض اسلام کو نیست و نابود کرنا تھا۔ پس ہر ایک دل میں مسلمانوں کی طرف سے تنفر بیٹھا ہوا تھا۔ کون تھا جو ان حالات میں ٹھنڈے دل کے ساتھ اسلام کی تعلیم پر غور کرتا؟ وہاں تو اسلام کو تباہ کرنے کے جذبات سینوں میں موجزن ہو رہے تھے۔ کون تھا جو یہ دیکھتا کہ مسلمان کی زندگی کیسی پاک زندگی ہے؟ جن لوگوں نے محمد رسول اللہ صلعم کا ساتھ دیا ہے۔ وہ کس طرح ہر ایک قسم کی آلائشوں سے پاک ہو کر ایک بلند مقام پر کھڑے ہو گئے ہیں؟ جن کو اپنا دشمن سمجھا جائے ان کے حالات پر غور کہاں ہو سکتا ہے۔ اب جو صلح ہوئی تو میل جول اور تعلقات از سر نو قائم ہوئے۔ کفار کو موقعہ ملا کہ مسلمانوں کے اندر آ کر رہیں اور ٹھنڈے دل سے تعلیم اسلام پر غور کریں اور مسلمانوں کے حالات زندگی کا مطالعہ کریں اس میل جول سے وہ تمام خیالات جو رسول اللہ صلعم کے متعلق انہوں نے اپنے دلوں میں بٹھائے ہوئے تھے کہ آپ قطع رحمی کرتے ہیں اور فساد پھیلاتے ہیں بکقلم دور ہو گئے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بلند اخلاق کے دیکھنے کا ان کو موقعہ ملا۔ نبی کریم صلعم کی زندگی میں درحقیقت یہ پہلا موقعہ تھا کہ کفار نے بے تعصبی کی نگاہ سے آپ کے حالات کا مطالعہ کیا۔ اور اس مطالعہ کے ساتھ ہی ان تمام خیالات باطلہ کا ازالہ

ہو گیا جو رسول اللہ صلعم کے متعلق ان کے دلوں میں تھے۔ جو ذنوب وہ آنحضرت صلعم کی طرف منسوب کرتے تھے اب ان کو معلوم ہوا کہ وہ سب ان کی غلطیاں تھیں یا لوگوں نے دھوکہ دے رکھا تھا اسلام اور محمد رسول اللہؐ کی پاک تصویر نے ان کو اپنا شیدا بنا لیا۔ اور وہ لفظ قرآن کریم کے پورے ہوئے جو حدیبیہ سے واپسی کے وقت آپ پر نازل ہوئے تھے لِيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِن ذَنبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ کہ جو جو برائیاں آپ کی طرف منسوب ہوتی ہیں ان سب کو خدا دور کر دے گا۔ اور آپ کی پاکیزگی اور طہارت کو لوگوں پر ظاہر کر دے گا۔ ہاں جو برائی کی باتیں آپ کی طرف مَا تَأَخَّرَ کے ماتحت بعد میں منسوب ہوئیں ان کو بھی اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ اسی طرح دور کر دے گا اور ہم اپنی آنکھوں سے آج دیکھ رہے ہیں کہ کس طرح وہ تاریک تصویر جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یورپ میں ایک زمانہ میں کھینچی جاتی تھی آج وہ خود بخود مٹ رہی ہے اور اس کی بجائے آپ کے مقام بلند آپ کے حسن اخلاق۔ آپ کی پاکیزہ زندگی کا اعتراف پھیلتا جاتا ہے۔ ہاں اسلام کو دنیا میں پھیلنے کے لئے صلح بکار ہے۔ اور وہ صلح اب شاید مستقل طور پر قایم ہو گئی ہو جبکہ یورپ کی ہوس ملک گیری کے لئے هَلْ مِن مَّزِيدٍ کا نعرہ لگانے کے لئے جگہ باقی نہیں رہی مسلمانوں کو جو دور کی نگاہ سے نسل انسانی کا دشمن سمجھا جاتا تھا اب وقت آگیا ہے کہ ان کے قریب ہو کر ان کے حالات سے واقف ہو کر وہ خیال بدل جائے اور اسلام کی اصلی تعلیم کی طرف توجہ ہو۔ یہ خدا کے کام ہیں کہ اس زمانہ میں پھر اسلام کی ظاہری شکست میں اس کی حقیقی فتح کا راز مضمر ہے +

اس صلح کی شرائط اول مسلمانوں کو ناگوار معلوم ہوئیں مگر اس میں بھی بڑی مصلحت مخفی تھی کہ ایسی کڑی شرائط پر آنحضرت صلعم نے صلح کو قبول کر لیا۔ اول تو یہ واقعہ خود بتاتا ہے کہ آپ کو جنگ سے کس قدر نفرت تھی مسلمان اب تک کسی میدان

ہیں کفار کے ہاتھ سے مغلوب نہیں ہوئے شکست نہیں کھائی۔ اب بھی وہ لڑنے مرنے کو تیار ہیں۔ اور مغلوب نہیں ہوئے۔ مگر باوجود اس کے جب صلح کی طرف کچھ بھی کفار کا میلان آپ کو نظر آتا ہے تو آپ باوجود مغلوب نہ ہونے کے مغلوب فریق والی شرائط منظور کر لیتے ہیں جس شخص کا یہ منشاء ہو کہ تلوار سے اپنی بات منوائے اس کے لئے ایسا طریق اختیار کرنا ناممکن ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ آپ کس قدر صلح کے خواہشمند تھے۔ قرآن شریف سے بھی یہی شہادت ملتی ہے وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا۔ اگر دشمن صلح کی طرف مائل ہو تو تم بھی صلح اختیار کرو۔ عملی طور پر یہی آپ نے کر دکھایا۔ اور صلح کی خاطر ان شرائط کو بھی منظور کر لیا جو خود صحابہ کو ذلت کی شرائط نظر آتی تھیں پھر اس کا نتیجہ کیا ہوا۔ مکہ میں لوگ مسلمان ہونے سے رکتے نہیں ان کے سامنے اب بھی مسلمانوں کی بیکسی کا نقشہ ہے کہ وہ ان لوگوں کو جو دین اسلام اختیار کریں کفار کے مظالم سے چھڑا نہیں سکتے نہیں بلکہ اگر وہ خود کسی طرح ان مظالم سے نجات حاصل کر کے بھاگ کر ان کے پاس پہنچیں تو وہ ان کو اپنے پاس بھی نہیں رکھ سکتے۔ انسان کے لئے دکھ برداشت کرنا بعض وقت یوں بھی آسان ہو جاتا ہے کہ اس کے آس پاس اس کے ہمخیال ہوں گو وہ بھی دکھ اٹھا رہے ہوں۔ مسلمانوں کو جو اب تک یہ موقعہ میسر تھا کہ ہجرت کر کے مدینہ پہنچ جائیں صلح حدیبیہ سے یہ موقعہ بھی ہاتھ سے جاتا رہتا ہے۔ اب وہ کس آسرے پر اسلام اختیار کریں گھر میں جو دکھ ملتے ہیں وہ ناگفتہ بہ۔ مدینہ میں بھاگ کر جانے کا رستہ بھی رک گیا۔ ابو جندل کا قصہ سامنے ہے کہ کس طرح پابزنجیر اسے ظالموں کا تختہ مشق بننے کے لئے واپس کرنا پڑا۔ غرض اب نومسلموں کے لئے کوئی بھی چارہ کار نہ رہا۔ چاہئے تو یہ تھا کہ اس کے بعد اسلام کی ترقی بالکل ہی مسدود ہو جاتی۔ مگر بجائے اس کے ہم دیکھتے ہیں کہ اسی زمانہ میں ان حالات کے ماتحت اسلام پہلے سے دہ چند ترقی

کر رہا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس کے اندر ذاتی خوبیاں اس قدر تھیں کہ اس کے عشاق کو دنیا کی سب مصائب ہیچ نظر آتی تھیں۔ نہ کفار اذیت دینے میں کمی کرتے ہیں نہ مسلمان اپنے پاس پھٹکنے کی اجازت دیتے ہیں نہ پائے رفتن نہ جائے ماندن مگر کیا ہی حسن و جمال اسلام اور اس کے پاک پیغمبر صلعم کے اندر نظر آتا تھا کہ آنکھوں سے دیکھتے ہوئے دکھوں کی آگ میں کود پڑتے اور پرواہ تک نہ کرتے کہ دنیا میں ان کے لئے کوئی امن کی جگہ ہے یا نہیں۔ کیا یہی بزور شمشیر مسلمان ہونا ہے؟ اگر اسلام کی تاریخ پر ایک بھی عمیق نگاہ معترضین اسلام نے ڈالی ہوتی۔ تو یہ لفظ ان کے منہ سے کبھی نہ نکلتے کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہے۔ حدیبیہ کی تاریخ میں پھر یہی حقیقت آنکھوں کے سامنے آجلوہ گر ہوتی ہے کہ اسلام تلوار کے زور سے نہیں پھیلا بلکہ تلوار کے زور کے باوجود پھیلا۔ ہر طرف سے تلوار اس پر گرتی ہے۔ مگر کوئی تلوار اسے نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ ہاں اس پر تلوار چلانے والے خود ہی تباہ ہو جاتے ہیں۔ اور یہ مسیح کے ان الفاظ کا مصداق ثابت ہوتا ہے "جو اس پتھر پر گرے گا چور ہو جائے گا پر جس پر وہ گرے اسے پیس ڈالے گا"۔

ابو جندل کا واقعہ اوپر بیان ہو چکا۔ ایک اور سن چلا مسلمان عتبہ بن اسید کفار کے ہاتھ سے تنگ آکر مکہ سے بھاگا۔ اور مدینہ پہنچا۔ ساتھ ہی قریش کے دو قاصد پہنچے کہ عتبہ کو مطابق شرائط واپس کیا جائے۔ آنحضرت صلعم نے عتبہ سے فرمایا کہ واپس جاؤ اس نے حیران ہو کر عرض کیا کہ کیا آپ مجھے کفر پر مجبور کرتے ہیں؟ کتنا بڑا امتحان ہے اگر آپ عتبہ کو رکھ لیں تو زیادہ سے زیادہ قریش چڑھ کر آئیں گے اور وہ مدینہ میں آپ کا کچھ بگاڑ نہیں سکتے۔ مگر نہیں جو لفظ عہد کے وقت زبان سے نکل گیا ہے اس کا اس قدر پاس ہے کہ اس کے ایفا کی وجہ سے اگر مسلمان بھی کفر کی طرف جاتا ہے تو جائے۔ آپ عتبہ کو فرماتے ہیں کہ ہم تو تم کو واپس کرنے پر مجبور ہیں۔

ہاں اللہ تعالیٰ کوئی راہ نکال دے گا۔ اگر رسول اللہ صلعم کی عہد کی پابندی ایک طرف حیرت انگیز ہے تو اس نومسلم کا عشق اس کی فرمانبرداری بھی کم حیرت انگیز نہیں۔ یہ نہیں کہتا کہ مجھے ایسا دین قبول کرنے سے کیا فائدہ جب آپ خود ہی مجھے کفا کے ہاتھ میں واپس دیتے ہیں۔ نہیں حکم مانتا ہے۔ واپس چلا جاتا ہے۔ ہاں خوب جانتا ہے کہ اب مجھے زندہ نہیں چھوڑینگے۔ اب دنیا میں کوئی اس کا بچانے والا نہیں۔ کوئی اس کا حامی نہیں اس لئے وہ حفاظت خود اختیاری کرتا ہے جن دو شخصوں کی حراست میں ہے موقعہ پا کر ان میں سے ایک کو قتل کر دیتا ہے دوسرا خود بھاگ جاتا ہے۔ عُتبہ پھر مدینہ آتا ہے اور عرض کرتا ہے کہ آپ نے اپنا عہد پورا کر دیا۔ اب میں آزاد ہوں۔ اور وہاں سے نکل کر مقام عیص میں جو سمندر کے کنارہ پر ہے سکونت اختیار کر لیتا ہے۔ اور وہ ایسی جگہ ہے جہاں نہ نبی کریم صلعم کا تسلط ہے نہ قریش کا۔ اسی طرح پر اب دوسرے ستم رسیدہ مکہ سے نکلنا شروع ہوتے ہیں وہ مدینہ نہیں جا سکتے۔ اس لئے عُتبہ کے پاس عیص پہنچتے جاتے ہیں یہاں تک کہ وہاں ایک بڑی نوآبادی بن جاتی ہے۔ اور چونکہ یہ لوگ ان شرائط کے پابند نہیں جو رسول اللہ صلعم کے ساتھ حُدَیبیہ پر طے ہوئی تھیں۔ اس لئے قریش کو پھر یہ خطرہ پیدا ہوتا ہے کہ ان کی شام کی تجارت میں یہ لوگ مخل ہونگے اس لئے وہ خود نبی کریم سے درخواست کرتے ہیں کہ ہم معاہدہ کی اس شرط کو چھوڑتے ہیں جس کی رو سے مکہ سے بھاگے ہوئے لوگوں کو واپس کرنا ضروری ہے۔

اکیسواں باب

بادشاہوں کو دعوت

قُلْ یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۭ بَیْنَنَا وَ بَیْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَ لَا نُشْرِكَ بِهٖ شَیْــٴًـا وَّ لَا یَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ (ال عمران ۶۴)

صلح حُدیبیہ کو نہ صرف واقعات مابعد نے ہی فتح مبین ثابت کیا۔ اور مسلمانوں کی تعداد کو گنتی ہیں کئی گنا کرنے کے علاوہ خالد بن ولید اور عمرو بن العاص جیسے عظیم الشان فاتحین عالم کو جو اس سے پہلے کفار کی فوج کی زینت تھے اسلام کی غلامی میں داخل کر کے بتا دیا کہ کس طرح اس صلح سے وہ ثمرات حاصل ہوئے جو بڑی سے بڑی جنگی فتح سے حاصل نہ ہو سکتے تھے۔ بلکہ خود نبی کریم صلعم نے اپنے عمل سے بھی بتا دیا کہ یہ صلح اسلام کی عظیم الشان کامیابیوں کا پیش خیمہ ہے۔ چنانچہ حُدیبیہ سے واپس آتے ہی آپ نے سب سے پہلے یہ کام کیا کہ اول تو ایک دن سب لوگوں کو اکٹھا کر کے ان کو سمجھایا کہ اسلام ساری دنیا کے لئے رحمت ہو کر آیا ہے۔ اور اب وقت آگیا ہے کہ یہ پیغام ساری دنیا میں پہنچایا جائے اس کے بعد آپ نے خود ان تمام بادشاہوں کے نام جو آپ کے ارد گرد تھے دعوتی خطوط لکھے اور ان کو اسلام کی طرف بُلایا۔ یہ خطوط ذیل کے بادشاہوں کے نام بھیجے گئے۔ قیصر رُوم۔ کسریٰ۔ عزیز مصر۔ نجاشی اور اس کے علاوہ عرب کے کناروں کے بعض رؤسا کے نام بھی خط لکھے گئے۔ ان میں سے جو خط مُقوقِس شاہ مصر کے نام بھیجا گیا تھا۔ اس کا اصل محفوظ مل گیا ہے۔ حدیثوں سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ مُقوقِس نے اسے ایک قیمتی ڈبیہ میں بند کر کے نہایت حفاظت سے رکھ لیا تھا۔

اور اب اس کا عکس شائع ہو چکا ہے۔ اور بعینہ وہی الفاظ خط کے ہیں جو حدیثوں میں منقول ہیں۔ مُقوقِس نے کچھ تحایف بھی آپ کی خدمت میں ارسال کئے گو مسلمان نہیں ہوا۔ ان تحایف میں ایک خچر تھی جس پر آپ خود سوار ہوتے تھے اور دو لونڈیاں تھیں جن میں سے ایک یعنی مَارِیۂ قِبطیۂ کو آپ نے یہ مقام دیا کہ اپنے حرم میں داخل کیا۔ اور دوسری حضرت حسان کی زوجیت میں آئیں۔ یہ دونوں خاتونیں مدینہ پہنچنے سے پیشتر مسلمان ہو چکی تھیں +

قیصر کے نام کا خط دِحیہ کَلبی لے کر گئے۔ اتفاق کی بات ہے کہ انہی دنوں میں ابُوسُفیان تجارت کا قافلہ لے کر ملک شام میں پہنچا ہوا تھا۔ اور قیصر نے اس سے رسول اللہ صلعم کے حالات دریافت کئے۔ اس کے سوالوں کے جواب میں ابُوسُفیان نے ذیل کی باتوں کا اعتراف کیا۔ حالانکہ وہ ابھی تک حالت کفر پر تھا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اندر سے ان لوگوں کے دل اسلام کی خوبیوں نے کھا لئے تھے۔ اس نے کہا۔ کہ آنحضرت صلعم ایک شریف خاندان سے ہیں۔ آپ کے پیرو دن بدن بڑھتے چلے جاتے ہیں۔ ساری عمر آپ نے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ کبھی عہد کی خلاف ورزی نہیں کی۔ جو شخص آپ کے دین میں داخل ہو جاتا ہے۔ پھر بیزار ہو کر اس کو چھوڑتا نہیں اور کہ آپ کی تعلیم کا خلاصہ یہ ہے۔ کہ ایک خدا کی عبادت کرو۔ کسی کو خدا کا شریک نہ بناؤ۔ نماز پڑھو۔ عِفّت اختیار کرو۔ سچ بولو۔ رشتہ داروں کے ساتھ اور لوگوں کے ساتھ نیک سلوک کرو۔ ان حالات کو سُن کر اور خط کو پڑھ کر اور پھر کچھ خواب کی بنا پر جو اس نے دیکھا تھا۔ ہرقل بہت متاثر ہوا۔ اور اس نے بڑے بڑے بشپوں کو بلا کر ان کو سمجھانے کی کوشش کی کہ اس دین کو اختیار کر لینے میں ہماری بہتری ہے مگر جب ان لوگوں کو سخت متنفر پایا تو کہہ دیا کہ میں نے تمہیں آزمانے کے لئے

ایسا کہا تھا اور آخر اسی حالت پر اس کی وفات ہوئی +

اس خط کے اندر اور ایسا ہی بعض دوسرے خطوط کے اندر آپ نے وہ آیت قرآنی لکھی جو عنوان باب میں درج ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اے اہل کتاب ایک ایسی بات کو قبول کرلو جو ہمارے اور تمہارے درمیان میں مشترک ہے کہ ہم اللہ کے سوائے کسی کی عبادت نہ کریں اور نہ اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک کریں۔ اور نہ ہم میں سے بعض بعض کو اللہ کے سوائے رب بنائیں۔ اس آیت میں ایک ایسا اعلیٰ درجہ کا اصول ہے کہ جس پر اگر آج دنیا عمل کرے تو ایک مذہب پر سب کا جمع ہو جانا اور حقیقی اخوت اور اتحاد ان میں پیدا ہو جانا نہایت آسان ہے۔ اور وہ اصول یہ ہے کہ سب مذاہب میں جو بات بطور مشترک پائی جاتی ہے اس کو بطور بنیاد رکھ کر قبول کر لیا جائے اور پھر ایسے فروع قائم کئے جائیں جو اس اصل اصول کے خلاف نہ ہوں۔ اس طرح پر تمام مذاہب ایک اصول پر آسانی سے جمع ہو سکتے ہیں۔ مقابلہ مذاہب کا جو اصول آج نکلا ہے وہ ابھی ایک ادھوری سی کوشش اس زرین اصول کو سمجھنے کی ہے جو تیرہ سو سال آج سے پیشتر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سکھایا تھا +

کسریٰ کے نام کا خط عبد اللہ بن حذافہ لے کر گئے تھے۔ مگر ان خطوط کی ابتدا چونکہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اور من محمدؐ سے ہوتی تھی۔ کسریٰ اس بات کو برداشت نہ کر سکا کہ اس کے نام کے اوپر بھی دنیا میں کسی دوسرے کا نام ہو اس نے غصہ میں آکر آنحضرت صلعم کو برا بھی کہا اور نامہ مبارک کو بھی ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ اور ساتھ ہی جوش میں آکر اپنے گورنر یمن کو جس کا نام باذان تھا یہ حکم بھیجا کہ آپ کو گرفتار کیا جائے۔ چنانچہ باذان نے دو آدمی آپ کو گرفتار کرلانے کے لئے بھیجے۔ یہ لوگ عربوں کی کچھ حقیقت نہیں سمجھتے تھے۔ اور ان کے سپاہیوں کا یوں کسی کو گرفتار کر لینا

ایک معمولی بات تھی جب یہ لوگ آنحضرت صلعم کی خدمت میں پہنچے۔ اور اپنا پیغام سنایا تو آپ نے فرمایا کہ وہ جو تمہارا خداوند ہے وہ تو خود مارا جا چکا ہے۔ ان کو اس پر حیرت ہوئی اور وہ واپس گئے تو معلوم ہوا کہ واقعی اسی رات جب آنحضرت صلعم نے فرمایا کسریٰ اپنے بیٹے کے ہاتھ سے مارا گیا۔ باذان ان حالات کو دیکھ کر مسلمان ہو گیا۔ اور سلطنت ایران کا تعلق یمن سے کٹ گیا۔ اس کے جلد ہی بعد کسریٰ کی ساری سلطنت اسی طرح ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی جس طرح اس نے نامۂ مبارک نبوی کو ٹکڑے ٹکڑے کیا تھا۔

نجاشی شاہ حبش کو بھی ایک خط بھیجا گیا۔ ابھی حضرت جعفر وہیں تھے اس خط کے پہنچنے پر نجاشی نے اسلام قبول کیا۔ اور حضرت جعفر کے ہاتھ پر بیعت کی۔

رؤسائے عرب کے نام جو خطوط بھیجے گئے تھے ان کا ذکر میں نے مجملاً کیا ہے۔ لیکن ان میں سے بھی ایک خط خاص اہمیت رکھتا ہے شرحبیل بن عمرو بصریٰ کا جو حدود شام پر ہے بادشاہ تھا۔ حارث بن عمیر اس کے نام کا خط لے کر گئے شرحبیل نے ان کو قتل کر ڈالا۔ قاصد کا قتل کرنا صاف اعلان جنگ تھا۔ اس لئے آنحضرت صلعم نے قبل اس کے کہ دشمن حملہ آور ہو تین ہزار کی ایک فوج تیار کر کے اور اس کے اوپر زید بن حارثہ کو مقرر کر کے شام کی طرف روانہ کیا۔ ثنیۃ الوداع تک آپ خود بھی ساتھ تشریف لے گئے۔ حضرت زیدؓ ایک آزاد کردہ غلام کی یہ عزت افزائی اس مساوات کا عملی ثبوت تھی جو اسلام سکھاتا ہے عظیم الشان مہاجر قریشی اور انصار ایک غلام کے ماتحت کئے گئے حالانکہ کمانڈ کے اہل ان میں بھی تھے۔ مگر یہی تو سکھانا مقصود تھا کہ اسلام مساوات قایم کرنے آیا ہے۔ بڑے بڑے سرداروں کو فرمانروائی کے ساتھ فرمانبرداری کا سبق بھی سکھانا تھا۔ ادھر شرحبیل نے ایک لاکھ کی فوج جمع کر رکھی تھی۔ اور قیصر روم بھی تیاری کر رہا تھا۔ موتہ کے مقام پر جنگ ہوئی جو غزوہ موتہ

کے نام سے موسوم ہے۔ زیدؓ شہید ہوئے۔ اس کے بعد حسب قرار داد آنحضرت صلعم حضرت جعفرؓ نے علم لیا وہ بھی اس بیدردی سے لڑے کہ نوّے زخم کھا کر آخر شہید ہوئے۔ اس کے بعد عبداللہ بن رواحہ افسر ہوئے وہ بھی شہید ہوئے۔ آنحضرت صلعم نے اسی قدر تصریح فرمائی تھی۔ اس کے بعد مشورہ سے حضرت خالدؓ افسر مقرر ہوئے اور نہایت عقلمندی سے اپنی فوج کو جو دشمن کے مقابلہ میں کچھ بھی حیثیت نہ رکھتی تھی بچا یا۔ غزوہ موتہ جمادی الاولیٰ سنہ ۸ ہجری کا واقعہ ہے *

قابل غور یہ بات ہے کہ سلاطین عالم کو یہ خطوط کس وقت لکھے جاتے ہیں؟ اگر آنحضرت صلعم سارے عرب کو مسخر کر لینے کے بعد باہر کے ملکوں سے خط و کتابت کرتے تو یہ خیال ہو سکتا تھا کہ کامیابی ہو جانے پر اب آپ کو یوں سوجھی لیکن اس وقت کی حالت کیا ہے؟ ابھی بارہ ماہ پیشتر مدینہ کا ایسا محاصرہ ہو رہا تھا کہ مسلمانوں میں سے کسی متنفس کے بچنے کی اُمید نہ تھی۔ اب بھی یہ حالت ہے کہ حج جیسا رکن اسلام رُکا ہوا ہے۔ اور آپ اس کو پورا نہیں کر سکتے۔ کفار کا اس قدر غلبہ ہے کہ جو شرائط چاہتے ہیں منوا لیتے ہیں۔ اور آپ کو ایک مغلوب فریق کی حیثیت قبول کرنی پڑتی ہے۔ عرب میں چاروں طرف دشمن ہیں۔ اور جو خال خال مسلمان ہیں وہ بیدست و پا ہیں۔ لیکن اسلام کی آیندہ کامیابیوں کے متعلق آپ کا ایمان کیسا مضبوط پہاڑ ہے کہ نہ صرف ان اُمید شکن واقعات سے ہی اس کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا بلکہ آپ یقین کامل رکھتے ہیں ہاں علے بصیرت جانتے ہیں کہ اسلام کل دنیا میں غالب ہوگا۔ اور اس وقت کی عظیم ترین سلطنتوں کو تبلیغ اسلام کرتے ہیں کاش اس زمانہ کے مسلمان جو یورپ میں تبلیغ اسلام سے اس لئے مایوس ہو رہے ہیں کہ مسلمانوں کی کوئی عظیم الشان سلطنت باقی نہیں رہی۔ آپ کی زندگی کے ان واقعات پر غور کرتے۔ پھر آپ کے دشمن بھی غور کریں کہ کیا یہ ایمان کسی مفتری

کا ہو سکتا ہے؟ اور چند ہی سال میں آپ کے اس خطاب سلاطین کا نتیجہ دیکھتے ہوئے سوچیں کہ کیا کوئی مجنون ایسے خیالات کو دل میں لا کر اس طرح دنیا میں کامیاب ہوا ہے؟ اور اگر یہ واقعات روز روشن کی طرح ثابت کرتے ہیں کہ محمد رسول اللہ صلعم نہ مفتری ہیں نہ مجنون۔ تو پھر یقیناً وہ خدا کے سچے رسول ہیں۔ اس سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ آپ ابتدا سے ہی اپنے مذہب کے عالمگیر ہونے کا یقین کامل رکھتے تھے۔ جو لوگ حضرت عیسیٰ کے مذہب کو عالمگیر بنانے کی کوشش کر رہے ہیں ان کو کس قدر مشکلات کا سامنا ہے۔ کہ حضرت عیسیٰ خود یہ فرماتے ہیں کہ میں بنی اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے سوائے اور کسی کے پاس نہیں بھیجا گیا اور ایک دوسری قوم کی عورت کے لئے دعا تک کرنے سے انکار کرتے ہیں۔ مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہاتھ سے سب دعووں کو پورا کر کے دکھاتے ہیں اگر وہ تمام قوموں کے لئے رسول ہونے کا دعوےٰ کرتے ہیں تو خود ہی ساری قوموں کو دعوت دے کر بھی دکھا دیتے ہیں *

یہ خطوط محرم ۷ھ ہجری میں لکھے گئے۔ اور ان پر ایک مُہر لگائی گئی جس کا نقش تھا محمد رسول اللہ جیسا کہ حدیثوں میں آتا ہے۔ یہ بھی بعض اقوال سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نقش میں اللہ کا لفظ سب سے اوپر تھا اور محمد سب سے نیچے اور رسول درمیان میں۔ مُقوقِس کے خط کا جو عکس ملا ہے۔ اس میں یہ نقش بعینہ اسی صورت میں ہے

اللہ
رسول
محمد

اسی سال ۷ھ کے آخر میں آپ نے مطابق شرائط صلح حج کیا۔ اسی سال بقیہ مہاجرین حبش مدینہ میں واپس آئے *

بائیسواں باب

فتح مکہ

لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ وَهُوَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ ٥ (یوسف-۹۲)

{دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ آیا۔ استثناء ۳۳ : ۲ }

قریش کی زیادتیوں کا پیالہ اب لبریز ہو چکا تھا۔ آٹھواں سال ہجرت ختم ہونے کو تھا حدیبیہ کی صلح پر تقریباً پونے دو سال گزر چکے تھے۔ اسلام کی ترقی کفار کو نہ بھاتی تھی۔ آخر انہوں نے عہد شکنی کی صلح حدیبیہ کی شرائط کے موافق خزاعہ آنحضرت صلعم کے حلیف ہو گئے تھے اور ان کے پرانے دشمن بنو بکر قریش کے حلیف ہو گئے بنو بکر نے پہل کی اور خزاعہ پر حملہ کیا۔ رؤساء قریش نے ان کو مدد دی اور ان کے ساتھ مل کر راتوں کو لڑتے رہے۔ خزاعہ امن کے لئے حدود حرم میں پہنچے مگر بنو بکر نے ان کو وہاں بھی تہ تیغ کیا اور قریش نے اپنے حلیف کو نہ روکا خزاعہ کا ایک وفد بارگاہ نبوی میں حاضر ہوا اور حالات عرض کئے آنحضرت صلعم نے اپنا قاصد قریش کے پاس بھیجا کہ تین شرائط میں سے ایک منظور کریں یا خونبہا دیں یا بنو بکر کی حمایت سے الگ ہو جائیں اور یا اعلان کر دیا جائے کہ معاہدہ حدیبیہ ٹوٹ گیا قریش نے بجواب کہلا بھیجا کہ تیسری شرط منظور ہے۔ بعد میں ابو سفیان نے قریش کی اس ناعاقبت اندیشی پر پردہ ڈالنا چاہا۔ کیونکہ علانیہ اس معاہدہ کے توڑنے میں اس کو خطرات نظر آتے تھے۔ اس لئے وہ بھی آنحضرت صلعم کی خدمت میں حاضر ہوا کہ معاہدہ کی تجدید کی جائے۔ آپ نے قریش کے عندیہ کو دیکھ لیا تھا۔ تجدید معاہدہ صرف ایک چالبازی تھی۔ مطالبات کی طرف قطعاً کوئی توجہ نہ تھی۔ اس لئے

آنحضرت صلعم نے اس کو نامنظور کیا۔ اور وہ ناکام واپس گیا +

آنحضرت صلعم نے مکہ پر چڑھائی کی تیاری شروع کر دی۔ اور اپنے حلیف قبایل کو بھی بلایا تا کہ اس قوم کو جسے زیادتی کرتے ہوئے اکیس سال گزر گئے تھے ان کے مظالم کا کچھ مزہ چکھایا جائے۔ یہ اس قوم پر چڑھائی تھی جس نے تین مرتبہ مدینہ پر چڑھائی کر کے مسلمانوں کو بالکل نیست و نابود کر دینا چاہا تھا۔ لوگوں نے اس تیاری کو دیکھ کر یہی خیال کیا ہو گا کہ اب اسلام کے ان پرانے دشمنوں کو تہ تیغ کر دیا جائے گا۔ اور اس قوم کو جس نے اتنی مدت ظلم کرتے ہوئے کبھی اظہار ندامت نہیں کیا اب نیست و نابود کر دیا جائے گا۔ ایک مسلمان حاطِب بن ابی بَلتعَہ کے کچھ عزیز و اقارب مکہ میں تھے۔ انہوں نے ایک قاصد کو خط دے کر نبی کریم صلعم کی تیاری کی خبر پہنچانے کی کوشش کی مگر کارکنان قضاء و قدر کو یہ منظور نہ تھا کہ دشمن پہلے سے مقابلہ کے لئے تیار ہو رہے جس کا نتیجہ خونریزی ہو۔ اللہ تعالےٰ رحمۃ للعالمین کی تلوار کے ساتھ فتح کو بھی خونریزی سے پاک رکھنا چاہتا تھا۔ اللہ تعالےٰ نے نبی کریم صلعم کو اس راز پر مطلع کر دیا اور حاطِب کا قاصد پکڑا گیا۔ مسلمانوں کو بڑا طیش آیا کہ اس نے مسلمان ہو کر غداری کی ہے۔ حاطِب پکڑے گئے۔ مگر معاملہ کسی دنیوی بادشاہ یا جرنیل سے نہ تھا کہ کورٹ مارشل ہو کر اڑا دیا جاتا۔ یہ جنگی مہم انتقام لینے کے لئے نہ تھی عفو کے لئے تھی۔ پھر اپنے ساتھیوں کی خطاؤں سے کیوں عفو نہ کیا جاتا۔ حاطِب کا عذر قبول ہوا +

آخر دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ ۱۰ ر رمضان المبارک ۸ھ کو سرور عالم روانہ ہوئے تا کہ دو ہزار سال پیشتر کے وہ الفاظ پورے ہوں جو حضرت موسیٰ کی زبان سے سنائے گئے تھے۔ کہ وہ دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ آیا۔ حضرت موسیٰ کے بعد کی ساری تاریخ ان الفاظ کی صداقت دکھانے سے عاجز نظر آتی ہے

کیا عجیب نظارہ ہے دس ہزار بھی ہیں اور ہیں بھی خدا کے پاک اور برگزیدہ لوگ جن کی اصل غرض دنیا میں جنگ کرنا نہیں بلکہ خدائے پاک کی تسبیح و تقدیس ہے مکہ معظمہ سے ایک منزل پر مَرّ الظّہران ہے۔ یہاں ڈیرے ڈالے گئے۔ اور تمام حملہ آوروں کے اصول کے خلاف حکم ہوا کہ تمام ڈیرے جن سے میدان بھرا ہوا تھا الگ الگ آگ روشن کریں۔ تاکہ قریش حملہ آوروں کی طاقت کو دیکھ کر بیہودہ مقابلہ سے جس کا نتیجہ خونریزی ہو رک جائیں۔ اس مہم میں ایک ایک قدم پر آپ کے دل کا یہ جوش نظر آتا ہے کہ ایک قطرہ خون انسانی کا نہ گرے +

قدرت خداوندی کا عجب نظارہ ہے کہ سب سے پہلے جو شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لایا جاتا ہے وہ اسلام کا سب سے بڑا دشمن ابُوسُفیان ہے جس نے بارہا اسلام کی بیخکنی کی ٹھانی۔ ابوسفیان جیسا دشمن ، اور عفو ! یہ بظاہر دو متضاد باتیں نظر آتی تھیں مگر رحمۃ للعالمین کے عفو کی وسعت کے سامنے کوئی چیز ان ہونی نہ تھی۔ ابُوسُفیان کو چھوڑ دیا گیا۔ ڈیڑھ سال پیشتر جب قیصر کے سامنے گفتگو ہوئی تھی تو ابُوسُفیان کا دل تو اُسی وقت سے کھایا ہوا تھا۔ اب ساری طاقت کے باوجود اپنی ناکامیوں ۔ اور حد درجہ کی بیکسی کے باوجود اسلام کی اس آخری کامیابی کے نظارہ ۔ نبی کریم صلعم کے کمال عفو ۔ ان سب باتوں نے ابُوسُفیان جیسے دشمن کے دل کو بھی آخر کھینچا۔ وہ زبردست مُہر جو بیس سال سے لگی چلی آتی تھی ٹوٹی اور کلمہ توحید پڑھ کر مسلمان ہو گیا +

لشکر اسلامی کی عظمت سے مرعوب ابُوسُفیان واپس مکہ میں پہنچے اور لوگوں کو یہ خبر دے کر کہ مقابلہ بیہودہ ہے۔ نبی کریم صلعم کا اعلان پہنچا دیا کہ جو شخص ابُوسُفیان کے گھر میں داخل ہو جائے گا اسے امن دیا جائے گا۔ جو شخص اپنا دروازہ بند کرلے وہ امن میں ہوگا۔ جو شخص کعبہ میں داخل ہو جائے وہ امن میں ہوگا۔ یہاں

بھی اسلام کے بزور شمشیر پھیلانے کا اعتراض کرنے والوں کو مایوسی ہوگی کہ اس اعلان میں یہ شرط نہیں کہ جو شخص مسلمان ہو جائے اسے امن دیا جائے گا۔ بلکہ کافروں کو باوجود حالت کفر پر رہنے کے امن دینے کا اعلان ہوتا ہے۔ آخر لشکر نبوی مختلف حصوں میں مختلف اطراف سے مکہ پر بڑھا۔ سَعدبن عُبادہ کے ماتحت بھی ایک حصہ تھا۔ جب وہ انصار کو لئے ہوئے آگے بڑھے اور ابُو سُفیان کے پاس سے گزرے تو بلند آواز سے کہا اَلْیَوْمَ یَوْمُ الْمَلْحَمَةِ اَلْیَوْمَ تُسْتَحَلُّ الْکَعْبَةُ یعنی آج جنگ کا دن ہے آج مکہ کے لئے امن نہیں۔ نبی کریم صلعم نے فوراً عَلَم ان کے ہاتھ سے لیکر ان کے بیٹے قیس کے ہاتھ میں دے دیا کہ مبادا جوش میں کشت وخون کر بیٹھیں۔ خالد کو حکم تھا کہ فوجوں کے ساتھ بالائی حصہ کی طرف سے آئیں۔ یہ وہ حصہ تھا جہاں آنحضرت صلعم کے سخت ترین اعداء رہتے تھے اور یہی وہ حصہ تھا جو خُزاعہ پر حملہ میں شریک ہوا تھا۔ انہی میں عِکرمہ ابُوجہل کا بیٹا بھی تھا۔ یہ لوگ باوجود عفو کے اعلان کے بھی نہ ٹلے۔ اور خالد کی فوج پر تیر برسانے شروع کئے مجبوراً خالِد کو حملہ کرنا پڑا کچھ آدمی جن کی تعداد تیرہ سے اٹھائیس تک بیان کی جاتی ہے کفار کی طرف سے مارے گئے۔ مسلمانوں میں سے دو شہید ہوئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت ایک بلند مقام پر پہنچ گئے تھے جہاں سے شہر نظر آتا تھا خالِد کے دستے کی تلواروں کی چمک دیکھ کر آپ کو بہت رنج ہوا۔ اور آپ نے فرمایا کہ میں نے سخت حکم نہیں دیا تھا کہ کوئی خونریزی نہ ہو؟ خالِد سے بازپرس ہوئی مگر وجہ معقول بھی تھی۔ مکہ کو اب مغلوب پاکر آپ خانہ کعبہ کی طرف بڑھے۔ اور اس مقدس گھر کو جو دنیا کے لئے توحید کا سرچشمہ تھا۔ بتوں کی آلایش سے پاک کیا۔ اور یہ آیت قرآنی جو مدتوں پہلے آپ پر نازل ہو چکی تھی پڑھتے ہوئے بتوں کو توڑتے جاتے تھے۔ قُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ط اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا۔ کہو حق آگیا اور باطل

مٹ گیا۔ بیشک باطل مٹنے والا ہی تھا۔ اور یہ باطل ایسا مٹا کہ سرچشمۂ توحید پھر کبھی اس سے آلودہ نہ ہوا اور نہ آیندہ کبھی ہوگا۔ مقام ابراہیم پر آپ نے دو رکعت نماز ادا کی۔ پھر عثمان ابن طلحہ کو جن کے پاس خانہ کعبہ کی کنجی تھی بلایا اور خانہ کعبہ کو کھول کر دو رکعت نماز اس کے اندر ادا کی۔ پھر کنجی عثمان کو واپس کی اور فرمایا کہ یہ ہمیشہ کے لئے تمہارے پاس اور تمہاری نسل میں رہے گی۔ اس وسعت اخلاق کو دیکھ کر عثمان مسلمان ہو گیا۔

اس کے بعد آپ نے ایک عام خطبہ پڑھا جس میں توحید الٰہی اور نسل انسانی کی وحدت کو بیان کیا اس کے بعد قریش کے خاص مجمع کو خطاب کیا۔ اس وقت آپ کے سامنے تمام مکہ بحیثیت ایک مجرم کے حاضر تھا۔ کیا کیا دکھ یہاں آپ کو اور آپ کی چھوٹی سی جماعت کو پہنچ چکے تھے۔ کس طرح پر یہ سرزمین آپ کے خون کی پیاسی رہی تھی۔ کس طرح اس کے باشندوں نے تمام اخلاقی اور قومی قوانین کو توڑ کر ایک ایک مسلمان کو ان مظالم کا تختۂ مشق بنایا تھا جن کے سننے سے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔ پھر نہ صرف اس زمین میں ہی ان کو خطرناک اذیتیں پہنچائی تھیں بلکہ جب ان لوگوں نے دوسری جگہ پناہ لینی چاہی تو وہاں بھی ان کا تعاقب کیا۔ اور پھر بارہا بیشمار فوجوں کے ساتھ خود مدینہ کو تباہ کرنا چاہا۔ ایسے کینہ ور دشمنوں۔ ایسے نسل انسانی کے حقوق کو پامال کرنے والوں۔ بیگناہوں پر ایسے ظلم کرنے والوں کے لئے نرم سے نرم جو سزا تجویز ہو سکتی تھی وہ بھی یہی چاہتی تھی کہ کچھ سرغنوں کو عبرتناک سزائیں دی جائیں کچھ شریروں کو تہ تیغ کر کے ہمیشہ کے لئے ان کی شرارتوں کا خاتمہ کیا جائے بہتیروں سے نصیحت کے لئے جیلخانے بھر دئے جائیں۔ ان کی قوت اور شوکت کو ہمیشہ کے لئے توڑ دیا جائے۔ ان کے ساتھ ایسا سلوک ضرور کیا جائے کہ وہ دوبارہ سر اٹھانے کے قابل نہ رہیں۔ مہذب سے مہذب معافی اور رحمدلی یہی ہے

کہ کچھ لوگوں کو گنہگار ہوں یا بیگناہ سزا دے کر دوسروں کے لئے نمونہ بنایا جائے۔ اور باقی کو ایک ذلت کی حالت میں چھوڑ دیا جائے۔ یہی سلوک دُنیا کی تاریخ میں ہمیشہ فاتحین عالم نے ان لوگوں سے کیا جن سے ان کو ایک وقت تھوڑا سا دکھ بھی پہنچا ہو۔ یہی سلوک آج مہذب حکومتیں اپنی رعایا سے بھی کرتی ہیں جب ان سے کچھ قصور ہو جائے۔ انتقام کی خواہش انسان میں بڑی زبردست خواہش ہے اور پھر جب اس کا غلبہ ہو اور دوسرا فریق مغلوب تو یہ خواہش بسا اوقات اخلاقی حد بندیوں کو بھی توڑ دیتی ہے مگر قریش کے دل گواہی دیتے تھے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ سلوک آپ سے نہ کریں گے اس لئے جب آپ نے اس مجرمین کے گروہ سے پوچھا کہ تم اپنی کرتوتوں سے واقف ہو مجھ سے کس سلوک کی اُمید رکھتے ہو؟ تو انہوں نے جواب دیا اَخٌ كَرِيمٌ وَابْنُ اَخٍ كَرِيمٍ۔ آپ کریم بھائی اور کریم بھائی کے بیٹے ہیں۔ وہ اخلاقِ نبوی سے ناواقف نہ تھے وہ جانتے تھے کہ چالیس سال کی پہلی عمر میں جن اخلاق کا آپ سے ظہور ہوا ان میں باوجود بادشاہت کے کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ مگر جو معاملہ آپ نے ان سے کیا وہ ان کی توقع سے بھی بڑھ کر تھا۔ آپ نے فرمایا لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ آج کے دن تم پر کوئی ملامت نہیں۔ کیا وسعت دل ہے سزا ایک طرف رہی ان افعال قبیحہ پر ان مظالم پر ایک حرف ملامت کا نہیں اشارۃً کچھ سرزنش بھی نہیں۔ ان سے یہ بھی اقرار نہیں لیا کہ ہم آئندہ ایسی کرتوت نہ کریں گے۔ مہاجرین کی جائدادیں کفار کے قبضہ میں تھیں ان کو بھی واپس نہیں مانگا۔ بلکہ مہاجرین کو ہی حکم دیا کہ سب حقوق کو چھوڑ دو۔ عکرمہ ابوجہل کا بیٹا۔ فتح مکہ کے وقت بھی شرارت سے باز نہ آیا۔ اور اسلامی فوج پر حملہ کر کے دو آدمیوں کو مار دیا۔ پھر اپنی کرتوتوں سے خائف کہیں بھاگ گیا اس کی بیوی نہایت پریشانی کی حالت میں بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئی اور اپنے خاوند کے لئے معافی چاہی آپ کی وسیع رحمت کے سامنے کوئی درخواست رد نہ ہوتی

تھی آپ نے عکرمہ کو بھی معافی کا حکم دیدیا ہندہ جس نے حضرت حمزہ کا جگر چبایا تھا اسے بھی معاف کیا گیا وحشی جس نے حضرت حمزہ کو مارا تھا اسے بھی معاف کیا گیا ہبار جس نے آنحضرتؐ کی صاحبزادی کو مکہ سے مدینہ جاتے وقت پتھر مارے تھے جس کا آخری نتیجہ ان کا انتقال ہوا اسے بھی معاف کیا گیا۔ اس قسم کے شریر مفسدوں کے لئے۔ ایسے ظالموں کے لئے اس قسم کی معافی کی نظیر اگر دنیا کی تاریخ میں کوئی اور نہیں اور یقیناً نہیں تو اس انسان کے سید البشر۔ فخر نوع انسان۔ رحمۃ للعالمین ہونے میں کس کو شبہ ہو سکتا ہے۔ عفو کی تعلیم دنیا میں بہت لوگ دے سکتے ہیں۔ مگر خود اپنے اوپر ظلم کرنے والوں کو۔ اپنی بربادی چاہنے والوں ہی نہیں بلکہ اس کے لئے پورا زور لگانے والوں کو۔ ان پر غلبہ پا کر ان کو ایسا معاف کرنا کہ ملامت تک بھی ان کے ان افعال پر نہ کی جائے یہ نہ مسیح کی زندگی میں پایا جاتا ہے۔ نہ کسی مسیحی کی زندگی میں اس کا نمونہ مل سکتا ہے۔ یہ فخر صرف اسلام کے حصہ میں ہی آیا ہے +

مکہ فتح ہو گیا۔ اور لوگ حالت کفر پر ہی رہے۔ مگر اس عفو نے تمام دلوں کو فتح کر لیا۔ ابوسفیان جیسے دشمنوں تک کے دلوں میں اسلام اپنی خوبیوں کی وجہ سے پہلے سے گھر کر چکا تھا۔ اب اس آخری نظارہ نے مخالفت کی پیٹھ توڑ دی۔ لوگوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ کس طرح جو کچھ بیکسی کی حالت میں خدا کی نصرتوں کے وعدے محمد رسول اللہ صلعم کو دیئے گئے تھے وہ ان کی آنکھوں کے سامنے پورے ہوئے۔ اور دنیا کی ساری طاقتیں جمع ہو کر آپ کا کچھ نہ بگاڑ سکیں۔ یہ آپ کی صداقت کا قطعی ثبوت تھا جس نے رہے سہے وساوس کو دور کر دیا۔ آج پھر جب تمام دنیا اسلام کی بیخکنی پر تلی ہوئی ہے۔ ہاں دنیا کی تمام طاقتیں اس کے نیست و نابود کرنے پر پورا زور لگا رہی ہیں۔ وہی نظارہ پھر اللہ تعالیٰ دکھانا چاہتا ہے تاکہ دشمن اپنی آنکھ سے اسلام کی صداقت کا یہ نظارہ دیکھ لیں کہ وہ ان کے مٹانے سے مٹ نہیں سکتا

اور نہ ہی ساری دنیا جمع ہو کر خدا کے دین کا کچھ بگاڑ سکتی ہے۔ غرض جوق در جوق لوگ اسلام کے اندر داخل ہونے شروع ہوئے۔ آپ کوہ صفا پر ایک بلند مقام پر جلوہ افروز تھے۔ اہل مکہ میں سے جو لوگ چاہتے وہ سرور عالم کے ہاتھ پر اسلام قبول کرنے جاتے تھے۔ مردوں کے بعد عورتوں کی باری آئی اور انہوں نے بھی اسلام قبول کیا لیکن لوگ صرف اپنی خوشی سے اسلام قبول کرتے تھے ایک شخص پر بھی جبر نہیں ہوا بعض لوگ ایسے بھی رہے کہ بہت دنوں بعد جا کر انہوں نے اسلام قبول کیا۔ ایسے لوگوں سے کسی نے تعرض نہیں کیا۔ یہاں تک کہ جنگ حُنین میں ان میں سے بہت سے لوگ مسلمانوں کے دوش بدوش جنگ کرنے والے تھے۔ گو وہ ابھی تک اسلام نہ لائے تھے۔ فتح مکہ قطعی طور پر اس الزام کی تردید کرتی ہے کہ کبھی کسی شخص کو بزور شمشیر مسلمان کیا گیا ہو اس سے بہتر اور کونسا موقع تلوار سے مسلمان کرنے کا تھا۔ مگر سارے واقعات فتح میں ایک شخص کے بھی اس طرح مسلمان کرنے کی شہادت نہیں ملتی۔ میور معترف ہے :-

"گو شہر (مکہ) نے خوشی سے آپ کی حکومت کو قبول کر لیا تھا مگر تمام باشندوں نے ابتک نیا مذہب قبول نہ کیا تھا۔ نہ ہی آپ کا پیغمبر ہونا تسلیم کیا تھا۔ شاید آپ وہی راہ اختیار کرنا چاہتے تھے جو مدینہ میں اختیار کی تھی اور ان کی تبدیلی مذہب میں جبر کو دخل دیئے بغیر تدریج کو کام میں لانا چاہتے تھے"۔

تیئسواں باب

جنگ حنین اور واقعات متعلقہ

وَيَوْمَ حُنَيْنٍ إِذْ أَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنكُمْ شَيْئًا وَضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ (التوبہ ۲۵)

مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے پورا مہینہ نہ گزرا تھا کہ مکہ کے مشرق کی طرف قوم ہوازن کا خطرناک اجتماع آنحضرت صلعم پر حملہ کرنے کے لئے شروع ہوا صلح حدیبیہ کے بعد اسلام کی جو ترقی شروع ہوئی اس نے ان لوگوں کو مشوش کر رکھا تھا۔ اور فتح مکہ سے مدت پہلے انہوں نے قبائل عرب میں دورہ کر کے اسلام کے خلاف ان کو اکسانا شروع کیا ہوا تھا۔ فتح مکہ کے ساتھ انہوں نے سمجھ لیا کہ اگر فوراً حملہ نہ کیا گیا تو آنحضرت صلعم کی طاقت بہت بڑھ جائے گی۔ جنگجو قوم تھی دنوں میں تیاری ہو گئی آنحضرت صلعم کو اس کی خبر ملی تو آپ نے پہلے تحقیقات کے لئے آدمی بھیجا اور یہ معلوم کر کے کہ بڑے جوش کے ساتھ یہ اجتماع بڑھ رہا ہے آپ نے فوراً تیاری شروع کر دی۔ دس ہزار آدمی تو پہلے آپ کے ساتھ تھے دو ہزار آدمی اہل مکہ میں سے ساتھ ہو گیا اور کل بارہ ہزار فوج کو لے کر آپ وادی حنین کی طرف بڑھے جہاں قوم ہوازن کا اجتماع ہو رہا تھا۔ علاوہ کثرت فوج کے مکہ سے سامان جنگ بھی بہت کچھ مل گیا۔ اس ساز و سامان اور کثرت فوج پر لوگوں کو ناز ہوا۔ کہ ہماری طاقت اب اس قدر بڑھ گئی ہے لیکن اللہ تعالیٰ یہ دکھانا چاہتا تھا کہ اسلامی فتوحات محض خدا کی نصرت سے ہیں ایک وہ میدان تھے جہاں اپنے سے تگنی۔ چار گنی۔ بلکہ دس گنی تعداد کو مسلمانوں نے شکستیں دیں۔ مگر حنین کے میدان میں ابتدائے جنگ میں وہ نظارہ دیکھنا پڑا جس کی تصویر اللہ تعالیٰ نے خود

ان الفاظ میں کھینچی ہے۔ وَيَوْمَ حُنَيْنٍ إِذْ أَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْئًا وَضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُدْبِرِينَ اور حنین کے دن جب تمہاری کثرت تم کو اچھی لگی پھر وہ تمہارے کسی کام نہ آئی اور زمین باوجود اپنی فراخی کے تم پر تنگ ہوگئی۔ پھر تم پیٹھ پھیر کر بھاگ اُٹھے۔

ہوازن بڑے تیر انداز تھے۔ مسلمانوں کے پہنچنے سے پیشتر وہ تمام اچھے اچھے مقامات کو روک چکے تھے۔ اور تیز اندازوں کے دستے مختلف گھاتوں پر متعین کر دیئے تھے۔ مسلمانوں کو پست زمین میں ٹھہر کر جنگ کرنی پڑی۔ جونہی جنگ شروع ہوئی مسلمانوں پر چاروں طرف سے تیر برسنے لگے۔ اور سامنے سے فوج حملہ آور ہوئی۔ مُقَدَّمَۃُ الْجَيْش پر خالد بن ولید تھے۔ اور ان کے ماتحت اہل مکہ کی فوج تھی جس میں وہ لوگ تھے جو ابتک اسلام نہ لائے تھے۔ سب سے پہلے یہی لوگ تیروں کی زد کے نیچے آئے اور مقابلہ نہ کرسکے۔ ان کے پیچھے ہٹنے سے ساری فوج میں گڑبڑ مچ گئی اور بے ترتیبی کے ساتھ سب پیچھے ہٹنے شروع ہوئے یہانتک کہ مہاجرین اور انصار کی افواج بھی اس عام پسپائی میں شامل ہوگئیں اور نبی کریم صلعم اکیلے اس خطرناک بڑھتے ہوئے دشمن کے سامنے رہ گئے صرف حضرت عباس اور چند رفقائے خاص آپ کے ساتھ تھے۔ آپ نے دیکھا کہ فوج ساری بھاگی جارہی ہے مگر آپ کے عزم و استقلال میں ایک ذرہ بھر بھی فرق نہ آیا۔ اگر آپ اکیلے ہیں تو کیا۔ اور دشمن فاتح ہو کر تیزی سے آگے بڑھ رہا ہے تو کیا۔ سب طاقتوں سے بڑی طاقت آپ کے ساتھ ہے۔ اس تنہائی میں پھر وہی آخری کامیابی۔ خدائی نصرت کے یقین کے سرچشمہ میں پورے جوش سے اُبال آیا۔ اور تنہا دشمن کے مقابلہ میں کھڑے ہو کر آپ نے بار بار بلند آواز سے پکارا أَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِبْ أَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ میں نبی ہوں کوئی جھوٹ نہیں میں عبد المطلب کا بیٹا ہوں۔ ادھر اس

آواز پر اُدھر حضرت عباسؓ کی پکار پر کہ اے انصار کے گروہ اے اَصْحٰبُ الشَّجَرَۃ چاروں طرف سے لبیک کی آوازیں آئیں۔ اور آن کی آن میں منتشر افواج رسول اللہ صلعم کے گرد جمع ہوگئیں۔ لوگوں نے نہ گھوڑوں کی پروا کی نہ زرہوں کی اور جوش سے بھرے ہوئے اس طرح بڑھے کہ بڑھتے ہوئے دشمن کے قدم ڈگمگا گئے۔ کچھ حصہ بھاگ نکلا ایک حصہ کچھ زیادہ دیر تک مقابلہ کرتا رہا۔ آخر ان کا علم بردار بھی مارا گیا۔ تو یہ بھی بھاگ نکلے۔

ہوازن جب گھروں سے نکلے تھے تو ان کے سپہ سالار مالک نے جو ایک نوجوان تھا حکم دیا کہ عورتیں اور بچے ساتھ نکلیں اور جنگ میں شریک ہوں۔ اس کا خیال تھا کہ اس طرح پر فوج عورتوں کی غیرت کی وجہ سے پیچھے نہ ہٹے گی۔ مگر جب وہ وقت آیا تو عورتوں کو اور اموال کو بھی چھوڑ گئے۔ اور چوبیس ہزار اونٹ چالیس ہزار بھیڑ بکری۔ چار ہزار اوقیہ چاندی اور چھ ہزار قیدی آپ کے ہاتھ آئے مال غنیمت کو ایک محفوظ مقام پر پہنچا کر آپ آگے بڑھے شکست خوردہ فوج کا ایک حصہ اوطاس میں چلا گیا جہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تھوڑی سی فوج بھیج دی اور ان کی جمعیت کو وہاں سے منتشر کرکے یہ لوگ واپس آگئے۔ باقی حصہ نے طائف میں جا پناہ لی جو ایک محفوظ مقام تھا۔ شہر کے چاروں طرف چار دیواری تھی۔ لوگ فن حرب سے واقف اور نئے قسم کے آلات حرب سے جیسے منجنیق وغیرہ واقف تھے۔ انہوں نے سال بھر کا سامان رسد شہر کے اندر جمع کرکے چاروں طرف آلات حرب لگا دیئے اور جگہ جگہ فوجیں متعین کر دیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود سیدھے اس مقام کی طرف بڑھے۔ اور شہر کا محاصرہ کیا۔ بعض اقوام کی مدد سے آپ نے بھی جدید آلات حرب کا ان لوگوں کے مقابلہ پر استعمال کرایا۔ مگر کچھ دنوں کے بعد جب آپ نے دیکھا کہ محاصرہ طول کھینچ رہا ہے تو آپ نے مشورہ کیا

ایک تجربہ کار بدوی شیخ نے یہ رائے دی کہ لومڑی اپنے بھٹ میں چھپ گئی ہے اگر آپ زیادہ دن انتظار کریں تو پکڑی جائے گی۔ اگر اس کو اس حالت پر چھوڑ دیں تو آپ کو نقصان نہیں پہنچا سکے گی۔ آپ کی اصل غرض تو صرف اسلام کو حملہ وغیرہ سے محفوظ کرنا تھا۔ اس لئے آپ نے فوراً محاصرہ اٹھالیا اور واپس ہوئے۔ چلتے وقت کسی نے کہا کہ آپ ان لوگوں کو بددعا دیں۔ یہی وہ جگہ تھی جہاں آپکو پتھر پڑے تھے۔ اور محض کلمہ حق پہنچانے کی وجہ سے لہو لہان کر کے شہر سے نکالا گیا تھا۔ مگر آپ نے چلتے وقت یہ دعا کی۔ اَللّٰھُمَّ اھْدِ ثَقِیفًا وَأْتِ بِھِمْ اے خدا تو ثقیف کو ہدایت فرما اور ان کو میرے پاس لے آ یعنی اسلام کو قبول کرنے کی توفیق دے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی یہ دعا قبول کی اور تھوڑی ہی دیر بعد یہ لوگ مسلمان ہو گئے۔ اس سے اندازہ کرو کہ آپ کے دل میں نسل انسانی کی بہی خواہی کے کیسے خیالات موجزن تھے۔ دشمن کے لئے بھی ہدایت کی دعا ہے۔

جائے غور ہے کہ کیا یہ جنگ اسلام قبول کرانے کے لئے کی گئی تھی؟ اگر نبی کریم صلعم کی جنگوں کی غرض تلوار کے زور سے دین کو پھیلانا تھا۔ تو اس کے کیا معنی کہ جو لوگ چند روز محاصرہ کو طول دینے سے مطیع ہو سکتے ہیں ان کو یونہی چھوڑ دیا جائے۔ کیا رسول اللہ صلعم اس آیت کے معنی نہ سمجھتے تھے کہ وَقَاتِلُوْھُمْ حَتّٰی لَا تَکُوْنَ فِتْنَۃٌ وَّ یَکُوْنَ الدِّیْنُ لِلّٰہِ جنگ کرتے رہو یہاں تک کہ فتنہ نہ رہے۔ اور دین اللہ کے لئے ہو۔ اگر فتنہ نہ رہنے اور دین اللہ کیلئے ہونے کے یہ معنی ہیں کہ دین اسلام کو لوگ قبول کرلیں تو پھر آپ کا سارا عمل اس کے خلاف ہے۔ صلح حدیبیہ میں۔ فتح مکہ میں۔ طائف کا محاصرہ اٹھانے میں۔ آپ نے اس کے خلاف عمل کیا۔ پس حق یہی ہے کہ آپ اس آیت کا مفہوم کچھ اور سمجھتے تھے۔ فتنہ کے

نہ رہنے سے یہ مراد تھی کہ لوگوں کو دین اسلام قبول کرنے کی وجہ سے دُکھ نہ دیا جائے دین اللہ کے لئے ہونے کے یہ معنی تھے کہ مذہب کی آزادی ہو۔ مذہب میں ہر انسان کا معاملہ خدا تعالیٰ کے ساتھ ہے۔ جو مذہب کوئی چاہے رکھے۔ یہی وجہ ہے کہ جبھی آپ کو یہ رائے دی جاتی ہے کہ اب یہ لوگ مسلمانوں کو دُکھ نہیں پہنچا سکتے تو آپ فوراً محاصرہ اُٹھا کر واپس آجاتے ہیں۔ پھر اس سے بھی بڑھ کر یہ زبردست شہادت ہے کہ خود اس فوج میں جو حُنین کے مقام پر جنگ کرتی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی فوج میں غیر مسلم جنگ کرنے والے موجود ہیں۔ اگر تلوار سے مسلمان کرنا ہے تو پہلے ان کو کیوں مسلمان نہ کیا۔ یہ واقعہ کھُلی کھُلی شہادت اس بات کی ہے کہ جنگ حُنین بھی حفاظت قومی کے لئے تھی۔ آپ نے بیشک چڑھائی کی مگر نہ بطور ابتدا۔ بلکہ اس وقت جب دشمن کی طرف سے حملہ کا خطرہ پیدا ہو چکا تھا۔ اور جب جمعیت منتشر ہو گئی اور وہ لوگ پیچھے ہٹ کر اپنے شہر میں محفوظ ہو گئے اور ان کی طرف سے خطرہ نہ رہا تو فوراً جنگ کو بند کر دیا۔ اگر فتح ملکی بھی غرض ہوتی تو طائف کو فتح کئے بغیر واپس نہ آتے معلوم ہوا اس ذریعہ سے اسلام پھیلانا تو ایک طرف رہا فتح ملکی بھی آپ کی غرض نہ تھی۔

طائف سے واپس آکر آپ نے مال غنیمت کا حسب قاعدہ پانچواں حصہ بیت المال کے لئے نکال کر باقی کو سپاہیوں میں تقسیم کر دیا۔ قیدیوں میں آپ کی دودھ بہن شیما بھی تھیں۔ ان کو آپ کے سامنے لایا گیا۔ آپ نے جب انہیں پہچانا تو فوراً اپنی چادر بچھا دی اور نہایت عزت و احترام کے ساتھ اس پر بٹھایا۔ کس قدر پاس دار حقوق کی آپ کے قلب مقدس میں ہے۔ یہ کوئی حقیقی بہن نہیں مگر آپ اتنی عزت کرتے ہیں کہ حقیقی بہنوں کی بھی اتنی عزت دنیا میں کوئی نہیں کرتا۔ آپ نے چاہا کہ شیما آپ کے ساتھ مدینہ چلیں مگر انہوں نے اپنی قوم میں رہنا پسند کیا اور آپ نے نہایت احترام اور تحائف کے ساتھ ان کو رخصت کیا۔

اس کے بعد قوم ثقیف کا ایک وفد قیدیوں کی آزادی کے متعلق آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور قوم کے سردار نے اپنی مصائب کو آنحضرت صلعم کے سامنے پیش کیا اگر کوئی دنیادار مہذب فاتح ہوتا تو یہ معقول جواب دیتا کہ اب تم اپنی مصائب کو پیش کرتے ہو ان کو ہم کیا کریں۔ جب تم نے پہل کر کے ہم کو تباہ کرنا چاہا تھا اس وقت ان مصائب کا کیوں فکر نہ کیا۔ اگر تم غالب آتے تو تم اس سے بھی بدتر سلوک ہمارے ساتھ کرتے کیا آج تمام تہذیب کے دعووں کے ساتھ یہی جواب اپنے مغلوب دشمنوں کو نہیں دیا جاتا؟ مگر قلب مبارک نبوی رحمت مجسم تھا۔ جب اس قبیلہ کی طرف سے نقصان کا خطرہ نہ رہا تو اب دشمن دشمن نہیں اس کے لئے آپ کے دل میں وہی ہمدردی ہے جو ہر انسان کے لئے ہے۔ قلب مبارک کی اگر ایک کیفیت دوسری سے بڑھ کر نمایاں نظر آتی ہے۔ تو وہ ادنیٰ سے ادنیٰ مصیبت انسانی پر پسیج آنا ہے۔ آپ نے فرمایا میں اپنے اور اپنے خاندان کے حصہ کے قیدیوں کو تو ابھی چھوڑتا ہوں لیکن اپنے حصہ پر ہر ایک مسلمان سپاہی خود حق رکھتا ہے میں اس کے حصہ کو نہیں لے سکتا کیا مساوات حقوق کا سبق ہے؟ جن لوگوں نے آپ پر جان و مال فدا کر دیا ان کے لئے آپ کے ارشاد پر قیدیوں کو آزاد کر دینا کونسا مشکل امر تھا۔ مگر مساوات حقوق کا سبق سکھانا تھا۔ بادشاہ کو رعایا کے مال پر کوئی حق حاصل نہیں۔ ساتھ ہی مصیبت زدہ لوگوں کی ہمدردی کا بھی جوش ہے۔ فرمایا نماز ظہر کے وقت آؤ جب لوگ مسجد میں جمع ہوں اور یہ ذکر کرو میں سفارش کردوں گا۔ ایسا ہی ہوا اور ایک آن کی آن میں چھ ہزار قیدی آزاد ہو گئے۔ دنیا کی تاریخ میں یہ نظارہ بھی کہیں نظر نہیں آتا۔ وفد کا فر بُت پرست لوگوں کا۔ ان کی درخواست پر چھ ہزار قیدیوں کو آزاد کر دیا جاتا ہے اور عیسائیت کی تعصب کی دھندلی عینک بھی یہاں کوئی تصویر ایسی نہیں دکھا سکتی کہ آپ نے ان چھ ہزار قیدیوں میں سے ایک کیلئے بھی کلمہ پڑھنے کی شرط لگائی

ہو حیرت آتی ہو کہ رحم مجسم کی تصویر کو جس کے رحم کی کوئی نظیر دنیا پیش نہیں کرسکتی ظالم لوگوں نے خونخواری کا رنگ چڑھا کر پیش کیا ہے جس کے ایک ہاتھ میں تلوار ہے۔ اور دوسرے میں قرآن۔ گویا جو قرآن کو قبول نہیں کرتا اس کا سر کاٹا جاتا ہے

اے خدا تو اس گمراہ۔ گمراہ کرنے والی قوم کو بھی ہدایت فرما +

مال غنیمت جب تقسیم ہو چکا تو جو حصہ بیت المال کا تھا اس میں سے آپ نے قریش کے بعض سرداروں اور بعض بدوی سرداروں کو فیاضانہ انعامات دیئے۔ انصار میں کچھ نوجوان تھے۔ انہوں نے بڑبڑانا شروع کیا کہ رسول اللہ صلعم نے اپنی قوم کو اس قدر انعامات دیئے ہیں ہمیں کچھ نہیں دیا۔ بجائے اس کے کہ ایک جابر خود مختار بادشاہ کی طرح غصہ میں آکر آپ ان کے سر کٹوا دیتے یا کوئی اور سزا دیتے آپ نے نہایت مہربانی سے انصار کو بلایا۔ اور فرمایا کہ میں نے سنا ہے کہ تم لوگ شاکی ہو کہ میں نے سرداران قریش کے ساتھ ناحق رعایت کی ہے۔ وہ لوگ بھی سچائی کے عاشق تھے۔ عرض کیا ہاں ہم میں ایسی باتیں کرنے والے کچھ لوگ ہیں آپ نے فرمایا کیا یہ سچ نہیں کہ میں تمہارے پاس اس حالت میں آیا کہ تم گمراہ تھے۔ سو تم کو اللہ نے ہدایت دی۔ اور تم مفلس تھے اللہ نے تم کو غنی کیا۔ اور تم ایک دوسرے کے دشمن تھے اللہ تعالیٰ نے تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی؟ انصار نے عرض کیا ہاں یارسول اللہ یہ سب سچ ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اے انصار تم مجھے کچھ اور جواب دے سکتے ہو۔ انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ ہم کیا جواب دے سکتے ہیں۔ آپ نے فرمایا تم چاہو تو یوں کہہ سکتے ہو۔ اور تم سچ کہنے والے ہو گے کہ تم ہمارے پاس اس حالت میں آئے جب تمہاری قوم نے تم کو جھٹلایا تھا ہم نے تمہاری تصدیق کی اور تم اس حالت میں آئے جب تمہاری کوئی مدد کرنے والا نہیں تھا۔ ہم نے تمہاری مدد کی۔ اور تم اکیلے گھر سے نکالے گئے تھے ہم نے

تمہیں پناہ دی۔ اے انصار کیا تمہارے دلوں میں اس بات پر وسوسہ پیدا ہوا کہ میں نے مالِ دُنیا کا کچھ حصّہ تالیف قلوب کے لئے دے دیا۔ اور تمہیں تمہارے اسلام کے سپرد کیا۔ اے گروہ انصار کیا تم اس بات پر راضی نہیں کہ لوگ اپنے گھروں میں بکریاں اور اُونٹ لے کر جائیں اور تم رسول اللہ کو ساتھ لے کر جاؤ؟ قسم ہے اس خدا کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر لوگ ایک رستہ چلیں اور انصار ایک اور رستہ چلیں تو میں اس رستے چلوں گا جس پر انصار چلیں۔ اس تقریر سے جو صدق دل سے نکلی ہوئی تھی۔ اور محمد رسول اللہ صلعم کے قلب کی کیفیت بتاتی تھی کہ مال دنیا کی آپ کی نگاہ میں کیا وقعت ہے۔ سامعین کے دلوں پر ایسا اثر ہوا کہ کوئی آنکھ نہ تھی جو پُرنم نہ ہو۔ اور بعض کی تو روتے روتے ڈاڑھیاں تر ہوگئیں۔

چوبیسواں باب

ملک عرب میں اسلام کا چرچا

هُوَالَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ (الفتح - ۲۸)

• ذیقعد ۸ھ میں طائف سے واپس ہوتے ہوئے اور عمرہ کرتے ہوئے اس سال کے آخر میں مدینہ پہنچے۔ مکہ اُم القریٰ کے نام سے موسوم تھا اور گو عرب کا ملکی رنگ میں کوئی دارالخلافہ نہ تھا کیونکہ قبیلہ قبیلہ قوم قوم صوبہ صوبہ میں الگ حکومت تھی۔ مگر روحانی رنگ میں اس کا عزت و احترام اس قدر تھا کہ تمام اطراف عرب سے حج کے موسم میں یہاں لوگ کھینچے چلے آتے تھے۔ اس لحاظ سے ان لوگوں کی بھی خاص عزت تھی جو مکہ میں حاکم ہوں۔ عرب کے لوگ اسلام کی تعلیم کے موٹے اصول سے واقف تھے۔ مگر وہ قریش کو دیکھ رہے تھے کہ ان کی مخالفت کا کیا انجام ہوتا ہے بلکہ جب حج کے دنوں میں نبی کریم صلعم کسی قبیلہ پر اسلام پیش کرتے تو آپ کو یہ جواب دیا جاتا کہ جب تمہاری قوم تم کو نہیں مانتی تو ہم کیا کریں۔ پس جب فتح مکہ کے بعد اہل مکہ جُوق در جُوق اسلام میں داخل ہو گئے تو اس کا اثر کل عرب پر اچھا پڑا۔ خود اس مقابلہ میں بھی انہوں نے دیکھ لیا کہ کس طرح ایک اکیلا آدمی جس کو قریش مجنون کہتے تھے ان کی ساری مخالفت کے باوجود کامیاب ہو گیا۔ اس لئے اب ان کے اسلام لانے میں کوئی رکاوٹ باقی نہ رہی۔ اور یہی وجہ ہے کہ نویں اور دسویں سال ہجرت میں اسلام چاروں طرف عرب میں پھیل گیا۔ اس کا آغاز نویں سال کے ساتھ ہی ہوتا ہے۔ جب یکے بعد دیگرے مختلف قومیں اور مختلف قبیلے اسلام میں داخل ہونے شروع ہو گئے۔ نویں سال ہجری کی ابتدا میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان قوموں سے

جن کا تعلق اب اسلام سے ہو گیا۔ زکوٰۃ کے وصول کرنے کا انتظام کیا۔ اور اپنے عامل اس غرض کے لئے مختلف مقامات پر بھیجے زکوٰۃ گو ایک مذہبی فریضہ تھا۔ مگر چونکہ اسلامی بیت المال کا یہی بڑا حصہ تھا اس لئے اس کا انتظام باقاعدہ کیا گیا اور مرکزی حکومت کے ماتحت اس کو کیا گیا ؎

آپ کے عامل ایک قوم میں زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے گئے۔ اور جب وہ ان کی بھیڑوں وغیرہ کو جمع کر رہے تھے تو قریب کی ایک قوم بنی تمیم نے مسلح ہو کر ان پر حملہ کیا اور ان کو وہاں سے بھگا دیا۔ عُیَینَہ ایک سردار نے فوراً ان پر جوابی حملہ کر کے ان کے پچاس آدمی قید کر لئے۔ بنی تمیم گو اب تک مسلمان نہ ہوئے تھے مگر حنین کی جنگ میں انہوں نے نبی کریم صلعم کو مدد دی تھی۔ انہوں نے فوراً ایک وفد بارگاہ نبوی میں بھیجا۔ یہاں انہوں نے اپنے خطیب اور شاعروں کو آنحضرت صلعم کے خطیب اور شاعر کے مقابلہ میں پیش کیا۔ مگر دونوں کی فوقیت کو تسلیم کیا۔ آنحضرت صلعم کے خطیب اور شاعر کا مضمون تو اب سوائے دین اسلام اور توحید کے کچھ نہ تھا اس کا اثر ان کے دلوں پر ہوا اور مدت سے مسلمانوں کے حالات سے واقف ہونے کی وجہ سے اب انھوں نے فیصلہ کر لیا کہ دین اسلام کو قبول کرنا چاہئے۔ اور مسلمان ہو گئے۔ درحقیقت نہ صرف وہ لوگ جن کا تعلق مسلمانوں سے پڑتا تھا۔ دین اسلام سے اب اچھی طرح سے واقف ہو چکے تھے۔ بلکہ اسلام کی تعلیم کا شہرہ ہر طرف پھیل چکا تھا۔ اور سالہا سال سے حج کو آتے ہوئے لوگ اس تعلیم کو اپنی قوم میں واپس لے جاتے تھے۔ صرف پرانا تعصب اسلام کے خلاف کام کرتا تھا سو جہاں جہاں وہ دور ہوتا جاتا تھا۔ لوگ اب خود بخود مسلمان ہوتے چلے جاتے تھے ؎

انہی ایام میں بنی طَے کی طرف سے کچھ شرارت کے آثار معلوم ہوئے تو آپ نے

حضرت علیؓ کو دو سو سوار کے ساتھ ان کی سرکوبی کے لئے بھیج دیا۔ قیدیوں میں حاتم طائیؔ کی جس کی سخاوت شہرہ آفاق تھی بیٹی بھی تھی جس کا نام سفّانہ تھا۔ جب نبی کریم صلعم کو اس کی خبر پہنچی تو آپ نے اسے بلا کر نہایت عزت و احترام سے رخصت کرنا چاہا۔ مگر فیاض باپ کی بیٹی نے پسند نہ کیا کہ نبی کریم صلعم کی فیاضی سے اکیلی فائدہ اٹھائے اس نے کہا جبتک میرے ساتھ کی عورتیں قید میں ہیں میں واپس جانے کی نسبت ان کے ساتھ قید میں رہنے کو ترجیح دیتی ہوں۔ نبی کریم صلعم نے فوراً حکم دیا کہ کل قیدی چھوڑ دیئے جائیں۔ اس کا بھائی عدیؔ ابن حاتم شام کی طرف بھاگ گیا تھا وہ اس کی تلاش میں نکلی۔ اور جب اس کو نبی کریم صلعم کے حالات اور آپ کے وسعت اخلاق کی خبر ملی تو وہ فوراً دربار نبوی میں حاضر ہوا اور اسلام قبول کیا۔ اور قوم کی سرداری پر بحال ہوا +

انہی ایام میں کعب بن زہیر نے جو ایک مشہور شاعر تھا اور اب تک اسلام کی مخالفت میں شعر کہتا رہا تھا اسلام قبول کیا اور مشہور قصیدہ بُردہ آنحضرت صلعم کی مدح میں کہا جس نے کعب کے نام کو ہمیشہ کے لیئے زندہ کر دیا +

اب اسلام تمام ملک عرب میں ہر دلعزیز ہو چکا تھا۔ اور اس کی آخری کامیابی کی شہرت عرب کے کناروں تک پہنچ چکی تھی دور دور کے لوگ ان حالات سے ناواقف نہ تھے جو قریش اور رسول اللہ صلعم کے درمیان پیش آتے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ کس طرح توحید الٰہی اور نیکی کی تعلیم کی وجہ سے قریش نے آپ کی مخالفت کی کس طرح لوگوں کو آپ کی بات سُننے سے روکا کس طرح آپ کو اور آپ کے ساتھیوں کو دُکھ دے کر نکال دیا گیا۔ کس طرح ان کے تباہ کرنے کی کوشش مدینہ میں آ جانے کے بعد بھی آٹھ سال متواتر جاری رہی۔ ایام حج کے اجتماع نے ان تمام باتوں کو عرب کے کناروں تک پہنچا دیا تھا۔ اور ان کو یہ بھی علم تھا کہ رسول اللہ صلعم اس بات کے

مدعی ہیں کہ آپ کی مخالفت میں جس قدر طاقتیں ہیں اللہ تعالیٰ ان سب کو نیچا دکھائیگا اور آخری کامیابی اسلام کو عطا فرمائے گا۔ اس لیئے اب چاروں طرف سے مختلف قوموں اور قبیلوں سے وفد بارگاہ نبوی میں حاضر ہونے شروع ہوئے آپ ان وفود کی نہایت عزت و احترام کرتے اور ان کو نرمی سے اسلام کی تعلیم سے واقف کرتے تب جو لوگ اسلام قبول کرتے ان کے ساتھ آپ ایک حافظ قرآن کو بھیج دیتے تاکہ ان کو تعلیم دین سے کماحقہٗ آگاہ کرے چنانچہ اسی سال کے پہلے نصف میں ایسے ایسے دور کے علاقوں سے جیسے یمن اور حضرموت۔ بحرین اور عمان۔ حدود شام۔ حدود ایران سے آپ کی خدمت میں وفد آئے جن کا ذکر آگے آئے گا۔ اور اسلام چاروں طرف ملک عرب میں پھیلنے لگا۔ تاریخ اسلامی سے ناواقف لوگ حق سے کس قدر دور چلے گئے جب انہوں نے یہ خیال کیا کہ جنگوں سے اسلام پھیلا۔ جنگوں کا زمانہ وہ تھا جب اسلام کی ترقی رکی رہی۔ جوں ہی ملک میں امن قایم ہوا۔ دین اسلام اس طرح چاروں طرف پھیلنا شروع ہوا کہ معلوم ہوتا تھا کہ کوئی طاقت بالا لوگوں کے دلوں کو اسلام کے سامنے جھکاتی جا رہی ہے۔ کوئی مہم ان مقامات پر نہیں بھیجی گئی جہاں سے وفد قبول اسلام کے لئے نبی کریم صلعم کی خدمت میں خود حاضر ہو رہے تھے۔ اور یہ ایک ایسا حق ہے جس پر آج تک ایک زبردست پردہ ڈالنے کی کوشش کی گئی ہے۔ مذہبی آزادی اور امن کی حالت یہ دو چیزیں ہی ہمیشہ اسلام کے پھیلنے میں معاون ثابت ہوئی ہیں اور آیندہ بھی ثابت ہوں گی۔

پچیسواں باب
جنگِ تبوک

لَوْ كَانَ عَرَضًا قَرِيبًا وَّسَفَرًا قَاصِدًا لَّاتَّبَعُوْكَ وَلٰكِنْ بَعُدَتْ عَلَيْهِمُ الشُّقَّةُ (التوبہ-۴۲)

جب ملک عرب میں اس طرح چاروں طرف اسلام کا غلغلہ بلند ہوا تو سب سے پہلے پاس کی عیسائی سلطنت کو فکر ہوا اور اس نے اسلام کی اس ترقی کو حسد کی نظر سے دیکھا حالانکہ اسلام کی ہمدردی بت پرستوں اور آتش پرستوں کے خلاف اہل کتاب یعنی یہودیوں اور عیسائیوں سے تھی چنانچہ اُس وقت جب ایرانی فوجیں سلطنت روما کے تمام ایشیائی مقبوضات کو اور ملک مصر کو فتح کر کے قسطنطنیہ کے دروازوں کو کھٹکھٹا رہی تھیں۔ اور سلطنت روما کی تباہی میں کوئی شبہ نہ رہ گیا تھا۔ تو نبی کریم صلعم پر قرآن کی وہ آیات اُتری تھیں جن میں آپ نے نو سال کے اندر اندر سلطنت روما کے ایران پر غالب آنے کی پیشگوئی کی تھی۔ الٓمٓ غُلِبَتِ الرُّوْمُ فِیْۤ اَدْنَی الْاَرْضِ وَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ فِیْ بِضْعِ سِنِيْنَ۔ رومی قریب کی زمین میں مغلوب ہو گئے اور وہ اپنے مغلوب ہونے کے بعد پھر غالب آئیں گے۔ نو سال کے اندر اندر۔ اور ساتھ ہی اس کے دوسری پیش گوئی یہ سنائی گئی وَيَوْمَئِذٍ يَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ بِنَصْرِ اللّٰهِ اس دن مومن بھی اللہ کی مدد سے خوش ہوں گے چنانچہ جس سال بدر میں مسلمانوں کو فتح ہوئی اسی سال سلطنت روما اپنے مقبوضات مفتوحہ کو واپس لیتی ہوئی ایران کے اندر داخل ہوئی پس مسلمان تو سلطنت روما کی کامیابی پر خوش ہوتے تھے مگر سلطنت روما کو اسلام کی کامیابی اچھی نہ لگی۔ ایک مرتبہ پہلے بھی موتہ کے مقام پر مٹ بھیڑ ہو چکی تھی۔ اب جب یہ خبریں ملک

شام میں پہنچیں کہ عرب سب کا سب اسلام کے آگے گردن جھکا تا جاتا ہے تو پرستاران صلیب نے یہ خیال کیا کہ ہم تلوار کے زور سے عرب کو اپنے دین میں لے آئیں گے۔ اور کم از کم اسلام کی ترقی کو روک دیں گے۔ چنانچہ عرب میں متواتر خبروں کے ذریعہ یہ مشہور ہو گیا کہ قیصر نے ایک بڑی فوج اسلام کی بیخکنی کے لئے جمع کی ہے اور تمام قبایل عرب جو عیسائی مذہب اختیار کر چکے تھے اس مہم میں شامل ہیں غسانیوں کی طرف سے بالخصوص ہر وقت عرب میں خطرہ لگا رہتا تھا نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے ان خبروں کی بنا پر ملک شام کی سرحد کی طرف اپنی افواج کی تیاری کا حکم دیا۔ قرآن شریف کا حکم تھا کہ اپنی سرحدوں کو مضبوط رکھو۔ کیونکہ اگر سرحد پر کمزوری واقع ہو تو ملک نہیں بچ سکتا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جس طرح اللہ تعالیٰ نے اعلیٰ درجہ کا تقا عطا فرمایا تھا کہ آپ اپنی قوم کی حفاظت شیطان کے تمام امکانی حملوں سے بھی کرتے تھے۔ اسی طرح ملکی رنگ میں بھی آپ کو وہ اعلیٰ درجہ کی احتیاط عطا فرمائی تھی جس کے بغیر آپ کوئی قوم نہ بنا سکتے تھے۔ اور آپ ادنےٰ خطرہ پر تمام شیطانی منصوبوں کا قلع قمع کرنے کے لئے تیار رہتے تھے اس لئے قیصر کی تیاری کی ان متواتر خبروں کو آپ سرسری نگاہ سے نہ دیکھ سکتے تھے۔ اگر ایک دفعہ عرب کے اندر اس کا قدم آجاتا تو پھر ان لوگوں کے حوصلے بڑھ جاتے اور مسلمانوں کو خطرناک مشکلات کا سامنا ہوتا۔

آپ نے تمام قبائل عرب کو مہم میں شمولیت کے لئے بلایا کیونکہ یہ خطرہ صرف مدینہ یا مسلمانوں کو نہیں تھا بلکہ کل عرب کو خطرہ تھا۔ مگر کئی ایک رکاوٹیں بھی تھیں سفر بڑا لمبا تھا۔ موسم سخت گرمی کا تھا ادھر فصل بالکل پکی ہوئی اور کاٹنے کے لئے تیار تھی سب سے بڑھ کر یہ کہ قیصر روم کی باقاعدہ اور منتظم افواج کا مقابلہ منافق تو ویسے ہی طرح طرح کے عذر کر کے رہ گئے۔ آپ کی عادت تھی کہ جب آپ

سامنے عذر کیا جاتا تو آپ انکار نہ کرتے تھے اسی پر یہ آیت نازل ہوئی عَفَا اللّٰہُ عَنْکَ لِمَ اَذِنْتَ لَھُمْ۔ علاوہ ازیں دور کے سفر میں بغیر سواری کے چارہ نہیں اور بہت سے لوگ بوجہ غربت سواری مہیا نہ کر سکتے تھے۔ وہ روتے تھے کہ ہمیں شمولیت کا موقع نہیں ملا۔ مگر نبی کریم صلعم نے فرمایا سواری نہیں میں کیا کر سکتا ہوں۔ حضرت عثمان نے ایک ہزار اونٹ اور دس ہزار دینار اس مہم کی تیاری کے لئے دیئے۔ غرض تیس ہزار فوج تیار ہوئی اور رجب ۹ھ میں مدینہ سے شام کی طرف کوچ کیا۔ صحابہ کو رسول اللہ صلعم سے کس قسم کی محبت تھی کئی ایک واقعات سے ظاہر ہوتا ہے۔ ایک صحابی اپنے باغ میں ٹھنڈی چھاؤں میں دوپہر کے وقت آرام کر رہے تھے۔ ہر قسم کی نعمتیں مہیا تھیں۔ معاً دل میں ایک اُبال اُٹھا اور پکار اُٹھے کہ رسول اللہ صلعم تو اس گرمی میں حالت سفر میں ہوں اور میں یہاں بیٹھا سایہ میں آرام کروں فوراً سواری لی اور ساتھ مل گئے۔ غرض محبان صادق اس امتحان میں پورے اُترے اور کسی تکلیف کی پروا نہ کر کے ساتھ ہو لئے۔ راستہ میں حجر کا مقام تھا جہاں قوم ثمود پر عذاب اُترا تھا۔ آپ نے فرمایا یہاں سے جلدی گزر جاؤ۔ یہ قوم کو سبق تھا کہ ظالموں کے ساتھ کسی قسم کا تعلق نہ رکھیں ٭

مدینہ اور دمشق کے درمیان میں مدینہ سے چودہ منزل کے فاصلہ پر مقام تبوک ہے۔ یہاں پہنچ کر آپ نے ڈیرہ ڈال دیا۔ اور دشمن کے ارادہ کی تحقیقات کی۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس اثنا میں آپ کی تیاری اور جرار فوج کو دیکھ کر اور اس واقعہ کو یاد کر کے جب مُوتہ کے مقام پر تین ہزار مسلمانوں نے ایک لاکھ کے قریب فوج کا مقابلہ کیا تھا۔ غسّان۔ لخم۔ جُذام وغیر قبائل کے حوصلے پست ہو چکے تھے۔ اور قیصر نے حالت تذبذب میں کوئی قطعی فیصلہ نہ کیا تھا۔ غرض آپ نے سرحد کو بالکل حالت امن میں پایا۔ اگر آپ کا مسلک یہ ہوتا کہ تلوار کے زور سے لوگوں کو مسلمان

کیا جائے تو اس سے بہتر کون سا موقع ہو سکتا تھا تیس ہزار آدمی ہر طرح سے مسلح مرنے مارنے پر تیار ساتھ تھے۔ جدھر رُخ کرتے تلوار کے زور سے مسلمان کرتے چلے جاتے۔ مگر ساری مہم میں ایک فرد واحد کا بھی اس طرح مسلمان کیا جانا ثابت نہیں۔ اگر آپ کو فتوحات ملکی کا شوق ہوتا تو ظاہر ہے کہ اس قدر تکلیف اُٹھا کر تیس ہزار فوج کو ساتھ لے کر سرحد شام پر پہنچ چکے ہیں۔ دشمن آگے مقابلہ کے لئے تیار نہیں فوراً حملہ کر کے ملک شام میں داخل ہو جاتے اور قبل اس کے کہ دشمن مقابلہ کے لئے تیاری کرتا بہت سا ملک لے لیتے۔ یہی لوگ تھے جنہوں نے بعد میں کئی کئی ہزار نے بڑے بڑے جرار رومی لشکروں کو شکستیں دیں۔ مگر ہوس مُلک گیری آپ کے قلب کے کسی کونہ میں نہ تھی۔ اس قدر خرچ اور تکلیف اُٹھانے کے بعد جب دیکھا کہ دشمن نے پہل نہیں کی تو آپ نے بھی قرآن کریم کے اس حکم کی تعمیل کی وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے جنگ کرو جو تمہارے ساتھ جنگ کرتے ہیں اور زیادتی نہ کرو بیس دن تک آپ نے مقام تبوک میں قیام کیا اور پھر وہاں سے واپس آ گئے ہاں اس اثناء میں بعض چھوٹی چھوٹی عیسائی حکومتوں سے آپ کے معاہدات ہو گئے جس سے سرحد پر امن کا اطمینان بڑھ گیا۔

چھبیسواں باب

منافق اور ان کا انجام

اِنْ نَّعْفُ عَنْ طَآئِفَةٍ مِّنْكُمْ نُعَذِّبْ طَآئِفَةً بِاَنَّهُمْ كَانُوْا مُجْرِمِيْنَ (التوبہ - ۶۶)

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ سے مدینہ کو ہجرت کی تو کسی قدر آزادی کے ساتھ وہ چند مخالفت کا بھی سامنا کرنا پڑا۔ قریش کی دشمنی سے پہلے تو مسلمانوں کو دکھ دینے تک محدود تھی اب وہ ان کو نیست و نابود کرنے پر تل گئے۔ قبائل عرب ابتک اسلام کے خطرناک مشکلات میں ہونے کی وجہ سے خاموش تھے۔ اسلام کی ترقی نے اب انہیں بھی اُٹھا دیا۔ یہودی دور بیٹھے خاموش تھے اب گھر میں اسلام کی ترقی نے ان کے حسد کی آگ کو بھڑکا دیا۔ عیسائی بھی اسلام کی کامیابیوں کو دیکھ کر اب مخالفت کرنے لگے۔ مگر ایک نرالے رنگ کی دشمنی ان لوگوں کی طرف سے شروع ہوئی جو اصطلاح اسلام میں منافق کہلاتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اس قدر جرأت نہ رکھتے تھے کہ اسلام کا کھلے طور پر مقابلہ کریں۔ انہوں نے ظاہر میں تو اسلام قبول کرلیا۔ مگر اندرونی طور پر کفر پر قایم رہے اور نہ صرف یہی بلکہ اس رنگ میں انہوں نے اسلام کو سخت نقصان پہنچانے کی کوشش کی۔ ان کا سردار ایک شخص عبداللہ بن اُبیّ تھا۔ نبی کریم صلعم کے مدینہ تشریف لانے سے پہلے عبداللہ بن اُبیّ کا رسوخ اس قدر بڑھا ہوا تھا کہ لوگ اسے اپنا بادشاہ بنانے کو تیار رہتے تھے۔ مگر آنحضرت صلعم کی ہجرت کے ساتھ ہی یہ نقشہ پلٹ گیا اور عبداللہ بن اُبیّ بالکل ایک معمولی انسان کی حیثیت میں رہ گیا شروع میں اس نے کسی قدر مخالفت بھی کی مگر یہ دیکھ کر کہ اسلام ترقی پکڑتا جاتا ہے

اس نے بھی ظاہرا اسلام قبول کر لیا۔ اور اس وقت سے لے کر ۹ سنہ ہجری یعنی اپنی وفات تک ہر ایک ممکن کوشش اسلام کو نقصان پہنچانے کی کرتا رہا۔ بیرونی دشمن سے تو احتیاط کر لی جاتی ہے۔ مگر اس قسم کے اندرونی دشمن نہایت خطرناک ہوتے ہیں۔ گویا یہ مذہبی انارکسٹ ہیں جو ہر وقت تباہی کی فکر میں لگے رہتے ہیں اور اندر ہونے کی وجہ سے حالات سے بھی واقف ہوتے ہیں اور بیرونی دشمنوں سے بھی ساز باز رکھتے ہیں۔ خدا تعالیٰ نے ابتدا میں ہر قسم کے دشمنوں کو جو امکانی طور پر ہو سکتے ہیں اسلام کی مخالفت کا موقعہ دیکر یہ دکھا دیا کہ جس پودہ کو وہ سر سبز کرنا چاہتا ہے اسے کوئی برباد نہیں کرسکتا۔

عبد اللہ بن اُبَیّ کی عداوت نے اُحُد کے موقعہ پر زیادہ نمایاں رنگ اختیار کیا اس نے جب دیکھا کہ قریش تین ہزار جوانوں کے ساتھ مسلمانوں کو نیست و نابود کرنے پر تلے ہوئے آئے ہیں تو اس نے اپنے تین سو آدمی الگ کر لئے اور مدینہ واپس چلا آیا۔ اس کا خیال تھا کہ اس طرح سے مسلمان اور بھی کمزور ہو جائیں گے اور کافر اب کے ان کا فیصلہ کر دیں گے۔ بنی نَضِیر نے جب شرارت کی تو اس وقت عبد اللہ بن اُبَیّ نے ان کو مدد دینے کا وعدہ کیا تھا گو اس کا ایفا نہیں کیا۔ غزوہ اَحزاب میں جب چوبیس ہزار دشمن مدینہ کو گھیرے پڑے تھے اور مسلمان نہایت خطرہ کی حالت میں تھے تو یہ لوگ یہ کہکر اپنے گھروں کو چلے گئے کہ ہمارے گھر غیر محفوظ ہیں ایسا نہ ہو کہ غنیم ان پر حملہ کر دے یہ محض جھوٹا بہانہ تھا۔ بنی مُصطَلِق کی مہم میں عبد اللہ نے پھر علانیہ دشمنی کا اظہار کیا۔ اور انصار اور مہاجرین میں فساد ڈالنے کی کوشش کی مگر ناکام رہا۔ اس مہم سے واپسی پر جو حضرت عائشہ صدیقہ پر افک باندھا گیا اس کا اصل مرتکب بھی عبد اللہ اور اس کا گروہ تھا اور بعض مسلمان بھی ان کی باتوں میں آ گئے کہیں کوئی شورش ہوتی تو یہ لوگ منتظر رہتے

کہ مسلمان تباہ ہو جائیں گے۔ ہر وقت اس بات کے لئے تیار رہتے کہ باہر سے کوئی دشمن ذرا بھی کامیابی حاصل کرے تو اندر سے یہ کھڑے ہو جائیں۔ غزوۂ تبوک میں یہ عذر کر کے رُک گئے کہ گرمی بڑی سخت ہے۔ اور اصل منشاء ان کا یہ تھا کہ مسلمان سب چلے جائیں گے۔ تو پیچھے شرارت کا موقع ملے گا۔ مگر ان کی تمامتر کوششیں بکلی ناکام ہوئیں۔ علاوہ بریں یہ لوگ اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ استہزا کرتے۔ اور اسلام کے خلاف خفیہ منصوبے بھی کرتے رہتے جن کا ذکر قرآن شریف میں ہے۔ نبی کریم صلعم ایک ہی انسان ہیں جنہوں نے اس فقرہ پر عمل کر کے دکھایا ہے کہ اپنے دشمنوں سے محبت کرو۔ اس قسم کے خطرناک دشمنوں کے ساتھ بھی نہایت نرمی کا سلوک کرتے رہے اور ہمیشہ معافی اور درگزر سے کام لیتے رہے اور کبھی ان کی شرارتوں پر سزا نہیں دی۔ جب عبداللہ بن اُبیؔ نے مہاجرین اور انصار میں پھوٹ ڈلوانے کی کوشش کی تو حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ کیوں ایسے شریر کو مروا نہ دیا جائے تو آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ میں پسند نہیں کرتا کہ لوگ کہیں کہ محمد صلعم اپنے صحابہ کو مرواتے ہیں البتہ جب منافقوں نے ابو عامر کی سازش سے مدینہ میں ایک مسجد بنائی جہاں ان کا منشاء جمع ہو کر مسلمانوں کے خلاف منصوبہ بازیاں کرنا تھا تو خدا کے حکم سے آپ نے اس مسجد کو جلوا دیا۔ یہ مسجد آپ کی تبُوک کو روانگی سے پہلے بنائی گئی تھی۔ اور آپ سے درخواست کی گئی کہ آپ خود پہلے چل کر اس میں ایک نماز پڑھا دیں۔ آپ نے فرمایا تبُوک سے واپسی کے بعد دیکھا جائیگا اس اثناء میں وحی الٰہی سے آپ کو علم ہو گیا کہ یہ مسجد نہیں بلکہ محض اسلام کو تباہ کرنے کے لئے ایک منصوبہ بازی کی جگہ بنائی گئی ہے۔ اس لئے آپ نے تبُوک سے واپس ہوتے ہی اس کو جلانے کا حکم دیا۔ غزوہ تبُوک سے واپسی سے کوئی دو ماہ بعد عبداللہ بن اُبیؔ فوت ہو گیا۔ مسلمان اس کو رئیس منافقین جانتے

اور کہتے تھے۔ اور اس کے اندرونی طور پر خطرناک دشمن اسلام ہونے میں کسی کو شبہ نہ تھا۔ مگر بظاہر وہ کلمہ شہادت کا مقر تھا۔ اور اپنے آپ کو مسلمان کہتا تھا۔ اس کا بیٹا (ان کا نام بھی عبداللہ تھا اور وہ سچے دل سے مسلمان تھے) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنے باپ کی طرف سے دو درخواستیں پیش کیں اول یہ کہ آپ اپنا کرتہ دیں جس میں اس کو کفن پہنایا جائے اور دوسرے یہ کہ آپ خود اس کے جنازہ کی نماز پڑھیں۔ ایسا دشمن اور سلوک وہ چاہتا ہے جو سب دوستوں کو بھی میسر نہیں آتا۔ مگر چونکہ ظاہر میں مسلمان تھا اس لئے آنحضرت صلعم نے دونوں درخواستوں کو منظور کیا اور اپنا کرتہ اسے دیدیا۔ جب آپ جنازہ کے لئے چلنے کو تیار ہوئے تو حضرت عمرؓ نے آپ کا دامن پکڑ لیا کہ ایک دشمن اسلام کا جنازہ آپ پڑھنے جاتے ہیں مگر رحمۃ للعالمین کا قلب تو دشمن کے لئے بھی محبت سے بھرا ہوا تھا آپ نے فرمایا ہاں ہم جنازہ پڑھیں گے حضرت عمرؓ نے عرض کیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً لَّنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ۔ اگر تم ستر مرتبہ بھی ان کے لئے استغفار کرو تو اللہ ان کو معاف نہیں کریگا۔ آپ نے فرمایا میں ستر مرتبہ سے زیادہ استغفار کروں گا۔ اہل مکہ سے وہ سلوک سب سے بڑے اندرونی دشمن سے یہ سلوک۔ کیا یہ وسعت قلب دنیا کے کسی اور انسان میں نظر آتی ہے؟ دنیا میں ایک ہی انسان ہے جو واقعات کی روشنی میں رحمۃ للعالمین کہلانے کا مستحق ہے۔ اس کے دل میں دوستوں کے لئے ہی رحم نہیں بلکہ دشمنوں کے لئے بھی رحم بھرا ہوا ہے ✦

عبداللہ بن ابیّ کی وفات کے ساتھ منافقین کا زور ٹوٹ گیا۔ اسلام کی حقانیت کے جس قدر پہلو روز بروز زیادہ واضح ہوتے جاتے تھے۔ اسی قدر منافقین کے دل میں بھی اسلام کی محبت پیدا ہوتی چلی جاتی تھی۔ اب تک انہوں نے اندرونی

طور پر ہر ایک قسم کی کوشش کر کے دیکھ لیا تھا کہ وہ اسلام کا کچھ نہیں بگاڑ سکے۔ اس لئے اب جوان کا سردار ناکام فوت ہوا تو ان کے دل بول اُٹھے کہ اسلام حق ہے۔ ان میں سے بہت سے لوگ سچے دل سے مسلمان ہو گئے۔ ہاں چند ایک شقی القلب باقی رہ گئے جن کو آخر کار اللہ تعالیٰ کے حکم سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نام لے لے کر مسجد سے نکال دیا کہ فلاں فلاں منافق ہیں چلے جائیں۔ ان لوگوں کو قتل نہیں کیا گیا۔ شہر سے خارج نہیں کیا گیا۔ صرف مسلمانوں کو ان کی شرارت سے اب کھلے طور پر آگاہ کر دیا۔ ہاں ان سے زکوٰۃ نہیں لی جاتی تھی۔ اور یہی ایک سزا تھی جو ان کو ملی یٰاَیُّهَا النَّبِیُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِیْنَ کے حکم کو ایک طرف رکھو یعنی اے نبی کافروں اور منافقوں سے جہاد کرو اور آنحضرت صلعم کے اس عمل کو دوسری طرف رکھو تو جہاد کے معنی پر خود روشنی پڑتی ہے۔ یوں آنحضرت صلعم کی زندگی میں منافقوں کا آخری فیصلہ ہو گیا۔ اور اسلام اندرونی اور بیرونی دونوں قسم کے دشمنوں کی ریشہ دوانیوں سے پاک ہو گیا۔ بیرونی دشمنوں کو تو قوت و طاقت سے صاف کیا جا سکتا ہے مگر اندرونی دشمنوں کی کسی تحریک سے پاک کر دینا طاقت انسانی سے بالاتر ہے۔ اور اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ ایک ملک کو نہ صرف دشمنوں سے صاف کر دیا۔ بلکہ انہی دشمنوں کو جان نثار دوست بنا دیا۔ یہ انسانی طاقت کا کام نہیں۔ چہ جائیکہ ایک انسان اس ناممکن کام کو سرانجام دے سکے۔ ہاں جس نے یہ فرمایا تھا عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّجْعَلَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ عَادَيْتُمْ مِّنْهُمْ مَّوَدَّةً وَاللّٰهُ قَدِيْرٌ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ قریب ہے کہ اللہ تمہارے درمیان اور ان لوگوں کے درمیان جن کے ساتھ تم کو دشمنی ہے محبت پیدا کر دے۔ اللہ کو یہ قدرت ہے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ اسی نے یہ کر کے بھی دکھا دیا۔ اور خطرناک سے خطرناک دشمنوں کو چند سال کے اندر اعلیٰ سے اعلیٰ درجہ کے جان نثار بنا دیا۔

ستائیسواں باب
وفدوں کا سال

اِذَا جَآءَ نَصۡرُ اللّٰہِ وَالۡفَتۡحُ وَرَاَیۡتَ النَّاسَ یَدۡخُلُوۡنَ فِیۡ دِیۡنِ اللّٰہِ اَفۡوَاجًا فَسَبِّحۡ بِحَمۡدِ رَبِّکَ وَاسۡتَغۡفِرۡہُ اِنَّہٗ کَانَ تَوَّابًا ۝ (النصر)

ہجرت کے نویں سال کا آخری حصہ اور دسواں سال مختلف اقوام اور قبائل کے وفدوں کی مدینہ میں آمد کا سال ہے۔ نویں سال کے آخر میں ہی طائف کے باشندوں کا وفد آنحضرت صلعم کی خدمت میں آیا۔ یہ ہم دیکھ چکے ہیں کہ فتح مکہ کے بعد جب ہوازن سے جنگ پیش آئی تو بقیہ قوم ثقیف کے طائف میں محصور ہو جانے سے نبی کریم صلعم کو محاصرہ کرنا پڑا۔ مگر جب آپ کو یقین ہو گیا کہ ان لوگوں کی طرف سے اب مسلمانوں کو تکلیف پہنچنے کا خطرہ نہیں رہا تو آپ نے محاصرہ اُٹھا لیا۔ اس محاصرہ میں عُروہ جو ان کے سرداروں میں سے ایک تھے غیر حاضر تھے۔ اور یمن میں فن حرب کی بعض باتیں سیکھنے کے لئے گئے ہوئے تھے۔ واپسی پر انہوں نے سیدھا مدینہ کا رُخ کیا۔ اسلام کی خوبیوں سے وہ واقف تھے اور خود بھی حُدیبیہ میں آنحضرت صلعم کو دیکھ چکے تھے اور شروع سے ان پر اسلام کا اچھا اثر تھا اس لئے اب وہ سیدھے مدینہ آئے اور مسلمان ہو گئے۔ مسلمان ہوتے ہی ان کی پہلی بڑی خواہش یہ ہوئی کہ اپنی قوم کو بھی اسلام کی برکات سے متمتع کریں۔ آنحضرت صلعم نے ان کو روکا کیونکہ آپ جانتے تھے کہ طائف کے لوگ بہت سخت ہیں مگر ان کو اپنی ہر دلعزیزی پر بھروسہ تھا۔ اور عرض کیا کہ میں ان میں ان کی کنواری لڑکیوں سے زیادہ عزیز ہوں۔ چنانچہ طائف پہنچتے ہی انہوں نے سب لوگوں کو جمع کر کے اسلام کی دعوت

دی۔ صبح ہوتے ہی انہوں نے اذان دی جس پر شوریدہ سروں نے ان کے گھر کا محاصرہ کر کے ان پر تیر برسائے اور انہوں نے شہادت پائی۔ اس سے اہل طائف کی مخالفت اور بھی بڑھ گئی۔ اور ہوازن کے ساتھ ان کی جنگ شروع ہو گئی۔ جو اس وقت تک مسلمان ہو چکے تھے۔ آخر کار انہوں نے دیکھا کہ چاروں طرف مسلمان ہی مسلمان ہیں۔ اس لئے انہوں نے مشورہ کیا اور اس نتیجہ پر پہنچے کہ اب اسلام کی مخالفت بے سود ہے اور ہم اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ اور ایک وفد جس میں چھ سردار اور کوئی بیس آدمی تھے آنحضرت صلعم کی خدمت میں بھیجا۔ آپ نے ان سے عُروہ کے خون کے متعلق بھی بازپرس نہیں کی انہوں نے اسلام پر اپنی رضامندی ظاہر کی مگر کہا کہ جاہل اور عورتیں لات کی تباہی پر رضی نہیں ہونگے اسے تین سال تک یوں ہی چھوڑ دیا جائے آپ نے اسے نامنظور کیا۔ آخر انہوں نے ایک ماہ کی مہلت مانگی مگر اسلام اور بُت پرستی ایک جگہ جمع نہ ہو سکتے تھے۔ آخر کار آنحضرت صلعم نے مُغیرہ کو بھیجا کہ وہ اپنے ہاتھ سے جا کر اس بت کو توڑ دیں کیونکہ یہ لوگ خائف تھے کہ ہمارے توڑنے سے کچھ نقصان پہنچے گا۔

اسی سال بنی تمیم کا وفد نبی کریم صلعم کی خدمت میں حاضر ہوا جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ نویں سال کے اختتام سے پہلے ہی جزیرہ نمائے عرب کے جنوب اور مشرق میں اسلام کا چرچا پھیل چکا تھا۔ یمن اور مہرہ اور عُمان اور بحرین اور یمامہ کے بہت سے سرداروں نے خطوط کے ذریعہ یا وفد بھیج کر اسلام قبول کر لیا۔ عرب کے لوگ چونکہ ہمیشہ سے خود مختاری کے عادی چلے آئے تھے۔ اس لئے ایک قبیلہ کبھی دوسرے کو خراج کے رنگ میں کچھ دینا عار سمجھتا تھا۔ اس لئے زکوٰۃ کی وصولی ان میں سے بعض کے اسلام قبول کرنے میں روک ہو گئی وہ اسلام کو پسند کرتے تھے مگر یہ پسند نہ کرتے تھے کہ خراج کے رنگ میں کچھ دیں۔ مہرہ اور یمن کے عیسائیوں

نے بھی اس سال کے آخر میں اسلام قبول کر لیا۔ آپ نے مُنذر بحرین کے سردار کے پاس بھی ایک مبلغ بھیجا اور مُنذر نے فوراً اسلام قبول کر لیا۔ اس کے ساتھ ہی بنی حنیفہ نے جو عیسائی تھے اور دوسری اقوام یمامہ نے ایک وفد آنحضرت صلعم کی خدمت میں بھیجا۔ اسی وفد میں مُسیلمہ تھا جو بعد میں کذاب کے نام سے مشہور ہوا۔ اس نے خیال کیا کہ محمد رسول اللہ صلعم یوں بیٹھے بیٹھے مُنہ سے بات کر کے پیغمبر بن گئے ہیں اور اسی طرح میں بھی بن سکتا ہوں نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت ابو بکر کے زمانہ میں مقتول ہوا اور اس کے ساتھی سب تتر بتر ہو گئے۔

سولہ آدمیوں کا ایک وفد بنی تغلب سے بھی آیا جو عیسائی تھے۔ بعض لوگ ان میں سے مسلمان ہو چکے تھے آپ نے اجازت دی کہ جو عیسائی ہیں وہ اپنے مذہب پر رہیں۔ مگر عیسائی اقوام میں سے سب سے زیادہ مشہور نجران کے عیسائیوں کا وفد ہے جس میں کوئی ستر کے قریب آدمی تھے۔ اور ان کے سردار عبد المسیح اور عبد الحارث تھے جو بنی کندہ اور بنی حارث میں سے تھے۔ یہ لوگ رومن کیتھولک عیسائی تھے۔ آنحضرت صلعم نے جو تمام وفود کو عزت کے ساتھ صحابہ کے گھروں میں اُتارتے تھے اس وفد کو مسجد نبوی میں اُتارا بلکہ ان کو وہیں عبادت کرنے کے لئے بھی اجازت دی۔ آپ نے ان لوگوں کو اسلام کی دعوت دی مگر انھوں نے بحث کرنی چاہی چنانچہ بحث بھی ہوئی۔ آخر جب انھوں نے کھلے کھلے دلائل کو رد کیا تو آنحضرت صلعم نے بحکم الٰہی ان کو مباہلہ کے لئے بُلایا اور خود میدان میں نکل بھی آئے۔ مگر عبد المسیح اور عبد الحارث ان کے سردار مباہلہ سے ڈر گئے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت معلوم کر چکے تھے مگر اپنے مذہب کو چھوڑنا پسند نہ کرتے تھے آخر معاہدہ کر کے واپس ہوئے۔

دسویں سال میں یمن کے بعض اور قبائل کے وفد بارگاہ نبوی میں حاضر

ہوئے۔ ان میں بجیلہ کا ایک وفد تھا جن کا مشہور مندر ذوالخلصہ تھا اور یہ مندر یمن کا کعبہ کہلاتا تھا۔ اس کا بت خلصہ بھی توڑا گیا۔

حضرموت سے دو سرداران قوم یعنی وائل اور اشعث ایک جمعیت کے ساتھ حاضر ہوئے۔ یہ ریشمی لباس پہنے ہوئے تھے۔ آپ نے ان سے دریافت کیا کہ کیا تم اسلام قبول کرو گے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہم اسی غرض کے لئے آئے ہیں۔ آپ نے فرمایا پھر یہ ریشمی لباس اُتار دو۔ چنانچہ وہ لباس فوراً اُتار دیا گیا۔ اور یہ لوگ مسلمان ہوئے۔ نبی کریم صلعم صرف چند اصول کی تعلیم دے دینا کافی نہ سمجھتے تھے بلکہ ان کے حالات عادات اخلاق میں ایک نیا رنگ پیدا کر دیتے تھے۔ اور تمام پُرانی باتوں کو مٹا کر سب کو ایک دین پر۔ ایک اصول پر یکساں عادات پر جمع کر دیتے اور ان میں یکساں رنگ زندگی کا پیدا کر دیتے اور تمام پُرانی عادات کو یکم قلم چھڑوا دیتے +

اسی طرح پر قبیلہ کے بعد قبیلہ کا اور قوم کے بعد قوم کا وفد آتا اور خود اسلام میں داخل ہونے کی خواہش کرتا اور اپنی قوم کی تعلیم کے لئے اور زکوٰۃ کی وصولی کے لئے رسول اللہ صلعم سے معلّم اور محصّل مانگتا۔ ان سب کی تفصیل کی ضرورت نہیں۔ ہاں عامر ابن طفیل کا قصہ بتاتا ہے کہ کس طرح اب بھی بعض لوگ اسلام کو تباہ کرنے کے درپے تھے۔ عامر اور اربد گھر سے یہ مشورہ کر کے چلے تھے کہ رسول اللہ صلعم کو ناگہاں قتل کر دینگے۔ عامر نے اربد کو کہا کہ میں رسول اللہ صلعم کو باتوں میں لگاؤں گا تم اُسے تلوار مار کر ان کا کام تمام کر دینا۔ چنانچہ عامر نے ایسا ہی کیا مگر اربد کو جرأت نہ ہوئی۔ آخر جب عامر نے دیکھا کہ یوں موقعہ نہیں ملتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ میں آپ سے تنہائی میں گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔ مگر آپ نے کہا یہ نہیں ہو سکتا جبتک کہ تم خدائے واحد پر ایمان لانے کا

اقرار نہ کرو۔ یہ شخص ایک بڑی زبردست قوم کا سردار تھا چلتے وقت کہنے لگا کہ میں اس قدر سوار اور پیادے تم پر چڑھا کر لاؤں گا کہ جن کے مقابلہ کی تم میں طاقت نہ ہوگی اس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف اس قدر دعا کی اَللّٰھُمَّ اکْفِنِیْ عَامِرَ ابْنَ الطُّفَیْل۔ اے اللہ تو عامر بن الطفیل کے مقابلہ میں میرے لئے کافی ہو جائیو۔ خدا کی قدرت کہ قبل اس کے کہ یہ دشمن اسلام اپنی قوم کو جا کر ابھارتا خود ہی فنا ہو گیا۔ رستہ میں ہی طاعون نمودار ہوا اور ہلاک ہو گیا ۔

غرض نویں سال کے آخر میں اور دسویں سال میں جنگوں کا سلسلہ قریبًا بکلی بند ہوا اور دین اسلام کے اندر لوگ گروہ در گروہ داخل ہونے شروع ہوئے یہانتک کہ دو سال کے عرصہ میں سوائے چند ایک یہود اور نصاریٰ کے ملک عرب میں ایک ہی دین یعنی دین اسلام ہو گیا۔ اور چاروں طرف اللہ اکبر کی صدا بلند ہوئی۔ کیا عجیب نظارہ ہے کہ وہ شخص جو حج کے دنوں میں خود ہر ایک قوم کے پاس جاتا ہے اور کوئی اس کی بات نہیں سنتا آج ہر ایک قوم خود اپنا وفد اس کے پاس بھیجتی ہے اور اس کے دین میں داخل ہونا اپنے لئے موجب فخر خیال کرتی ہے جس کو بیکس اور مجنون کہکر دھتکار دیا جاتا تھا آج اس سے ایک بات کر لینا دین و دنیا کی عزت کا موجب ہے۔ اگر بہت سی اور باتوں میں تاریخ محمد رسول اللہ صلعم کی نظیر پیش کرنے سے عاجز ہے تو اس قسم کے عظیم الشان انقلاب کی نظیر بھی پیش کرنے سے عاجز ہے۔ کہ ایک سارے کا سارا ملک دو سال کے عرصہ میں جب جنگ وجدال کا خاتمہ ہو چکا ہے نہ صرف ایک نیا مذہب قبول کرے بلکہ اس کے سارے کے سارے حالات بدل جائیں اس کی ساری پرانی عادات ایسی مٹ جائیں کہ گویا اُن کا وجود ہی نہ تھا یہ فضیلت بھی خدا نے دنیا کے کل مصلحین پر محمد رسول اللہ صلعم کو ہی دی ہے ۔

اٹھائیسواں باب
حجۃ الوداع

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ (المائدہ-۳)

نویں سال کے آخر تک ملک عرب کے اندر کچھ مشرک لوگ باقی تھے۔ اس لئے اس وقت تک آپ نے جتنے حج کئے وہ عُمرہ کے رنگ میں تھے۔ یعنی ایام حج میں آپ نے حج نہیں کیا۔ نویں سال میں جب اسلام کثرت سے پھیل گیا اور مشرک قومیں تھوڑی رہ گئیں تو آپ نے حضرت ابوبکر کو مسلمانوں کا امیر مقرر کرکے حج کرنے کے لئے بھیجا۔ اور اس کے بعد ہی سورۃ براۃ کی ابتدائی آیات کے اعلان کے لئے حضرت علی کو بھیجا۔ کہ اب آیندہ کوئی مشرک بیت اللہ کا حج نہ کرے گا۔ یہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک پیش گوئی بھی تھی جس میں یہ بتایا تھا کہ ایک سال کے اندر کل عرب مسلمان ہو جائے گا۔ اور کوئی مشرک باقی نہ رہ جائے گا جو حج کرے گا۔ چنانچہ جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں۔ دسویں سال میں کل عرب مسلمان ہو گیا۔ اور اس سال نبی کریم صلعم خود حج کے لئے نکلے۔ اور کیا عجب نظارہ تھا کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار انسان مختلف اطراف عرب سے حج کے لئے جمع ہوتے ہیں اور ان میں ایک بھی مشرک نہیں۔ وہی مقام جہاں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اکیلے پھرتے اور کوئی آپ کی بات نہ سُنتا تھا۔ آج یہ کیفیت ہے کہ ہر طرف جاں نثاروں کے جھگمٹے نظر آتے ہیں۔ اور ایک اسلام ہی اسلام نظر آتا ہے۔ قدرت خداوندی کا کیا کرشمہ تھا۔ اور کس قدر اس سے ان لوگوں کے دلوں میں جو یہاں جمع تھے عظمت الٰہی کا پرتو پڑا ہو گا۔ جب یہ کامیابی کا نظیر

نظارہ آنحضرت صلعم کو اپنی آنکھوں سے دکھا دیا گیا۔ اور کل ملک عرب کو بھی دکھایا گیا۔ تو یہ بھی سمجھا دیا گیا کہ آپ کا کام اب پورا ہو چکا۔ اور وہ کامیابی آپ کو مل چکی جو نہ آپ سے پہلے کسی انسان کو ملی نہ بعد میں ملے گی۔ اس لئے اب آپ کے رُخصت ہونے کا وقت بھی آتا ہے۔ ساتھ ہی یہ بھی بتا دیا گیا کہ یہ کامیابی۔ یہ کل عرب کا اسلام کے آگے گردن جُھکا دینا منشاء الٰہی کے عین مطابق اور عین اپنے وقت پر ہوا ہے۔ کیونکہ ایک طرف اگر کل عرب مسلمان ہو گیا۔ تو دوسری طرف دین بھی اپنے کمال کو پُہنچ گیا۔ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ اب تا قیامت دنیا کو یہ ضرورت نہیں کہ کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی طرف سے سفارت کے منصب پر مامور ہو۔ نبوت کا کام کمال کو پہنچ چکا۔ اور خدا کی نعمتیں پوری ہو چکیں۔ انسان کی ساری مذہبی ضروریات کا انتظام قرآن شریف میں کر دیا گیا۔ اور اس ایک ہی چشمہ سے لوگ ہمیشہ کے لئے سیراب ہونگے۔ بلاشبہ کمالِ دین کی خوشخبری سُنانے کے لئے اس سے بہتر کوئی جگہ اور بہتر کوئی مجمع تجویز نہ ہو سکتا تھا۔ کیونکہ یہ وہ مقام تھا جو دنیا کے فسادوں سے اور دنیوی جنگ وجدل سے ہمیشہ خالی رہا اور یہ وہ مجمع تھا جو سارے کا سارا تمام تعلقات دنیوی کو قطع کر کے محض اللہ تعالیٰ کی رضا کیلئے ایک جگہ جمع ہوا تھا اور جس میں مساوات کا یہ عالم تھا کہ فقیر اور بادشاہ کا کوئی امتیاز باقی نہ رہا تھا کل کے کل ایک حیثیت میں اپنے خالق کے حضور حاضر تھے اور دلوں میں عظمت الٰہی کا رُعب تھا۔

اس حج میں نبی کریم صلعم نے اپنا مشہور خطبہ پڑھا۔ آپ اونٹنی پر سوار تھے۔ اور سب لوگ آپ کے ارد گرد میدان منا میں جمع تھے۔ آپ جو کچھ فرماتے جاتے دوسرے لوگ بلند آواز سے دُہراتے جاتے تھے تاکہ سارے مجمع کو آپ کی بات پہنچ جائے۔ اس وقت عرب کی ساری اقوام اور قبایل کے لوگ جمع تھے۔ اور یوں

یہ آواز گویا عرب کے کناروں تک پہنچا دی گئی۔ آپ نے فرمایا:۔

اے لوگو میری بات کو اچھی طرح سن لو کیونکہ میں نہیں جانتا کہ اس سال کے بعد پھر بھی میں کبھی اس موقع پر تمہارے درمیان ہوں گا *

آپ نے اپنی وفات کے قرب کو نہ صرف اس سے سمجھ لیا تھا کہ آپ کا جو کچھ کام تھا ہو چکا۔ بلکہ اس سے بھی کہ آپ پر آیت تکمیل دین نازل ہو گئی۔ یہ آیت میدان عرفات میں نویں ذی الحج کو نازل ہوئی تھی اور یہ خطبہ اس کے بعد پڑھا تھا آپ کو مبعوث اس لئے کیا گیا تھا کہ تا آپ دین کو کمال پر پہنچا دیں پس ظاہر تھا کہ جب آپ کو یہ بتا دیا گیا کہ آج کے دن دین کامل ہو چکا تو اب آپ کے دنیا میں اور قیام کی ضرورت نہ رہی۔ پھر آپ نے فرمایا:۔

تم جانتے ہو یہ کونسا دن ہے؟ یہ یوم النحر یعنی قربانی کا دن ہے۔ تم جانتے ہو یہ کونسا مہینہ ہے۔ یہ شہر حرام یعنی حرمت والا مہینہ ہے۔ پس میں تم کو اطلاع دیتا ہوں کہ تمہارے خون اور تمہارے مال اور تمہاری عزتیں اسی طرح ایک دوسرے پر حرمت کا استحقاق رکھتی ہیں جیسے اس حرمت والے شہر میں اس حرمت والے مہینہ میں یہ حرمت والا دن۔ دیکھو حاضر غائب کو یہ بات پہنچا دے اور تم اپنے رب سے ملنے والے ہو سو وہ تم کو تمہارے اعمال کے متعلق سوال کرے گا *

آج تمام سود کی رقمیں چھوڑی جاتی ہیں۔ اور عباس بن عبد المطلب کی رقم سود بھی چھوڑی جاتی ہے۔ آج تمام خون جو جاہلیت میں ہو چکے اُن کا قصاص موقوف کیا جاتا ہے۔ اور سب سے پہلے ربیعہ ابن الحرث ابن عبد المطلب کے خون کا قصاص موقوف کیا جاتا ہے *

اے لوگو آج شیطان اس بات سے مایوس ہو گیا ہے کہ تمہاری سرزمین میں اسکی عبادت پھر کبھی ہو۔ لیکن اس کے سوائے (یعنی بت پرستی کو چھوڑ کر) اگر اور امور

میں اس کی اطاعت کی گئی ۔ ایسے اعمال ہیں جن کو تم حقیر خیال کرو تو یہ اس کی خوشی کا موجب ہو گا پس اپنے دین میں اس سے بہت احتیاط کرو ۔

پھر اے لوگو ۔ تمہارے تمہاری بیبیوں پر حق ہیں اور تمہاری بیبیوں کے تم پر حق ہیں .... وہ تمہارے ہاتھوں میں خدا تعالیٰ کی امانت ہیں پس تم ان سے نیک سلوک کرو .... اور تمہارے غلام ۔ دیکھو تم ان کو وہ خوراک دو جو خود کھاتے ہو ۔ اور وہ لباس پہناؤ جو تم خود پہنتے ہو ....

اے لوگو میری باتوں کو سن لو اور ان کو سمجھ لو ۔ جان لو کہ ہر مسلم دوسرے مسلم کا بھائی ہے ۔ اور تم سب بھائی یکساں ہو (یعنی ایک سے حقوق اور ذمہ داریاں رکھتے ہو) اور تم سب ایک ہی سلسلہ اخوت میں ہو ۔ پس کسی شخص کے لئے اپنے بھائی سے کچھ لینا جائز نہیں مگر وہی جو وہ اپنے نفس کی خوشی سے خود دے پس اپنے لوگوں پر کوئی ظلم مت کرو یعنی اُن کا کوئی حق مت چھینو ۔

تب آپ نے بلند آواز سے کہا اَللّٰھُمَّ ھَلْ بَلَّغْتُ ۔ کیا میں نے پیغام پہنچا دیا اور ہزارہا انسانوں کی زبان سے اس جواب نے اَللّٰھُمَّ نَعَمْ بیشک آپ نے پہنچا دیا وادی میں ایک گونج پیدا کر دی ۔ اگر وہ پیغام کامل تھا جو آپ لائے ۔ تو اس کے پہنچانے میں بھی کمال کر دیا ۔

اُنتیسواں باب

وفات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَائِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰى اَعْقَابِكُمْ (آل عمران-۱۴۴)

حجۃ الوداع سے آپ واپس ہوئے جہاں نہ صرف آپ کو دین کے کامل ہو جانے کی بشارت دی گئی بلکہ جہاں آپ نے خود تبلیغ کو بھی کامل کر دیا۔ اس کے بعد آپ اپنے مولا سے ملنے کے انتظار میں تھے کہ ۱۱ سنہ ہجری ماہ صفر کے آخری ایام میں آپ بیمار ہوئے۔ اُس وقت آپ شام کی حدود کی طرف فوج کی تیاری کا حکم دے چکے تھے۔ اور اس لشکر پر اُسامہ بن زید کو مقرر کر چکے تھے۔ جن کے والد زید اسی طرف کی ایک مہم میں شہید ہوئے تھے۔ باوجود بیماری کے اگلے دن آپ نے خود علم اُسامہ کو دیا اور ابو بکر و عمر جیسے عظیم الشان انسان بھی سپاہی کی حیثیت میں اُسامہ کے ماتحت کئے گئے یہ اپنی زندگی کے آخر میں پھر مساوات کا سبق سکھانے کے لئے تھا۔ لشکر نے مدینہ سے باہر پڑاؤ ڈالا مگر نبی کریم صلعم کا مرض زیادہ تشویشناک ہو گیا اس لئے لشکر کی روانگی بھی رک گئی اسی حالت میں آپ نے اپنی بیبیوں کو جمع کیا اور سب نے اس بات کو پسند کیا کہ آپ حالت بیماری میں حضرت عائشہ صدیقہ کے گھر میں رہیں اور آپ کی وفات تک حضرت عائشہ ہی آپ کی تیمارداری کرتی رہیں سات آٹھ روز تک بیماری کی حالت میں ہی آپ مسجد میں آ کر نماز کی امامت بھی کراتے رہے۔ مگر زیادہ گفتگو نہ کر سکتے تھے۔ ایک دن آپ نے بہت سا پانی سر پر ڈلوایا اور پھر سر باندھ کر باہر نکلے۔ نماز کے بعد آپ نے لوگوں کو کچھ وعظ کیا اس وعظ کے اثنا میں آپ نے فرمایا کہ ایک بندہ کو اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کی زندگی

ہیں اور جو اس کے پاس ہے اس میں اختیار دیا سو اس بندہ نے جو اللہ کے پاس ہے اسے چن لیا۔ حضرت ابو بکرؓ نے سمجھ لیا کہ رسول اللہ صلعم اپنی وفات کی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔ اور وہ رو پڑے۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ مسجد میں جس قدر دروازے کھلتے ہیں وہ سب سوائے ابو بکر کے دروازہ کے بند کر دیئے جائیں۔ پھر آپ نے مہاجرین کو نصیحت کی کہ وہ انصار سے نیک سلوک کریں +

اگلے دن آپ زیادہ کمزور ہو گئے۔ اور جب نماز کے وقت بلالؓ کے بلانے پر آپ نے وضو کے لئے اُٹھنا چاہا تو اپنے آپ کو اس قابل نہ پایا اس لئے آپ نے فرمایا کہ ابو بکر کو کہو کہ لوگوں کو نماز پڑھا دیں۔ حضرت عائشہ کہتی ہیں میں نے کہا یا رسول اللہ ابو بکر کی آواز ہلکی ہے۔ اور وہ قرآن پڑھتے وقت روتے زیادہ ہیں۔ آپ نے پھر فرمایا کہ ابو بکر کو کہو لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ حضرت عایشہ کہتی ہیں میں نے پھر اسی طرح عرض کیا۔ مگر آپ نے فرمایا کہ اسی طرح ہو گا۔ چنانچہ اس کے بعد حضرت ابو بکر نماز پڑھاتے رہے۔ ایک دن ذرا سا افاقہ ہونے پر آپ نے حُجرہ کا پردہ اُٹھایا اور مسجد میں قدم رکھا لوگ اس وقت نماز میں مصروف تھے۔ آپ کا چہرہ مبارک خوشی کے مارے چمک اُٹھا۔ یہ اس لئے تھا کہ آپ نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ کس طرح وہ لوگ جن کی ہدایت آپ کے سپرد ہوئی تھی اللہ تعالیٰ کے حضور عاجزی کے ساتھ جھکتے ہیں اور اپنے فرائض میں کسی قسم کی کوتاہی نہیں کرتے۔ پھر آپ اپنے آپ کو کم طاقت پا کر واپس ہو گئے یہ پیر کا دن تھا۔ لوگوں نے خیال کیا کہ آپ کی طبیعت نسبتاً اچھی ہے جو آپ چل کر باہر آ گئے ہیں۔ حضرت ابو بکرؓ بھی اپنے اہل میں سُنح میں چلے گئے اور لوگ بھی اپنے کاروبار پر چلے گئے۔ مگر نبی کریم صلعم کا ضعف بڑھ گیا۔ حضرت عایشہ نے آپ کو سہارا دیا ہوا تھا۔ اتنے میں حضرت ابو بکر کے گھر والوں میں سے ایک شخص کے ہاتھ میں آپ نے مسواک دیکھی اشارہ سے اسے

طلب کیا اور خوب مُنہ کو صاف کیا۔ اس کے بعد حضرت عایشہ کہتی ہیں آپ یاد۔ بوجھل ہو گئے۔ اللّٰھُمَّ فِی الرَّفِیْقِ الْاَعْلٰی کے لفظ آپ کی زبان پر تھے انسانوں کے ساتھ حق رفاقت ادا کر کے اور ان کو اعلےٰ سے اعلےٰ مقام پر پہنچا کر اب آپ خود رفیق اعلےٰ سے جا ملے۔ یہ دوشنبہ کا دن تھا اور دوسری ربیع الاول تھی آپ کی عمر وفات کے وقت ۶۳ سال تھی۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ وَبَارِکْ وَسَلِّمْ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ +

آپ کی وفات کی خبر مشہور ہو گئی لوگ مسجد میں جمع ہو گئے حضرت عمرؓ بھی موجود ہوئے اور آپ نے فرمایا کہ جو شخص کہے گا کہ رسول اللہ صلعم فوت ہو گئے ہیں اُس کا سر تلوار سے کاٹ دوں گا۔ آپ نے خیال کیا کہ شاید کسی نے یوں ہی تشویش پیدا کرنے کے لئے یہ خبر مشہور کر دی ہے۔ سب لوگ حضرت عمرؓ کی طرف متوجہ تھے کہ اتنے میں حضرت ابو بکر آئے اور سیدھے حضرت عایشہ صدیقہ کے حُجرہ میں داخل ہوئے۔ رُخ مبارک سے کپڑا اٹھا کر دیکھا تو آپ فوت ہو چکے تھے۔ آپ نے پیشانی مبارک پر بوسہ دیا۔ اور کہا کہ اللہ تعالیٰ آپ پر دو موتیں جمع نہیں کرے گا۔ پھر آپ باہر نکلے اور ممبر پر چڑھ کر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا یَآاَیُّھَا النَّاسُ اِنَّہٗ مَنْ کَانَ یَعْبُدُ مُحَمَّدًا فَاِنَّ مُحَمَّدًا قَدْ مَاتَ وَمَنْ کَانَ یَعْبُدُ اللّٰہَ فَاِنَّ اللّٰہَ حَیٌّ لَا یَمُوْتُ اے لوگو اگر کوئی شخص محمدؐ کی عبادت کرتا تھا تو محمدؐ وفات پا گئے اور جو کوئی اللہ کی عبادت کرتا تھا تو اللہ زندہ ہے کبھی نہیں مرے گا۔ کیا توحید کی شیدا قوم تھی۔ اور حضرت ابو بکر خود کس قدر جری تھے کہ ایک طرف عمرؓ کی کھنچی ہوئی تلوار ہے کہ آنحضرت صلعم کی وفات کا نام مت لو دوسری طرف آپ ایسے الفاظ میں نبی کریم صلعم کی وفات کا ذکر کرتے ہیں کہ اگر توحید کی غیرت لوگوں کے دلوں میں سب غیرتوں پر غالب نہ ہو تو ان الفاظ کو وہ سُننا بھی گوارا نہ کر سکتے۔ اس کے ساتھ ہی آپ نے وہ آیت قرآنی تلاوت

فرمائی جو عنوان میں درج ہے" اور محمد صرف ایک رسول ہیں ان سے پہلے سب رسول گزر چکے پس کیا اگر وہ وفات پا جائیں یا قتل ہو جائیں تو تم اپنی ایڑیوں پر واپس ہو جاؤ گے" یعنی وہ تو کچھ اصول دین سکھانے آئے تھے۔ ان کی وفات سے ان اصول دین میں کوئی نقص واقع نہیں ہوتا۔ پس اس بات پر گھبراہٹ ہی کیسی ہے۔ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ نے بتا دیا کہ خدا کا یہ قانون نہیں کہ موت کے معاملہ میں رسولوں کے ساتھ دوسرے انسانوں سے الگ معاملہ کرے۔ اور یہ بھی بتا دیا کہ اگر پہلے کوئی رسول زندہ رہا ہوتا تو آنحضرت صلعم کا زندہ رہنا ضروری ہوتا مگر جب پہلے سب رسول فوت ہو چکے تو نبی کریم صلعم کی فوتیدگی سے کیوں گھبراتے ہو۔ اس خطبہ اور اس آیت نے تمام طبیعتوں میں تسکین پیدا کر دی اور یہی آیت ہر ایک شخص کے منہ پر تھی۔ ایک اللہ کا نام باقی رہے گا۔ باقی سب اپنا کام کر کے رخصت ہوں گے۔ مگر محمد رسول اللہ صلعم کا پوری کامیابی حاصل کرنے کے بعد اس دنیا سے رخصت ہونا تاریخ عالم میں ایک بے نظیر واقعہ رہیگا۔

تیسواں باب

ازواج مطہرات

یٰاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا وَزِیْنَتَهَا فَتَعَالَیْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَ اُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِیْلًا ۝ (الاحزاب۔ ۲۸)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے پہلی شادی اُس وقت ہوئی جب آپ کی عمر پچیس سال کی تھی۔ حضرت خدیجہ رضی جن کے ساتھ یہ شادی ہوئی اس وقت چالیس سال کی تھیں۔ اور سوائے ابراہیم کے آپ کی ساری اولاد انہی کے بطن سے تھی ہجرت سے تین سال پیشتر حضرت خدیجہ کا انتقال ہوا۔ گویا آپ نے پچیس سال انکے ساتھ گزارے حضرت خدیجہ کی وفات کے وقت آپ کی عمر پچاس سال کی تھی اور حالانکہ ملک عرب میں عام رواج کئی کئی نکاحوں کا تھا مگر آپ نے اس عرصہ میں کوئی دوسرا نکاح نہیں کیا ؛

حضرت خدیجہ آپ کے لئے پہلے دن سے ہی بڑی تقویت کا موجب ثابت ہوئی تھیں۔ اور اُنکی وفات آپ کے لئے بڑا صدمہ تھا۔ آپ بعد کے زمانہ میں ہمیشہ ان کا ذکر خیر کرتے اور ان کی سہیلیوں کو تحفے بھیجا کرتے تھے۔ ان کی وفات کے کچھ عرصہ بعد حضرت ابو بکر نے اپنی بیٹی عائشہ کا نکاح آنحضرت صلعم سے کر دیا۔ یہ نکاح گویا ان تعلقات محبت پر مہر تھی جو حضرت ابو بکر صدیق اور آنحضرت صلعم کے درمیان تھے۔ حضرت عائشہ کی عمر اس وقت چھوٹی تھی۔ اس لئے وہ اپنے والد کے ہاں ہی رہیں یہاں تک کہ ہجرت کے کوئی سات آٹھ ماہ بعد مدینہ میں پہنچ کر وہ نبی کریم صلعم کے گھر میں آئیں۔ آپ کی ازواج میں صرف حضرت عائشہ ہی کنواری تھیں ؛

حضرت عائشہ سے نسبت ہو جانے کے بعد حضرت سَودَہؓ سے آپ کا نکاح مکہ میں ہی ہو گیا سودہ عمر رسیدہ بی بی تھیں اور وہ اور ان کا خاوند سکران ہجرت کر کے حبش چلے گئے تھے وہاں سے واپسی پر سکران وفات پا گیا۔ اور سَودَہؓ بیوہ رہ گئیں۔ اور نہایت تنگی کی حالت میں تھیں۔ مسلمانوں کی تعداد اس وقت کس قدر تھی جو کوئی محافظ ان کو ملتا؟ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے شادی کی درخواست کی۔ اور آپ نے اسے منظور کر لیا۔ اور سَودَہؓ ازواج مطہرات میں داخل ہوئیں۔

ہجرت کے بعد جب مدینہ میں آئے تو یہاں جنگوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ سب سے پہلے جنگ بدر ہوئی اور اس جنگ میں حضرت عُمرؓ کی صاحبزادی بیوہ رہ گئیں یعنی ان کا خاوند خُنَیس ابن حُذافہ مارا گیا۔ نکاح کرنے والے مردوں کی اس وقت کس قدر کمی تھی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ حضرت عُمرؓ نے خود پہلے حضرت ابو بکرؓ سے اور پھر حضرت عثمان رضؓ سے درخواست کی کہ وہ ان کی بیوہ صاحبزادی سے نکاح کریں مگر دونوں بزرگوں نے منظور نہ کیا۔ شاید اس کی وجہ حضرت حَفصَہ کے مزاج میں کچھ تیزی ہو۔ آخر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ۳ سنہ ہجری میں ان کو اپنی زوجیت میں لیا

اسی سال عبداللہ بن جحش جنگ اُحد میں شہید ہوئے اور ان کی بی بی زینب بنت خُزیمہ بیوہ رہ گئیں اور آپ نے ان کو اپنی زوجیت میں لیا۔

۴ سنہ ہجری میں ابو سلمہ فوت ہو گئے اور ان کی بیوہ اُمّ سلمہ سے جن کا اصل نام ہند تھا آنحضرت صلعم نے اسی سال نکاح کیا۔

زینب بنت اُمیمہ بنت عبدالمطلب رشتہ میں آنحضرتؐ کی پھوپی کی بیٹی تھیں آپ نے خود ان کا نکاح زید سے جو آپ کے آزاد کردہ غلام تھے کرایا گو وہ نکاح خود حضرت زینب اور ان کے بھائی کے خلاف منشا تھا۔ حضرت زینب اعلیٰ خاندان قریش میں سے تھیں اور مزاج میں کسی قدر سختی زیادہ تھی۔ ان کے خاوند زید عرب کے پرانے خیالات کے مطابق کسی اعلیٰ

خاندان سے نکاح کا تعلق نہ پیدا کر سکتے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ زید نے زینب کو طلاق دے دی اور اس کے بعد ۵ھ ہجری میں آنحضرت صلعم نے ان سے نکاح کیا۔

اسی سال غزوہ بنی المصطلق پیش آیا۔ اور اس میں بہت سے مرد اور عورتیں قید ہو گئے ایک رئیس عرب حارث کی بیٹی جویریہ نام بھی قیدیوں میں آئی۔ حارث اپنی قوم کا سردار تھا وہ اپنی بیٹی کا فدیہ دے کر آنحضرت صلعم کی خدمت میں حاضر ہوا اور یہاں آکر مع اپنے دو بیٹوں کے مشرف باسلام ہوا۔ حضرت جویریہ کا پہلا خاوند مر چکا تھا اس لئے حارث نے خود جویریہ کو آپ کے نکاح میں دیا۔ چنانچہ ان کو آپ نے آزاد کر کے ان سے نکاح کر لیا۔ اس نکاح کا نتیجہ یہ ہوا کہ بنی المصطلق کے کوئی سو گھرانوں کے قیدی مسلمانوں نے یہ کہکر آزاد کر دیئے کہ جس خاندان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شادی کی ہے وہ غلام نہیں ہو سکتا۔

جو لوگ ہجرت کر کے حبش میں چلے گئے تھے ان میں ام حبیبہ ابوسفیان کی بیٹی تھیں ان کا خاوند عبید اللہ بھی وہیں تھا اور وہ وہاں عیسائی ہو گیا۔ اس کی فوتیدگی پر جب ابھی حضرت ام حبیبہ حبش میں ہی تھیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے شادی کر لی۔ اور اس کے بعد وہ ۷ھ ہجری کے شروع میں مدینہ پہنچ گئیں۔

۷ھ ہجری کے شروع میں غزوہ خیبر پیش آیا اور یہاں کے سردار حیی بن اخطب کی بیٹی صفیہ کنانہ کی زوجہ جو جنگ میں مارا گیا تھا۔ قیدیوں میں آئیں۔ یہودیوں کی طرف سے اس قدر شرارتیں ہوتی رہتی تھیں کہ آنحضرت صلعم نے ان کے خاندان میں تعلق زوجیت پیدا کر کے ان کا سد باب کرنا چاہا۔ چنانچہ اس غزوہ سے واپسی پر آپ نے صفیہ کو آزاد کر کے اس سے نکاح کیا۔

اسی سال ماریہ قبطیہ بھی جس کو شاہ مصر نے بطور تحفہ آپ کی خدمت میں بھیجا تھا

آپ کے حرم میں داخل ہوئیں۔ اور ان کے بطن سے حضرت ابراہیم پیدا ہوئے +

اسی سال میمونہ بنت الحارث سے جو بیوہ ہو چکی تھیں آپ کا نکاح ہوا۔ حضرت میمونہ نے خود نبی کریم صلعم سے نکاح کی درخواست کی۔ ان کی ہمشیرہ حضرت عباس کے گھر میں تھیں۔ آپ نے ان کی درخواست کو قبول کیا۔ یہ ایک غیر قریشی قبیلہ میں سے تھیں +

حضرت خدیجہ اور زینب بنت خزیمہ آنحضرت صلعم کی زندگی میں فوت ہوئیں اور آپ کی وفات کے وقت نو بیبیاں آپ کی تھیں +

ان واقعات سے معلوم ہوگا کہ اول آنحضرت صلعم نے سوائے عائشہ صدیقہ کے جن بیبیوں سے شادی کی وہ پہلے دوسرے کی زوجیت میں رہ چکی تھیں +

دوئم۔ ۵۳ سال کی عمر تک آپ کے گھر میں ایک ہی بی بی رہی +

سوئم۔ جو بیبیاں آپ کے ازواج مطہرات میں داخل ہوئیں۔ ان میں سے پانچ وہ مسلمان بیوائیں ہیں جن کی حفاظت آپ کے ذمہ تھی۔ اور تین ایسی بیبیاں ہیں جو دشمنوں میں سے آئیں اور بعض وقت ایک قوم کی قوم کو احسانمند کرنیکا موجب ہوئیں +

بڑے بڑے مقدس انسانوں کی زندگی میں ایک سے زیادہ بیبیوں سے نکاح کرنے کی مثالیں پائی جاتی ہیں۔ اس لئے یہ فعل فی نفسہ بُرا نہیں کہلا سکتا۔ حضرت ابراہیم جن کی عزت جن کی پاکیزگی کا اعتراف نصف دنیا سے زیادہ کو ہے ایک سے زیادہ بیبیاں رکھتے تھے۔ حضرت یعقوب۔ حضرت موسیٰ بھی۔ اور حضرت داؤد و سلیمان کی طرف سینکڑوں منسوب ہیں۔ حضرت عیسیٰ کا انجیل سے تو نکاح بھی ثابت نہیں۔ اس لئے ان کی مثال نمونہ کے لئے کچھ کام نہیں دے سکتی۔ اگر ان کے نمونہ پر ساری دنیا چلے تو دنیا کا خاتمہ چند سالوں میں ہو جائے پس ایک سے زیادہ بیبیوں کی وجہ سے آنحضرت صلعم پر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا۔ یہ ایک پہلو اس سوال کا ہے +

جس شخص کی عمر کے ۲۵ سال اس حالت میں گزر جاتے ہیں کہ ایک ہی بی بی اس کی زوجیت میں ہے۔ جوانی کے ایام جو قوائے شہوانی کے غلبہ کے ہیں بہت پیچھے رہ جاتے ہیں اور وہ بڑھاپے کی حالت کو پہنچ جاتا ہے۔ اس کی زندگی میں یہ ایک نمونہ ہے کہ کس طرح ایک مسلمان کو ایک ہی بیوی پر اکتفا کرنا چاہیئے۔ اور اصل قانون یہی ہے کہ ایک خاوند کا تعلق ایک ہی بیوی سے ہونا چاہیئے۔ مگر جس طرح اسلام ایک عالمگیر مذہب ہونے کی وجہ سے ہر قسم کی ضروریات پیش آمدہ کا علاج کرتا ہے اور ان ضروریات انسانی میں سے ایک تعدد ازدواج بھی ہے جس کی خاص حالات میں ضرورت پیش آجاتی ہے۔ اور جس کو بعض حالات میں ترک کرنے سے قوم کے اندر نہایت گندی بیماریاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ اسی طرح محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں ہر قسم کا نمونہ دکھانا تھا۔ اس لئے ضروری ہوا کہ باوجود اپنی ساری جوانی اور بڑھاپے کا بڑا حصہ اس حالت میں گزارنے کے کہ ایک ہی بی بی آپ کے ہاں تھی۔ وہ حالات بھی پیدا ہو جائیں جن سے مجبور ہو کر آپ کو ایک سے زیادہ بیبیاں اپنی زوجیت میں لانی پڑیں جس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ جنگ سے آپ طبعاً متنفر تھے۔ نبوت سے پہلے چالیس سال آپ کی عمر کے اس ملک میں گزرتے ہیں جہاں تلوار کا استعمال ایک مشغلے کی طرح ہوتا ہے جہاں شب و روز جنگ رہتی ہے جہاں ایسے انسان کا رہنا محال ہے جس نے تلوار نہ چلائی ہو مگر اس سارے عرصہ میں آپ نے ایک دفعہ بھی کسی دشمن پر تلوار نہ چلائی۔ نبوت کے بعد جب اپنی حفاظت کے لئے دین اسلام کی حفاظت کے لئے جنگیں کرنی پڑتی ہیں اور ان میں آپ کئی ایک لڑائیوں میں خود شریک ہوتے ہیں پھر بھی سوائے ایک موقعہ کے جب اُحد کے میدان میں ابن قمئہ نے آپ پر تلوار چلائی اور آپکو اپنے بچاؤ کیلئے اس پر وار کرنا پڑا۔ آپ نے کسی دشمن پر تلوار نہیں چلائی۔ پھر آپ ایک مغلوبیت کی صلح کو کامیابی کی جنگ پر ترجیح دیتے

ہیں۔ باوجود اس قدر جنگ سے آپ کے خیالات دور ہونے کے آپ کو مجبوراً جنگ کرنی پڑتی ہے۔ کیونکہ جنگ کی ضرورت تو دنیا میں پیش آنی تھی۔ اگر آپ ان حالات میں اپنا نمونہ نہ دکھائیں ہدایات نہ دیں تو آپ کی تعلیم ناقص رہ جاتی ہے۔ اس لئے آپ کو مجبوراً سپاہی بھی بننا پڑتا ہے اور جرنیل بھی بننا پڑتا ہے۔ اسی طرح ایک گرم ملک میں رہ کر پچیس سال کی عمر تک تجرد میں زندگی بسر کرنا اور باایں آپ کی عفت اور پاکیزگی کی اس قدر شہرت ہونا کہ بچہ بچہ جانتا ہو۔ اور پھر ۵۰ سال کی عمر تک صرف ایک بی بی پر کفایت کرنا صاف بتاتا ہے کہ آپ کے خیالات شہوات نفسانی سے کس قدر دور رہتے تھے اور آپ کو اپنے جذبات پر کس قدر قابو تھا۔ مگر باایں آپ کو ایک سے زیادہ بیبیاں اپنے نکاح میں لانی پڑیں تاکہ یہ دوسرا نمونہ بھی دنیا کو ملے۔ اس شخص کو جذبات یا شہوات کا مغلوب خیال کرنا جس نے عین شباب میں ان جذبات اور شہوات پر ایسا غلبہ حاصل کر لیا ہو اسی شخص کا کام ہو سکتا ہے جو واقعات کو تعصب کی رنگین عینک سے دیکھتا ہے۔

ایک اور امر جو بتاتا ہے کہ آپ کی شہوات اور جذبات پر پوری موت واقع ہو چکی تھی اور آپ اس دنیا میں رہتے ہوئے اس دنیا سے بیگانہ تھے۔ آپ کی طرز زندگی ہے بچپن سے لے کر وفات تک آپ اس قدر حالات مختلفہ میں سے ہو کر گزرتے ہیں کہ ایک انسان کی زندگی میں اس قدر حالات مختلفہ کا جمع ہونا مشکل ہے۔ یتیم ہونے کی حالت انسان کی بےکسی کی انتہائی حالت ہے اور بادشاہ ہونے کی حالت اس کی انتہائی طاقت کی حالت ہے۔ آپ حالت یتیمی سے نکل کر بادشاہت پر پہنچتے ہیں۔ مگر آپ کی ضروریات خورد و نوش۔ لباس و رہائش جس قسم کی حالت یتیمی میں ہیں وہی بادشاہت کی حالت میں ہیں بلکہ بادشاہت کی حالت میں دنیا کی آسائشوں کو اور بھی کم کر دیا ہے۔ بادشاہت کو چھوڑ کر فقیر

ہو جانا اس قدر دشوار نہیں جس قدر یہ کہ بادشاہ ہو کر انسان فقیر کی زندگی بسر کرے بیت
مال و دولت اس کے قبضہ میں ہو تو پھر اسے اپنے مصرف میں نہ لائے اور نہایت
درجہ کی فیاضی سے دوسروں پر صرف کرے۔ ہر وقت وہ اشیائ آنکھوں کے سامنے
ہوں جو فطرت انسانی کو اپنا غلام بنا لیتی ہیں مگر کوئی چیز اس کے لئے کسی وقت بھی
لالچ کا موجب نہ ہو سکے۔ اس زمانہ میں جب آپ مدینہ اور اس کے اردگرد کی بادشاہت
حاصل کر چکے ہیں آپ کے گھر کا سامان ایک چارپائی جس پر کھجور کی موٹی چٹائی لگی
ہوئی ہے اور ایک پانی کی ٹھلیا ہے۔ آپ بعض وقت فاقہ سے رات کاٹتے
ہیں گھر میں کئی کئی دن تک کھانا پکانے کے لئے آگ نہیں جلتی۔ کھجوروں پر زندگی
بسر کرتے ہیں۔ اگر آپ اپنی آسایش کے لئے مال کے خواہاں ہوتے تو نہ صرف
بیت المال سے آپ جس قدر چاہتے لے سکتے بلکہ آپ کے جاں نثار ہر ایک چیز
حاضر کرنے کے لئے تیار تھے۔ مگر آپ کی نظر دنیا کی ان حقیر چیزوں سے بہت بلند تھی
دنیا کی کوئی خواہش کبھی آپ پر غالب نہیں آئی۔ نہ حالت عُسر میں اور نہ یُسر میں
جس طرح دنیا کے مال و دولت اور دنیوی لالچوں پر اُس وقت لات ماری جب قریش
صرف بُت پرستی کے خلاف وعظ چھوڑ دینے پر مال حکومت عزت خوبصورتی پیش
کرتے تھے اسی طرح اس وقت بھی لات ماری جب اللہ تعالیٰ نے یہ سب سامان
اپنے فضل سے آپ کو خود عطا کر دیئے ۔

تیسری بات جو اس معاملہ میں فیصلہ کُن ہے اس کی طرف قرآن کریم کی آیت
مندرجہ صدر میں توجہ دلائی گئی ہے۔ مدینہ میں آنے کے کچھ عرصہ بعد مسلمانوں کی حالت
وہ پہلی سی نہ رہی۔ کچھ تو کاروبار تجارت میں لگ جانے سے اموال میں ترقی ہوئی۔
پھر بدر کی جنگ میں قیدیوں کا فدیہ اور مال غنیمت ہاتھ آیا پھر یہودی جب جلاوطن
ہوئے تو ان کی جائدادیں بھی ان کے قبضہ میں آئیں۔ ان اسباب سے کچھ مال و دولت

ہیں کچھ آسائش کے سامانوں میں ترقی شروع ہوئی۔ مگر نبی کریم صلعم کی اپنی زندگی اور آپ کے اہل بیت کی زندگی میں کوئی تغیر نہ آیا۔ آپ کی بیبیوں کے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ اب جب آسائش کے سامان سب مسلمانوں کو پہلے سے زیادہ میسر ہیں تو ہم بحصہ رسدی ان سے فائدہ کیوں نہ اٹھائیں بمشورہ کرکے درخواست آنحضرت صلعم کی خدمت میں پیش کی۔ مگر حکم الٰہی یوں آیا۔ اے نبی اپنی بیبیوں کو کہدو کہ اگر تم دنیا کی زندگی اور اس کی زینت کے سامانوں کو چاہتی ہو تو آؤ میں تم کو سامان دوں اور اچھی طرح سے رخصت کردوں۔ نبی کریم صلعم کو اپنی بیبیوں سے کس قدر محبت تھی۔ یہ خود اس فقرہ سے ظاہر ہے خَیْرُکُمْ خَیْرُکُمْ لِاَھْلِہٖ تم میں سے سب سے اچھا شخص وہ ہے جو اپنی بی بی سے اچھا ہے۔ مگر جب وہ بیبیاں ایک جائز مطالبہ کرتی ہیں۔ کہ دوسروں کی طرح ہمیں بھی مال و دولت سے زیادہ حصہ ملے تو جواب یہ ملتا ہے کہ بہتر ہے تم مال لے کر رخصت ہو جاؤ۔ کیا یہ لفظ اس شخص کے منہ سے نکل سکتے ہیں۔ یہ خیال اس قلب کے اندر آسکتا ہے جو شہوات نفسانی کا غلام ہو؟ ایک نفس پرست بلکہ ایک معمولی دنیادار بھی اپنی عورت کو زیادہ آرائش کی حالت میں دیکھنا پسند کرتا ہے۔ مگر یہاں حکم ہوتا ہے کہ اگر زیب و زینت چاہتی ہو تو محمد رسول اللہ صلعم کے گھر سے چلی جاؤ اور وہ سب بیبیوں کو ایک ہی وقت رخصت کرنے کے لئے تیار ہے۔ معلوم ہوا جذبۂ شہوت اس کے دل کے کسی کونہ میں نہیں کوئی نفسانی خیال اس کے پاس پھٹک تک نہیں گیا۔ اس کی غرض ان بیبیوں کو اپنی زوجیت میں لانے سے کچھ اور ہے۔

وہ غرض کیا ہے؟ اس کا جواب خود قرآن شریف دیتا ہے۔ وَاِنْ کُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ وَالدَّارَ الْاٰخِرَۃَ فَاِنَّ اللّٰہَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْکُنَّ اَجْرًا عَظِیْمًا۔ وَاذْکُرْنَ مَا یُتْلٰی فِیْ بُیُوْتِکُنَّ مِنْ اٰیٰتِ اللّٰہِ وَالْحِکْمَۃِ (الاحزاب ۲۹-۳۴) اور اگر تمہاری غرض اللہ

اور اس کا رسول اور آخرت کا گھر ہیں تو اللہ تعالیٰ نے تم میں سے نیکی کرنے والیوں
کے لئے بڑا اجر رکھا ہے .... اور یاد کرو وہ جو اللہ کی آیات اور حکمت کی
باتوں سے تمہارے گھروں میں پڑھا جاتا ہے۔ گویا پہلی آیات اور ان آیات میں
بتایا یہ ہے کہ تمہاری غرض نبی کریم صلعم کی زوجیت میں آنے سے یہ نہیں کہ زندگی
کے چند دن آرام سے بسر کرلو اور معمولی آسایش کے سامان تم کو میسر آجائیں اگر
محمد رسول اللہ صلعم کی غرض تم کو زوجیت میں لانے سے محض دنیا کی زندگی تک ہی
محدود ہوتی تو پھر تمہارے اس کے گھر میں رہنے کی کوئی ضرورت نہیں تم کو رخصت
کر دینے کا حکم دیا جاتا ہے۔ لیکن اگر اس کے تمہیں اپنی زوجیت میں لانے کی
غرض کچھ اور ہے یعنی اللہ اور رسول کی باتیں پھیلانا اور اپنے ہمجنسوں کو آخرت
کے گھر کی طرف متوجہ کرنا۔ تو پھر تم دنیا کی آسایشوں پر لات مار کر اصل غرض کی
طرف متوجہ رہو۔ تمہارا اجر بھی بڑا ہے۔ اس لئے تم ہمہ تن قرآن کو یاد رکھنے میں
اور ان حکمت کی باتوں کو محفوظ رکھنے میں مصروف ہو جاؤ جن کا تمہارے گھروں
میں چرچا ہے یعنی جو تم خود پیغمبر سے سنتی ہو۔ کیا پاک غرض ہے؟ بی بی کا خاوند سے
اور خاوند کا بی بی سے سکون حاصل کرنا ایک معمولی غرض زوجیت ہے مگر نبی کریم
صلعم کی غرض صرف اس قدر نہیں وہ اس سے بہت بلند ہے اور وہ یہ ہے
کہ وہ باتیں جن کو پہنچانے کی عورتیں ہی اہل ہیں یا وہ اخلاق انسانی جو عورتوں کے
سامنے ہی ظاہر ہو سکتے ہیں ان کو دنیا میں پہنچانے کا سامان ہو۔ شریعت کی جو
باتیں آپ نے سکھائی ہیں ان میں سے بہتیری ایسی ہیں کہ آپ خود بھی کھول کر
عورتوں سے بیان نہیں کر سکتے تھے۔ چنانچہ احادیث میں کئی ایک واقعات پائے
جاتے ہیں کہ جہاں کسی عورت نے کوئی مسئلہ دریافت کیا تو آپ نے اپنی کسی بی بی
کو حکم دیا کہ تم سمجھا دو۔ پھر نبی کریم صلعم کے وہ اخلاق جن کا تعلق خانہ داری سے ہے۔

صرف ازواج مطہرات کی بدولت ہی ہم تک پہنچے ورنہ ہم ایک بڑے حصہ سے محروم رہ جاتے۔ حضرت عائشہ صدیقہ کے مُنہ سے ایک بڑا حصہ دین کا ہم کو ملا ہے اور اسی طرح علی حسب مراتب دیگر ازواج مطہرات سے۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ ایک ہی بی بی اس کام کو سرانجام دے سکتی تھی تو یہ غلط ہے۔ اس لئے کہ جب تک مختلف طبائع کے افراد نہ ہوں مختلف امور سب محفوظ نہیں رہ سکتے۔ پھر ایک ایسے شخص کی تعلیم جو تمام دنیا کے لئے ہادی ہو کر آیا۔ ایک اکیلی عورت کا اس کو محفوظ رکھنا مشکل تھا یہی وجہ ہے کہ بڑے بڑے انبیاء نے عموماً ایک سے زیادہ بیبیاں اپنی زوجیت میں رکھی ہیں۔ یہ لوگ نفسانی شہوات کے لئے یہ کام نہیں کرتے بلکہ خدا کی باتیں مخلوق تک پہنچانے کے لئے ان کو یہ ضرورت پیش آتی ہے۔ پھر خاتم النبیین کے لئے یہ ضرورت سب سے بڑھ کر تھی جس کے اقوال و افعال ہمیشہ کے لئے دنیا میں باقی رہنے ضروری تھے تاکہ دنیا کے لئے موجب ہدایت بنیں۔ اسلام ایک تاریخی مذہب اور محمد رسول اللہ صلعم ایک تاریخی انسان ہیں اگر ان کی خانگی زندگی کو محفوظ رکھنے والی ان کی بیبیاں نہ ہوتیں تو نسل انسانی ہدایت کے اس حصہ سے ہمیشہ کے لئے محروم رہ جاتی جس پر انسانوں کی خوشی کا بڑا دارومدار ہے۔ کیونکہ جس انسان کو اپنے گھر میں راحت میسر نہیں اس کو دنیا میں کبھی بھی راحت میسر نہیں آسکتی پس ضرور تھا کہ اللہ تعالیٰ آنحضرت صلعم کی زندگی میں ان سامانوں کے محفوظ رہنے کا سامان پیدا کر دیتا اور وہ سوائے اس ضرورت کے کہ آپ کے گھر میں بہت سی بیبیاں ہوں پیدا نہ ہو سکتا تھا۔

لیکن اگر غرض یہی تھی تو وجوہات اور بھی تھے منجملہ ان کے بڑی وجہ یہ ہے کہ اس وقت مسلمانوں کی تعداد بہت ہی تھوڑی تھی۔ ان میں سے اگر کوئی عورت بیوہ ہو جائے تو اس کو کفار کے سپرد تو کیا نہیں جا سکتا تھا۔ اب جنگوں کے ساتھ

ہی ایک بڑا انقلاب اس اسلامی سوسائٹی میں یہ آیا کہ مرد جنگوں میں مارے جاتے تو عورتیں بیوہ رہ جاتیں ان کی خبر گیری کا کیا انتظام ہو سکتا تھا۔ پھر آخر جو خواہشات فطرت نے انسان کے اندر ودیعت کی ہیں۔ ان کا پورا ہونا بھی تو ضروری ہے بعض ناعاقبت اندیش مدبّر ایسے حالات میں جب عورتوں کی تعداد جنگوں سے یا کسی اور وجہ سے مردوں سے بڑھ جائے تو صرف ان کی خوراک اور لباس کا انتظام کر دیتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ قوم میں خطرناک بیماری پیدا ہو جاتی ہے اور بعض وقت قومیں اس سے تباہ ہو گئی ہیں لیکن ایک مصلح جو اخلاق کی فکر خورد و نوش سے بھی زیادہ کرتا ہے۔ یہ کبھی گوارا نہ کر سکتا تھا کہ غریب عورتوں کے کھانے پینے کا انتظام کر کے ان کو مردوں کے جذبات کا ناجائز شکار بنا دے۔ اس لئے ضروری ہوا کہ مسلمانوں کے گھروں میں ایک سے زیادہ بیبیاں ہوں یہی وجہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قریبًا ساری شادیاں مدنی زمانہ میں بیوہ عورتوں کے ساتھ ہیں۔ ورنہ اگر آپ کے قلب مقدس کے کسی کونہ میں شہوات نفسانی کا خیال ہوتا تو کیا آپ کو کنواری عورتیں نہ مل سکتی تھیں۔ کون مسلمان باپ ہوتا جو نبی کریم صلعم کا خسر ہونے پر فخر نہ کرتا۔ آپ کو کنوارے رشتوں کی کوئی کمی نہ تھی مگر آپ کی غرض چونکہ اپنے دوستوں کی بیبیوں کی حفاظت تھی اس لئے آپ نے پانچ ایسی بیبیوں کو اپنے عقد زوجیت میں لیا جن کے خاوند جنگوں میں یا دوسری طرح پر فوت ہو چکے تھے۔ اس وقت مسلمانوں میں رشتہ کا میسر آنا کس قدر مشکل تھا خود اس سے ظاہر ہے۔ کہ حضرت عمرؓ اپنی بیوہ صاحبزادی حفصہؓ کے لئے خود حضرت ابوبکرؓ کو اور ان کے انکار پر حضرت عثمانؓ کو تحریک کرتے ہیں۔ پس نہ صرف ایک عظیم الشان دینی غرض ہی ان عقدوں میں تھی بلکہ اس کے لئے اور بھی قومی دینی وجوہات تھے۔ اور آنحضرت صلعم کو بلکہ کل مسلمانوں کو سوائے

تعدد ازواج اختیار کرنے کے اور کوئی چارہ نہ تھا۔ اور طریقوں سے وہ عورتوں کی خورد و نوش کا انتظام کر سکتے تھے مگر عورت کے نہایت قیمتی خزانہ عفت و عصمت کی حفاظت سوائے تعدد ازواج کے طریق کو اختیار کرنے کے اور کوئی نہ تھی۔

پھر ایک اور وجہ یہ بھی کہ بعض وقت مصلحت ملکی کا تقاضا بھی یہی ہوتا تھا۔ حضرت جُوَیریہ سے شادی اور قبیلہ بنی مُصطلِق کا اس کے ساتھ ہی مسلمانوں سے ایسا تعلق ہو جانا کہ وہ ان کے کسی ممبر کو بطور غلام کے نہیں رکھ سکتے۔ پھر خطرناک دشمنوں کا دوست بن جانا یہ ایک چھوٹا سا کرشمہ اس نکاح کا تھا پس کیا یہ غرض دینی نہ تھی؟ ایسا ہی یہودی عرب کے اندر مسلمانوں کے خطرناک دشمن تھے۔ اور آپ نے ان کا آخری علاج یہی سوچا کہ ان کی ایک معزز خاتون کو اپنی زوجیت میں لے کر ان کے ساتھ قرابت کا تعلق پیدا کر لیا گو اس بدقسمت قوم نے اس کے بعد بھی اپنی شرارتوں کو نہ چھوڑا مگر آپ نے اپنی طرف سے کوئی کوتاہی نہ کی۔ میمُونہ بھی ایک غیر قبیلہ کی بی بی تھیں گو ان کے نکاح میں آنے کے حالات کسی قدر مختلف ہیں مگر وہ بھی بیوہ تھیں۔ اور ان کی اپنی خواہش آنحضرت صلعم کی زوجیت میں آنے کی تھی اور ان کی ہمشیرہ چونکہ حضرت عباس کے گھر میں تھیں اس لئے اس قرابت کے تعلق کی وجہ سے آپ انکار نہ کر سکے۔

اگر آپ نے اس قدر بیوہ عورتوں سے شادی کی اور ان کو اپنی حفاظت میں لیا تو آپ نے یہ بھی چاہا کہ مطلّقہ عورت کے نام سے جو ذلت لگی ہوئی ہے اس کو بھی دنیا سے دور کر دیں۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ طلاق ناپسندیدگی کی وجہ سے ہوتی ہے۔ اور اس لئے مطلقہ عورت کسی قدر بدنام ہو جاتی ہے۔ پھر جہاں انسان کا اپنا کوئی عزیز یا دوست ہی اپنی بیوی کو طلاق دے دے تو وہاں اور بھی زیادہ مشکلات ہوتی ہیں۔ اب حضرت زید کا جو تعلق محمد رسول اللہ صلعم سے تھا وہ ظاہر ہے

لوگ اس کو آپ کا بیٹا کہتے تھے۔ کیونکہ آپ اس سے حد درجہ کی محبت کرتے تھے آپ نے خود ہی اپنی ایک عزیز اعلیٰ خاندان کی خاتون زینب سے اس کی شادی کر دی تھی۔ لیکن میاں بی بی میں نہ بنی۔ اور اس کی وجہ زینب کی تیز مزاجی تھی۔ زید نے طلاق دینے کا ارادہ کیا۔ آنحضرت صلعم نے اسے روکا جیسا کہ قرآن شریف میں صراحت سے مذکور ہے مگر زینب کی تیزی کی وہ برداشت نہ کر سکا اور آخر کار مجبوراً طلاق دی۔ اس طلاق میں صراحت سے زینب پر تیز مزاجی کا الزام تھا پس آپ کا ان کو نکاح میں لینا یہ ظاہر کرنے کے لئے تھا کہ اگر عورت کا ایک خاوند کے ساتھ اتفاق نہ ہو تو اس کی وجہ سے اس کے نام پر کوئی ذلت کا داغ نہیں آنا چاہئے۔ آپ نے اس کی یہ عزت افزائی کی کہ ایسی مطلّقہ کو فوراً اپنے نکاح میں لے لیا۔ وہ بہت ہی ناواقف ہیں جو یہ خیال کرتے ہیں کہ حضرت زینب آپ کو اس قدر پسند آئیں کہ اس وجہ سے زید کو طلاق دینی پڑی۔ ایسی صورت میں زید مسلمان نہ رہ سکتا تھا چہ جائیکہ ایسا جاں نثار رہتا کہ آپ اپنی افواج کی کمانڈ اس کے ہاتھ میں دیتے۔ پھر زینب آپ کی پھوپی کی بیٹی تھیں۔ اور بچپن سے آپ اس کو جانتے اس کے حالات سے واقف تھے۔ خود آپ نے ہی اس کا نکاح زید سے کیا تھا۔ حالانکہ ان کا بھائی اس وقت بھی چاہتا تھا کہ نبی کریم صلعم خود اپنی زوجیت میں اسے لے لیں۔ وہ کونسی بات تھی کہ ایک خاتون کو آپ اس کے کنوارپن کی حالت میں نہیں بیاہتے۔ حالانکہ وہ خود اور اس کا بھائی خواہشمند ہیں اور پھر جب وہی عورت اپنی تیز مزاجی کی وجہ سے مطلّقہ ہو جاتی ہے تو اس سے نکاح کر لیتے ہیں۔ بلکہ یہ نکاح ان حالات میں کس قدر صفائی سے فیصلہ کرتا ہے کہ خواہشات نفسانی کو ایک ذرہ بھی دخل آپ کے خیالات میں نہ تھا۔ اگر نفسانی خواہش ہوتی تو جب زینب کنواری تھیں تب ان سے نکاح کرتے۔ نہ یہ کہ جب بدنام ہو کر مطلّقہ ہو گئیں پہلی صورت میں انکار کرنا اور دوسری صورت میں

ان سے نکاح کر لینا صاف بتاتا ہے کہ آپ کا مطلب صرف یہ تھا کہ مطلّقہ عورت کے نام سے لوگ نفرت نہ کیا کریں۔ کیونکہ طلاق حالات انسانی میں پیش آ ہی جاتی ہے۔ بیواؤں اور مطلّقہ عورت سے خود نکاح کرکے آپ نے دنیا میں ایک عظیم الشان اصلاح کی بنیاد رکھی ٭

شاید کسی کے دل میں یہ خیال پیدا ہو کہ ماریہ قبطیہ کو حرم نبوی میں کیوں داخل کیا گیا۔ اس کے لئے تو کوئی ایسی وجہ نہ تھی۔ یہ سچ ہے مگر اس کے لئے ایک اور وجہ تھی۔ اور وہ یہ کہ ماریہ قبطیہ بالکل ایک غیر قوم میں سے تھیں۔ آنحضرت صلعم کی ازواج میں قریشی عورتیں بھی تھیں۔ اور عرب کی ہی غیر قریشی عورتیں بھی۔ صفیہ بنی اسرائیل میں سے تھیں مگر پھر بھی عرب کی تھیں لیکن آپ نے یہ بھی دکھا دیا کہ آپ دوسری قوموں کی اسی طرح عزت کرتے ہیں جس طرح اپنی قوم عرب کی۔ اس لئے جب ایک بالکل غیر قوم کی عورت آئی تو آپ نے اس کی بھی قریشیوں کے برابر عزت افزائی کرکے ان کو اپنی زوجیت میں لیا۔ اور یوں اپنے پیرووں کے لئے ایک نمونہ قائم کیا کہ وہ غیر قوموں کی عزت اپنی قوم کی طرح ہی کریں۔ اور ان کو مسلمان عورتوں کے برابر حقوق دینے میں کوئی مضائقہ نہ کریں ٭

پس ان تمام نکاحوں میں آپ کی غرض ایک نہایت ہی بلند دینی غرض تھی اور علاوہ ازیں اور وجوہات بھی ایسے پیدا ہو گئے۔ کہ ان حالات میں ایک سے زیادہ عورتوں کو نکاح میں نہ لینا جنس عورت کو ایک ذلت کی حالت میں چھوڑ دینا تھا جس کو دنیا دار جو اغراض نفسانی اور خواہشات شہوانی کے پیرو ہوتے ہیں اختیار کریں تو کریں مگر وہ شخص جو اخلاق انسانی کی اصلاح کے لئے آیا تھا۔ اس کا ایسا کرنا ناممکن تھا۔ اس کے سارے کام حکمت پر نیل انسانی کی بہتری پر مبنی تھے۔ اس نے دنیا کی ملامت کو برداشت کیا۔ مگر اصلاح کے کام

کو نہ چھوڑا۔ اس نے اپنی ساری جوانی اور بڑھاپے کا بھی بڑا حصہ ایک بی بی کے ساتھ گزار کر دکھا دیا کہ معمولی حالات انسانی میں ایک ہی بی بی کا تعلق ایک خاوند سے ہونا چاہئے۔ پھر جب قومی اور دینی ضروریات پیش آئیں تو تعدد ازواج پر عمل کر کے یہ بھی دکھا دیا کہ نسل انسانی کی بہتری کے لئے۔ عورت کی عزت قایم رکھنے کے لئے۔ اس کی عفت اور عصمت کو بچانے کے لئے۔ لوگوں کی ملامت کی پروا نہیں کرنی چاہئے +

اکتیسواں باب

آنحضرت صلعم کے عادات و اخلاق

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا (الاحزاب ۲۱)

آنحضرت صلعم کے اخلاق و عادات کی تصویر آپ کی بہترین رازدار آپ کی بی بی صدیقہ نے ان الفاظ میں کھینچی ہے کَانَ خُلُقُهُ الْقُرْاٰن آپ کا خُلق قرآن تھا یعنی قرآن کریم کی تعلیم عملی رنگ میں آپ کی روزمرہ زندگی میں نظر آتی تھی اور آپ قرآن شریف کی تعلیم مجسم تھے۔ پس جس طرح قرآن شریف زندگی کے سارے شعبوں میں اور قوائے انسانی کی ساری شاخوں کی پرورش کے لئے اعلیٰ درجہ کی اخلاقی تعلیم دیتا ہے۔ اسی طرح نبی کریم صلعم کی زندگی ہر قسم کے اخلاق کا مکمل مجموعہ ہے۔ اور ایک مسلمان کے لئے اگر علمی رنگ میں تعلیم قرآن شریف میں موجود ہے تو عملی رنگ میں آنحضرت صلعم کی زندگی میں موجود ہے +

آپ کی عادات اور اخلاق کی روح سادگی اور اخلاص تھے گو یا نیکی سے محبت اور اخلاق فاضلہ آپ کی فطرت میں ودیعت کئے گئے تھے اور یہ باتیں آپ کی جبلت میں داخل تھیں اور اکتساب سے حاصل نہ ہوئی تھیں آپ ہر قسم کا کام اپنے ہاتھ سے کر لیتے تھے۔ اگر کسی سائل کو کچھ دینا ہوتا تو اپنے ہاتھ سے اس کے ہاتھ میں دیتے۔ آپ خانگی امور میں اپنی بیبیوں کو مدد دیتے تھے۔ خود اپنی بکریوں کا دودھ دوہ لیتے اپنے کپڑوں کی مرمت کر لیتے اپنی جوتی کو گانٹھ لیتے خود گھر میں جھاڑو دے لیتے۔ اپنے اونٹ کو باندھ لیتے اس کے آگے گھاس ڈال لیتے۔

دنیا کے کسی کام کو آپ نے ذلیل نہیں سمجھا جب مسجد بنائی گئی تو آپ خود مزدوروں کے ساتھ ٹوکری بھی اُٹھاتے تھے۔ دشمن سے حفاظت کے لئے خندق کھودنی پڑی تو آپ اپنے سپاہیوں کے اندر ایک معمولی مزدور کی حیثیت میں کام کرتے نظر آتے تھے۔ آپ بازار سے اپنا سودا خود خرید لاتے بلکہ دوسروں کا بھی خرید کر لا دیتے تھے۔ غرض کسی قسم کے کام کو باوجود اس کے کہ آپ نبی بھی تھے اور بادشاہ بھی اپنے لئے ذلیل نہیں سمجھا۔ اور یوں بتا دیا کہ انسان کی شرافت یا ذلت میں کوئی پیشہ معیار نہیں بلکہ اس کی شرافت کا معیار اس کا برتاؤ اور اس کی راست روی ہیں۔ ایک موچی ایک درزی ایک مزدور جو ٹوکری اُٹھاتا ہے۔ اسی طرح اسلامی سوسائٹی کا ایک فرد ہے جس طرح ایک تاجر یا ایک ملازم یا ایک عہدہ دار۔

تکلف آپ کے کسی کام میں نہ تھا۔ آپ جانور پر سوار ہوتے تو دوسرے کو پیچھے بٹھا لیتے قیس بن سعد کہتے ہیں ایک دفعہ آپ سعد کی ملاقات کے لئے تشریف لائے چلتے وقت سعد نے اپنا گدھا آنحضرت صلعم کو سواری کے لئے دیا اور قیس کو کہا کہ ساتھ جاؤ آپ نے قیس کو فرمایا کہ میرے ساتھ سوار ہو جاؤ بلکہ آگے تم ہو کیونکہ جانور کا مالک اس کا زیادہ حقدار ہے۔ اور چونکہ آپ نے شرط لگادی کہ ساتھ چلو تو ساتھ سوار ہو کر چلو ورنہ پھر جاؤ اس لئے میں ساتھ نہ گیا۔ جب مجلس میں آتے تو پسند نہ کرتے کہ صحابہ آپ کے لئے کھڑے ہوں۔ ایک دفعہ فرمایا کہ میرے لئے کھڑے نہ ہوا کرو جس طرح عجمی لوگ کرتے ہیں۔ اور فرمایا میں بندہ ہوں جس طرح بندے کھاتے ہیں میں کھاتا ہوں اور جس طرح وہ بیٹھتے ہیں میں بیٹھتا ہوں ایک شخص ایک دفعہ آپ کا ہاتھ چومنے کے لئے بڑھا تو آپ نے اپنا ہاتھ پیچھے ہٹا لیا اور فرمایا یہ عجمی لوگ اپنے بادشاہوں سے کرتے ہیں۔ غلام بھی اگر آپ کو دعوت دیتا تو آپ چلے جاتے۔ کھانے پر بیٹھتے تو بالکل بے تکلفی سے۔ ہر قسم کے لوگوں حتّٰی کہ غلام

ناک کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھا لیتے مجلس میں بیٹھتے تو بعض وقت بہت بہت دیر خاموشی میں گزر جاتی کوئی بات آجائے تو کر لیتے۔ ہر وقت گفتگو کرتے رہنا جیسا کہ تکلف سے لوگ مجلس کو مشغول رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ آپ کی عادت میں نہ تھا۔ جب چلتے تو لوگ آپ کے آگے اور پیچھے چلتے۔ جب بیٹھتے تو بھی دوسروں کے اندر ایسے ملے ہوئے ہوتے کہ کوئی نو وارد آپ کو پہچان نہ سکتا تھا اور پوچھنے کی ضرورت پیش آتی کہ نبی صلعم کون ہیں۔ آپ کا زانو اپنے اصحاب سے آگے نہ بڑھتا۔ جب کوئی دوسرا بات کرتا تو آپ اس کی بات کو کاٹتے نہ تھے۔ جب لوگ کسی بات پر ہنستے تو آپ بھی ان کے ساتھ شامل ہوتے۔ آپ گفتگو اس قدر آہستہ کرتے تھے کہ آپ کے لفظ گنے جا سکتے تھے۔ اور اس قدر تیز چلتے تھے کہ آپ کے ساتھ والوں کو بعض وقت دوڑنا پڑتا تھا۔

آپ کے کھانا کھانے کے عادات میں اسی طرح سادگی موجود تھی جس طرح دیگر عادات میں۔ کوئی چیز کھانے کے لئے سامنے آتی تو اگر اسے اس قابل پاتے کہ کھالیں تو کھا لیتے اگر اس میں کوئی نقص ہوتا کہ کھانے کے قابل نہ ہو تو اسے نہ کھاتے لیکن اس کا نقص نہ نکالتے۔ کھجور۔ جو۔ گیہوں۔ گوشت دودھ جو چیز بلا تکلف ملجاتی اسے کھا لیتے۔ اگر کسی نے مہمانی میں اچھی چیز سامنے رکھ دی تو اسے بھی کھا لیتے۔ یہ تکلف نہ کرتے تھے کہ اُسے نہ کھائیں۔ ہاں عموماً صرف ایک ہی کھانا کھاتے تھے۔ نظافت پسند تھے میلے برتن میں کھانا پسند نہ کرتے تھے۔ سڑی ہوئی یا بودار چیز کے قریب نہ جاتے تھے۔ شہد آپ کو خاص طور پر مرغوب تھا۔ سبزیوں میں کدو کو بہت پسند کرتے تھے۔ ایسی چیزیں جن کے کھانے سے مُنہ سے بُو آئے آپ پسند نہ کرتے تھے جیسے پیاز۔ سرکہ۔ کھانے پر بیٹھتے تو ٹیک لگا کر نہ بیٹھتے تھے۔ اگر آپ کی دعوت کہیں ہوتی اور آپ کے ساتھ اور لوگ بھی ہوتے تو کھانے سے پہلے بلا تکلف صاحب خانہ کو کہہ دیتے کہ اتنے آدمی مدعو ہیں اور یہ زاید ہیں۔ کھانے سے پہلے اور پیچھے ہاتھ دھوتے

اور منہ کو خوب صاف کرتے۔

آپ کے لباس میں بھی سادگی تھی۔ پیوند لگا ہوا کپڑا پہن لینے میں مضائقہ نہ کرتے تھے اور اچھا کپڑا مل جائے تو اسے پھینک نہ دیتے تھے۔ البتہ ریشمی لباس آپ مردوں کے لئے پسند نہ کرتے تھے جس کپڑے میں ذرا بو ہو جائے آپ اسے فوراً اُتار دیتے تھے۔ اور لباس گو سادہ مگر صاف رکھتے تھے۔ انگوٹھی آپ نے اس وقت بنوائی اور پہنی جب بادشاہوں کو خطوط لکھنے کے لئے مہر لگانے کی ضرورت پیش آئی بعدہ یہ انگوٹھی آپ پہنتے رہے۔

دیگر عادات میں بھی اسی طرح سادگی اور صفائی کو آپ جمع رکھتے تھے مکان جس میں رہتے تھے نہایت سادگی سے بنے ہوئے تھے۔ کچی اینٹ اور گارے کے چھوٹے چھوٹے کمرے تھے۔ ان کے اندر سامان کوئی نہ تھا۔ ایک چارپائی ایک پانی کی ٹھلیا اور بس۔ یہ اس وقت کا ذکر ہے جب آپ خیبر کو فتح کر چکے تھے خیبر کی فتح سے واپس آتے ہوئے حضرت صفیہ کے ساتھ شادی کے بعد دعوت ولیمہ کی تو صحابہ کو فرمایا کہ جو کچھ کسی کے پاس ہے دسترخوان پر لے آئے ستو اور کھجوریں جمع ہو گئیں اور یہ دعوت ولیمہ تھی۔ آپ کے گھروں میں برابر کئی کئی دن تک آگ نہ جلتی تھی اور صرف کھجور کھا کر اور پانی پی کر گزارہ کرتے تھے۔ دنیا کو آپ ایک عارضی آرام گاہ سمجھتے تھے۔ فرمایا کہ دنیا میں میری مثال اس سوار کی ہے جو چلتے چلتے دوپہر کے وقت ایک درخت کے سایہ کے نیچے کچھ آرام کرلے۔ دنیوی مال اور دنیوی آسایشوں کی کوئی محبت آپ کے دل میں نہ تھی۔ مسواک کا استعمال آپ بہت کرتے تھے۔ اور دن میں کئی کئی مرتبہ مُنہ کو صاف کرتے تھے۔ جیسا کہ اب معلوم ہوا ہے انسان کی صحت کا بہت کچھ انحصار مُنہ کی صفائی پر ہے۔ جسم کو بھی آپ نہایت صاف رکھتے تھے۔ سر کے بالوں کو اور ڈاڑھی کو کنگھی سے اور دھو کر صاف رکھتے تھے

خوشبو کا استعمال بھی کرتے تھے۔ آپ کے پاس بیٹھنے والے یہ شہادت دیتے ہیں کہ کبھی آپ کے جسم سے لباس سے یا منہ سے بو نہیں آئی بلکہ آپ کے پسینہ تک میں خوشبو تھی۔ آپ اپنے جسم لباس وغیرہ کو ہر طرح سے پاک صاف رکھتے تھے۔ حوائج ضروریہ سے فراغت کے بعد مٹی اور پانی کا استعمال کرتے" تاکہ کسی قسم کی آلائش جسم کے ساتھ رہنے نہ پائے اور آبدست کے بعد ہاتھ کو مٹی سے رگڑ کر صاف کرتے آپ کا باطن تو بہت ہی پاک اور نرا نور ہی نور تھا مگر آپ کا ظاہر بھی باوجود سادگی کے نہایت درجہ کا پاکیزہ تھا۔

آپ کے تعلقات اپنے دوستوں سے حد درجہ کی محبت کے تھے۔ جب کوئی شخص آپ سے مصافحہ کرتا تو آپ اس کا ہاتھ چھوڑنے میں پہل نہ کرتے تھے جس سے ملتے نہایت خندہ پیشانی سے ملتے تھے۔ جریر بن عبداللہ کہتے ہیں میں نے جب آپ کو دیکھا تبسم کرتے ہوئے دیکھا یعنی ہر وقت خندہ پیشانی پایا۔ آپ اپنے اصحاب سے مزاح کر لیتے تھے اور بے تکلف بات چیت کرتے تھے پیروں کی طرح تکلف کی خاموشی اختیار نہ کرتے تھے۔ اور نہ بات کرنے میں اپنی بڑائی کا اظہار کرتے تھے۔ اپنے صحابہ کے بچوں کو گود میں لیتے اور ان سے پیار کرتے بسا اوقات بچے آپ پر پیشاب بھی کر دیتے مگر آپ کے چہرہ پر بھی شکن نہ آتا۔ اپنے پاس بیٹھنے والوں کو فرماتے کہ میرے پاس کسی میرے دوست کی برائی نہ بیان کرو کیونکہ میں چاہتا ہوں کہ سب کی طرف سے میرے سینے میں صفائی ہو۔ آپ اپنے اصحاب سے سلام کرنے میں مصافحہ کرنے میں پہل کرتے تھے۔ ان کو پکارتے تو عزت کے لئے کنیت سے مخاطب کرتے یا ان کا محبوب نام لیتے جس شخص نے ایک دفعہ آپ سے دوستی کی آپ نے اس کی دوستی کی ہمیشہ قدر کی۔ حضرت ابوبکر سے آپ کا تعلق شدید محبت اور دوستی کا تھا۔ حضرت خدیجہ کی رفاقت کو اس وقت یاد کرتے تھے جب

آپ کے ہاں کئی بیبیاں موجود تھیں۔ زَیدؔ ایک آزاد کردہ غلام کو جب اس کے باپ نے اپنے ساتھ چلنے کے لئے کہا تو اس نے گھر جانے پر رسول اللہ صلعم کی رفاقت کو ترجیح دی۔ اگر آپ کے کسی دوست سے کوئی خطا ہو جاتی تو آپ بہت چشم پوشی کو کام میں لاتے۔ اور اشارۃً بھی اس کا قصور اس کو نہ جتلاتے۔ ہاں عام نصیحت میں سمجھا دیتے کہ کس طرح انسان کو ایسی باتوں سے بچنا چاہئے البتہ جھوٹ سے آپ کی طبیعت بہت متنفر تھی اور ایسا ہی اس شخص سے متنفر ہو جاتے جو جھوٹ بولتا تھا لیکن محض قصور پر خواہ کتنا بھی بڑا ہو آپ گرفت نہ کرتے تھے۔ جب اُحُدؔ کے میدان میں تیراندازوں کے جگہ چھوڑ دینے کی وجہ سے مسلمانوں پر سخت مصیبت آئی آپ کو خود بھی زخم لگے آپ کے بہت سے عزیز دوست بھی مارے گئے تو آپ نے اس وقت بھی نہ اُن نافرمانی کرنے والوں پر کورٹ مارشل کیا۔ نہ ان کو کوئی سزا دی حتیٰ کہ ملامت تک بھی نہیں کی۔ جو لوگ میدان جنگ سے بھاگ گئے ان کو جب وہ تیسرے دن واپس آئے صرف اس قدر کہا کہ تم بہت دور چلے گئے۔

دشمنوں تک سے آپ اس قدر فیاضی سے پیش آتے تھے کہ جس کی نظیر تاریخ میں دوسرے انسان کی زندگی میں نہیں ملتی عبداللہ بن اُبَی جس کی ساری عمر آپ سے سخت عداوت میں کٹی اور بار ہا یہودیوں کو اور کفار کو مسلمانوں کے خلاف اُکساتا رہا جب وہ فوت ہوا تو آپ نے اس کے لئے دعائے مغفرت کی اور اپنی قمیص عطا کی جس کا اسے کفن پہنایا گیا۔ مکہ کے خطرناک دشمن جنہوں نے ایسے ایسے ظلم مسلمانوں پر اور خود آپ پر کئے تھے جن کو سُن کر رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں جب آخر کار ان پر فتح حاصل کرتے ہیں تو ان کے قصور پر ان کو ملامت تک بھی نہیں کرتے۔ ایسے حالات میں کوئی دوسرا فاتح ہوتا تو عبرتناک سزا اہل مکہ کو دیتا مگر بیس سال کے لگاتار مظالم کو۔ ہاں ان منصوبوں کو جو اسلام کو نیست و نابود کرنے

کے لئے کئے گئے بغیر کسی درخواست کے معاف کر دیا۔ دشمنوں کے چھ چھ ہزار قیدی بعض وقت صرف ان کی درخواست پر آزاد کر دیئے حضرت عایشہ کہتی ہیں آپ نے اپنی ذات کے متعلق کبھی کسی سے انتقام نہیں لیا۔ ہاں ایسے لوگوں کو بعض وقت سزائیں بھی دیں جنہوں نے غداری کر کے اسلام کو نیست و نابود کرنا چاہا تھا جہاں عفو سے اصلاح ہوتی وہاں آپ عفو کرتے لیکن جہاں سزا کی ضرورت ہوتی وہاں سزا بھی دیتے۔ ان شریروں کو جو شرارت سے باز نہ آتے تھے سزا نہ دینا بدی کی اعانت کرنا تھا۔ سو وہ آپ نہ کر سکتے تھے۔ آپ کی فیاضی بلاتفریق قوم وملت کام کرتی تھی۔ ایک عیسائی ایک یہودی ایک مشرک سے آپ اسی طرح فیاضی کا اظہار کرتے جس طرح ایک مسلمان سے۔ مسلمانوں کی خیرات کو آپ نے مسلمانوں تک محدود نہیں کیا +

انصاف کے معاملہ میں آپ ایسے اعلیٰ اصول پر قایم تھے کہ سخت سے سخت دشمن اور عزیز سے عزیز دوست میں کوئی فرق نہ کرتے تھے۔ بعثت سے پہلے بھی آپ کی انصاف پسندی اور دیانت و امانت اس قدر مسلّم تھی کہ لوگ اپنے جھگڑوں کے فیصلے آپ سے کراتے تھے۔ مدینہ میں جب تشریف لائے تو مشرکوں اور یہودیوں نے بھی آپ کو اپنے مقدمات اور تنازعات میں حکم تسلیم کیا یہود کو جس قدر عداوت اسلام سے تھی وہ گزشتہ صفحات میں ظاہر ہو چکی ہے لیکن ایک یہودی اور ایک مسلمان کا مقدمہ آپ کے سامنے آتا ہے تو آپ فیصلہ یہودی کے حق میں کرتے ہیں اور اس بات کی بھی پروا نہیں کرتے کہ ایک ایک مسلمان اس وقت اسلام کی حفاظت کے لئے کس قدر قیمتی معاون ہے۔ اور بعض وقت ایک کی علیحدگی ایک قبیلہ کی علیحدگی ہے۔ آپ قرآن کریم کی اس آیت کی عملی تفسیر تھے لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَىٰ أَلَّا تَعْدِلُوا اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ

آپ نے اپنی بیٹی سیدۃ نساء الجنۃ کو خطاب کرکے فرمایا کہ تمہارے عمل ہی تمہارے کام آئیں گے اور فرمایا کہ اگر فاطمہ بنت محمد چوری کرے تو اس کے بھی ہاتھ کاٹے جائیں۔ وفات سے پیشتر عام مجمع میں فرمایا کہ کسی کا کچھ قرضہ مجھ پر ہو تو وہ وصول کرلے کسی کو مجھ سے تکلیف پہنچی ہو تو وہ قصاص لے لے ✦

آپ دوسروں کے ساتھ معاملات میں کسی قسم کی بڑائی اختیار نہ کرتے تھے لین دین اور تمام اور معاملات میں اپنے تئیں ایک معمولی انسان کی طرح رکھتے تھے۔ ایک یہودی کا آپ پر کچھ قرضہ تھا وہ طلب کرنے آیا اور نہایت خشونت اور بداخلاقی سے پیش آیا اور کہا کہ تم بنی ہاشم جب کسی سے کچھ لے لیتے ہو تو دینے میں نہیں آتے۔ یہ مدینہ کا واقعہ ہے جہاں آپ بادشاہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ حضرت عُمر کو اس کی گستاخی پر بہت غصہ آیا مگر آپ نے فرمایا کہ اے عُمر مناسب تھا کہ تم ہم دونوں کو نصیحت کرتے۔ قرضخواہ کو یہ کہ مطالبہ کرنے میں سہولت سے کام لینا چاہیئے۔ اور مجھ کو یہ کہ قرضہ نیکی کے ساتھ واپس ادا کرنا چاہیئے پھر اس کے قرضہ سے بڑھ کر رقم اس کو ادا کی۔ اس حُسن اخلاق کا ایسا اثر اس پر ہوا کہ وہ مسلمان ہو گیا۔ ایک موقعہ پر آپ اپنے احباب کے ساتھ کسی جنگل میں تھے۔ کھانا تیار کرنے کی ضرورت پیش آئی تو سب کے سپرد ایک ایک کام کر دیا اور فرمایا کہ ایندھن کے لئے لکڑیاں میں چُن لاتا ہوں۔ باوجود بادشاہ اور معلّم روحانی ہونے کے کام رعایا کے ایک معمولی آدمی کی طرح کرتے تھے اپنے ماتحتوں اور نوکروں کے ساتھ بھی ایسا ہی سلوک کرتے تھے۔ حضرت انس کہتے ہیں میں دس سال آپ کی خدمت میں رہا مگر آپ نے کبھی مجھے جھڑکا تک نہیں۔ نوکر سے کوئی قصور ہو جائے تو اسے ملامت نہیں کرتے تھے۔ آپ نے کوئی غلام اپنے پاس نہیں رکھا جو آیا اس کو آزاد کر دیا۔ آپ نے ساری عمر کبھی کسی نوکر یا عورت کو نہیں مارا ✦

فیاضی آپ کی طبیعت میں اس قدر تھی۔ کہ لکھا ہے کہ کسی سائل کو آپ نے کبھی نفی میں جواب نہیں دیا۔ اگر پاس کچھ نہ ہو تو اس انتظار میں رہتے تھے کہ کہیں سے کچھ آجائے تو اس کے سوال کو پورا کریں خود تکلیف اور بھوک اُٹھا کر بھی سائل کے سوال کو پورا کر دیتے تھے۔ مال دُنیا کو اپنے پاس رکھنا پسند نہ کرتے تھے۔ وفات سے پیشتر فرمایا کہ جو کچھ ہمارے گھر میں ہے وہ نکال لاؤ۔ اور جو کچھ تھا اسے خدا کی راہ میں دے دیا۔ غربا سے محبت آپ کی فطرت میں تھی۔ بلکہ بیزبان مخلوق پر بھی حد درجہ کا رحم تھا۔ ایک صحابی نے ایک پیاسے کتے کو اپنا موزہ اُتار کر پانی پلا دیا تو آپ نے فرمایا کہ وہ اس کی وجہ سے جنت میں ہے۔ ایک عورت کے متعلق آپ نے فرمایا کہ اسے عذاب دیا جارہا ہے اس لئے کہ جب وہ زندہ تھی تو ایک بلی کو بھوکا باندھ رکھا کرتی تھی۔ یتیموں۔ بیکسوں بیواؤں کی آپ جائے پناہ تھے۔ اور یہ بات بچپن سے آپ کی طبیعت میں تھی۔ غریبوں ضعیفوں اور ناتوانوں کا ایسا کوئی ہمدرد پیدا نہیں ہوا۔ آپ فرمایا کرتے تھے اَنَا وَ کَافِلُ الْیَتِیْمِ کَہَاتَیْنِ جو شخص یتیم کی خبر گیری کرتا ہے وہ میرے ساتھ اس طرح ملا ہوا ہے جس طرح اُنگلی سے اُنگلی۔ قرآن شریف میں ایک سورت میں ہے کہ جو شخص یتیم کو دھتکارتا ہے اور مسکین کو کھانا کھلانے کی ترغیب نہیں دیتا وہ دین کو جھٹلاتا ہے۔ قرآن شریف یتیموں ناتوانوں مسکینوں کی ہمدردی کے قوانین سے بھرا پڑا ہے۔ آپ پر جو بڑی سے بڑی مصیبت آتی آپ اسے آسانی سے برداشت کر لیتے۔ مگر دوسروں کی مصیبت پر آپ کا دل بہت پگھلتا تھا۔ جس شخص پر ظلم ہوتا دیکھا اسی کی حمایت میں آپ کھڑے ہو گئے۔ بچوں اور عورتوں کے حقوق آپ نے مردوں پر قائم کئے غلام کے حقوق آقا پر قائم کئے محکوم کے حقوق حاکم پر قائم کئے رعایا کے حقوق بادشاہ پر قائم کئے۔ عجیب دل خدا نے آپ کے سینے میں دیا تھا کہ جس میں مخلوق خدا کی ہمدردی جوش مار مار کر بھوٹتی

تھی بچوں سے آپ کو بڑی محبت تھی۔ راستے میں چلتے چلتے بچوں کو پیار کرتے۔ کسی دوست کی بیماری کا حال سُنتے تو فوراً عیادت کے لئے جاتے اور تسلی دیتے۔ کوئی فوت ہو جاتا تو جنازہ کے ساتھ جاتے +

مہمان نوازی کی صفت بھی آپ میں کمال کو پہنچی ہوئی تھی۔ اپنے مہمان کی ہر قسم کی خاطر و مدارات خود کرتے تھے جس قدر گنجایش آپ کے ہاں ہوتی اس قدر مہمانوں کو رکھ کر باقی کو صحابہ پر تقسیم کر دیتے جو وہ بھی اپنے آقا کے اخلاق کے رنگ میں رنگین تھے۔ اور بعض وقت ایسا ہوا ہے کہ خود بھوکے سو رہے ہیں اور گھر میں جو کھانا ہے وہ مہمان کو کھلا دیا ہے +

آپ نے کبھی کسی کو گالی نہیں دی۔ بلکہ سخت کلامی سے بھی آپ کسی سے پیش نہ آتے تھے جس کو سمجھانا ہوتا نہایت نرمی اور محبت سے سمجھاتے۔ بلکہ دوسروں کو بھی سخت کلامی سے روکتے۔ یہودی آپ کو بجائے السلام علیکم کے السام علیکم کہا کرتے تھے یعنی تم پر موت آئے حضرت عائشہ نے سُنا تو بے اختیار بول اُٹھیں کہ خدا تمہیں ہلاک کرے تمہیں پر موت آئے آپ نے فرمایا عائشہ خدا سخت کلامی کو پسند نہیں کرتا +

امانت۔ صدق اور راستبازی سے آپ کی محبت تو سارے عرب میں مشہور تھی۔ یہاں تک کہ آپ کا نام ہی الامین ہو گیا تھا۔ خود ابوجہل کا اعتراف موجود ہے جب اس نے نبی صلعم کو کہا کہ ہم آپ کو جھوٹا نہیں کہتے بلکہ اس پیغام کو جھوٹا کہتے ہیں جو آپ لائے ہیں۔ نضر ابن الحرث نے خود اپنے ساتھیوں کو جب وہ رسول اللہ صلعم کے خلاف مشورے کر رہے تھے یوں ملزم کیا کہ محمد صلعم تم میں ایک لڑکا تھا سب سے پسندیدہ۔ بات میں سب سے سچا۔ امانت میں سب سے بڑھ کر اور جب وہ بوڑھا ہو گیا اور تمہارے پاس کچھ پیغام لایا تو تم اسے ساحر کہتے ہو خدا کی

قسم وہ ساحر نہیں۔ آپ نے جو عہد کیا اس کو بڑے بڑے نقصان اُٹھا کر بھی پورا کیا۔ کفار کے ساتھ جو حدیبیہ میں عہد ہوا کہ اہل مکہ میں سے کوئی مسلمان ہو کر آپ کے پاس آئے تو اسے واپس کر دیں گے اس کو آپ نے ایسے ایسے حالات میں پورا کیا کہ خود مسلمانوں کی آنکھوں میں خون اُتر رہا تھا۔ عفت اور پرہیزگاری کے لحاظ سے بھی آپ نے کامل نمونہ دکھایا۔ پچیس برس کی عمر تک شادی نہیں کی۔ مگر آپ کی عفت پر کوئی شخص ہلکے سے ہلکے دھبہ کا نشان بھی نہیں بتا سکتا۔

عفو کی صفت کا اظہار آپ میں اس درجہ کمال پر ہوا کہ دنیا میں اس کی کوئی نظیر نہیں ملتی۔ آپ کو قرآن میں یہ حکم دیا جاتا ہے خُذِ الْعَفْوَ جس کی تفسیر یوں بتائی گئی اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکَ اَنْ تَصِلَ مَنْ قَطَعَکَ وَتُعْطِیَ مَنْ حَرَمَکَ وَتَعْفُوْ عَمَّنْ ظَلَمَکَ۔ یعنی اللہ تعالیٰ تم کو حکم دیتا ہے کہ جو شخص تمہارے ساتھ قطع رحمی کا معاملہ کرتا ہے اس کے ساتھ صلہ رحمی کا معاملہ کرو۔ اور جو شخص تم کو محروم کرتا ہے اسے تم دو۔ اور جو شخص تم پر ظلم کرتا ہے اسے معاف کرو۔ مُنہ سے عفو کی تعلیم دینے والے بہت گزرے ہیں مگر اس کو موقعہ پر عمل میں لانے والے بہت کم ہیں۔ جنگ اُحد میں آپ کے دانت مبارک شہید ہو گئے۔ مُنہ زخمی ہو گیا۔ آپ گر گئے۔ بعض صحابہ نے کہا یا رسول اللہ ان لوگوں پر جنہوں نے خدا کے رسول کو اس قدر دُکھ پہنچایا ہے بددعا کیجئے۔ فرمایا اِنِّیْ لَمْ اُبْعَثْ لَعَّانًا وَّلٰکِنِّیْ بُعِثْتُ دَاعِیًا وَّرَحْمَۃً اَللّٰھُمَّ اھْدِ قَوْمِیْ فَاِنَّھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ۔ مجھے لعنت کرنے کے لئے نہیں بھیجا گیا بلکہ داعی خیر بنا کر اور رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے۔ اے خدا میری قوم کو ہدایت کر کیونکہ وہ جانتے نہیں۔ کس قدر رحمت قلب میں جوش زن ہے کہ سخت دُکھ اُٹھاتے ہوئے بھی صرف بددعا سے خاموشی اختیار نہیں کی۔ بلکہ اپنے دشمنوں کے لئے دعائے مغفرت کرتے ہیں۔ ایک دفعہ ایک اعرابی نے آپ کے گلے میں

چادر ڈال کر زور سے کھینچا۔ جب آپ نے اسے کہا کہ کیا اس کا تجھ سے بدلہ لیا جائے۔ تو اس نے کہا کہ نہیں اس لئے کہ آپ بدی کا مقابلہ بدی سے نہیں کرتے فتح مکہ میں جو عفو کا نمونہ آپ نے دکھایا۔ کمال غلبہ کے وقت جو نرمی ان دشمنوں سے کی جنہوں نے مسلمانوں کو اذیت دینے میں ان کو قتل کرنے میں اسلام کے نیست و نابود کرنے میں خود رسول اللہ صلعم کو قتل کرنے میں کوئی دقیقہ فرو گزاشت نہ کیا تھا۔ بے نظیر ہے۔ ایسا معاف کیا کہ ان سے بازپرس تک بھی نہ کی۔ ابوسفیان جیسا دشمن جب سامنے آیا تو اس کے کسی فعل پر گرفت نہیں کی۔ حالانکہ وہ اسلام کو تباہ کرنے کے لئے پورا زور لگا چکا تھا اور جنگ اُحد میں حضرت حمزہ کی لاش کا مثلہ اسی کی عورت سے وقوع میں آیا بلکہ یوں فرمایا کہ اے ابوسفیان تجھ پر افسوس کیا ابھی وقت نہیں آیا کہ تم جان لو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ؟

حیا آپ میں اس قدر تھی کہ صحابہ کہا کرتے تھے کہ آنحضرت صلعم پردہ میں بیٹھنے والی کنواری لڑکیوں سے بھی زیادہ حیادار ہیں۔ قرآن شریف اس کا شاہد موجود ہے کہ آپ کو جب بعض لوگوں کی ناسمجھی سے بڑی بڑی تکلیف بھی پہنچتی تو آپ ان کو کچھ نہ کہتے اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيِي مِنْكُمْ اس بات سے نبی کو ایذا پہنچتی ہے مگر وہ تم سے حیا کرتے ہیں۔ نام لیکر کسی کا عیب بیان نہ کرتے بلکہ یوں سمجھا دیتے کہ ان لوگوں کا کیا حال ہے جو ایسا کرتے ہیں۔ ایک شخص پر کچھ رنگ دیکھا تو دوسروں کو فرمایا کہ بہتر ہو کہ کوئی اسے سمجھا دے کہ وہ اس کو دھو ڈالے آپ نے حیا کو ایمان کی ایک شاخ قرار دیا اَلْحَيَاءُ شُعْبَةٌ مِّنَ الْاِيْمَانِ۔ مگر دین کے معاملے میں بہت غیور رہتے۔ دین کے خلاف کوئی امر دیکھتے تو روک دیتے جب آپ کے صاحبزادہ ابراہیم فوت ہوتے تو اسی دن سورج کو گرہن لگا ایسا کہ بالکل تاریک ہو گیا۔ لوگوں نے آپس میں باتیں کرنی شروع کیں کہ حضرت ابراہیم کی وفات

کی وجہ سے سورج کو گرہن لگا ہے۔ آپ نے خطبہ پڑھا اور فرمایا کہ سورج کو گرہن کسی کی زندگی یا موت کی وجہ سے نہیں لگتا ہاں یہ خدا کی طرف سے نشانیاں ہیں یوں توہم پرستی کو جڑ سے کاٹا۔

آپ کی کمال شفقت اور رافت اور رحمت کی شہادت قرآن کریم کے ان الفاظ سے ملتی ہے کہ آپ کو رؤف رحیم کا خطاب دیا گیا ہے۔ آپ کو اپنی اُمت کا بہت خیال رہتا تھا کہ آپ کی کسی ہدایت سے ان پر کوئی ایسا بوجھ نہ ہو جو وہ برداشت نہ کر سکیں اپنی اُمت کے لئے آپ نے دعائیں بھی بہت کی ہیں۔ اور آخر زمانہ میں جو ان پر مصائب آنے والے تھے اُن کا نقشہ بھی کھینچ دیا ہے۔ اور ان کو ان مصائب کے اندر تسلی بھی دی ہے۔ اپنوں پر شفقت کا کیا اندازہ ہو سکتا ہے جب غیروں پر اس قدر شفقت ہو کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ کیا تم اپنے آپ کو اس غم میں ہلاک کر دو گے کہ لوگ حق کو نہیں مانتے؟ جن لوگوں کے تعلقات آپ کے دوستوں سے ہوئے یا ان پر کوئی احسان انہوں نے کیا ان کے احسان کو نہیں بھلایا۔ حضرت خدیجہ کے ساتھ جن بیبیوں کے کوئی تعلقات محبت تھے آخر عمر تک ان کو تحفے بھیجتے رہے۔ نجاشی شاہ حبش کی طرف سے جب ایک وفد آیا تو آپ اپنے ہاتھ سے ان کی خدمت کرتے۔ جب صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ہم ہر طرح خدمت کو تیار ہیں تو فرمایا کہ ان لوگوں نے میرے اصحاب کی عزت کی اس لئے میں چاہتا ہوں کہ میں خود ان کی خدمت کروں۔ حاتم طائی کی بیٹی قیدیوں میں آئیں تو آپ نے فرمایا ایسے سخی آدمی کی بیٹی قیدیں نہیں رہ سکتی۔ اور پھر اس کی خاطر سب قیدیوں کو آزاد کر دیا۔

بڑوں اور چھوٹوں کی یکساں عزت کرتے تھے ایک طرف اگر اپنی رضاعی والدہ اور رضاعی والد اور رضاعی بہن کی خاطر کھڑے ہو جاتے اور اپنی چادر ان کے

بیٹھنے کے لئے بچھا دیتے تو دوسری طرف اپنی بیٹی کی بھی اسی طرح عزت کرتے۔ آپ کی تعلیم میں ہے اَکْرِمُوْا اَوْلَادَکُمْ اپنی اولاد کی عزت کرو۔ جب ماں باپ اولاد کی عزت کرتے ہیں تو اولاد لازماً ان کی عزت کرتی ہے۔ ماں کی اس قدر عزت سکھائی کہ فرمایا جنت ماں کے قدموں کے نیچے ہے باوجود سادگی اور بے تکلفی کے ہر شخص سے اس کے قدر اور مرتبہ کے مطابق سلوک کرتے +

فروتنی اور حلم کی صفات بھی آپ میں کمال کو پہنچی ہوئی تھیں۔ مگر بایں شجاع تھے۔ دشمن کا خوف کبھی آپ کے دل میں جاگزین نہیں ہوا۔ جب مکہ میں آپ کو قتل کرنے کے منصوبے ہوتے تھے۔ تب بھی آپ اسی آزادی سے دن کو اور رات کی تاریکی میں باہر نکلتے تھے۔ مکہ سے سب دوستوں کو رخصت کر دیا اور آپ دشمنوں کے اندر اکیلے رہے۔ غار حرا میں جب دشمن سر پر تھا تب بھی آپ کے منہ سے یہ کلمہ نکلا کہ لَاتَحْزَنْ۔ کوئی غم کی بات نہیں۔ میدان جنگ میں جب ساری فوج نرغہ میں آگئی تو آپ نے نہایت درجہ کی شجاعت سے آواز دے کر سب کو اکٹھا کر لیا۔ ایک اور موقعہ پر جب فوج بھاگ نکلی تو آپ اکیلے دشمن کی طرف بڑھ رہے تھے اور بلند آواز سے کہہ رہے تھے کہ میں رسول اللہ ہوں۔ ڈاکہ کا خطرہ ہوا تو آپ سب سے پہلے بغیر زین کے گھوڑے پر بیٹھ کر پتہ لانے کے لئے باہر نکل گئے۔ کسی سفر میں اکیلے درخت کے نیچے لیٹے ہوئے تھے کہ ایک دشمن سر پر آپہنچا اور تلوار کھینچ کر آپ کو جگا کر کہا کہ اب کون تم کو میرے ہاتھ سے بچا سکتا ہے۔ آپ ذرہ بھر نہیں گھبرائے اور فرمایا خدا۔ قدرت کی بات تلوار اس کے ہاتھ سے گر پڑتی ہے۔ تب آپ اسی تلوار کو اٹھا کر اس سے وہی دریافت کرتے ہیں تو وہ عاجزی کا اظہار کرتا ہے آپ اسے اپنی حالت پر چھوڑ دیتے ہیں +

دکھوں اور مصیبتوں میں جو استقلال آپ نے دکھایا ہے اس پر آج آپ کے

دشمن سوانح نویس بھی عش عش کر اٹھتے ہیں سخت سے سخت مایوس کن حالات میں مایوسی آپ کے پاس نہیں پھٹکی۔ چاروں طرف سے ناکامی کے نظاروں نے ایک لمحہ کے لئے بھی آپ کی آخری کامیابی کے یقین کو متزلزل نہیں کیا۔ آپ ایک پہاڑ کی طرح تھے اور زبردست سے زبردست مصیبت کی آندھی آپ کو اپنی جگہ سے نہیں ہلا سکی۔ آپ اسباب سے کام لیتے تھے اور پھر نتیجہ کو خدا پر چھوڑتے تھے اور کبھی اس بات سے گھبراتے نہ تھے کہ نتیجہ خلاف اُمید ہوا۔ اُحد کے میدان میں اس قدر مصیبت اُٹھا کر اگلے ہی دن دشمن کا تعاقب کرنے کے لئے پھر تیار ہیں۔ مکہ میں جب چاروں طرف ناکامی نظر آتی ہے۔ دوست تتر بتر ہو جاتے ہیں۔ لوگ پیغام حق کے سننے سے انکار کر دیتے ہیں تب بھی آپ کا ایمان آخری کامیابی پر اسی طرح مضبوط ہے اور ناکامی کا واہمہ بھی آپ کے دل میں نہیں آتا۔

بتیسواں باب

مصلحین عالم میں آپ کو ممتاز کرنے والے امور

وَمَا أَرْسَلْنٰكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِينَ ط

دنیا میں بہت مصلح آئے۔ ہر ملک اور ہر زمانہ میں آئے لیکن کئی ایک امور ہیں جو حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سب پر ممتاز کرتے ہیں۔ ان امور میں سب سے پہلی بات آپ کی حیرتناک کامیابی ہے جس کا اعتراف دشمن و دوست کو یکساں ہے۔ چنانچہ انسائیکلو پیڈیا برٹینیکا میں "قرآن" کے عنوان پر جو مضمون ہے اس میں ذیل کے صاف الفاظ میں یہ اعتراف آنحضرتؐ کے متعلق موجود ہے کہ آپؐ دنیا کے تمام انبیاء اور مذہبی اشخاص میں سب سے زیادہ کامیاب انسان ہیں"۔ یہ اعتراف بلا وجہ نہیں۔ یہ بالکل سچ ہے کہ دنیا میں کوئی مصلح نہیں آیا جس نے اپنی قوم کو اس گری ہوئی حالت میں پایا ہو جس میں آنحضرت صلعم نے ملک عرب کو پایا۔ یہ لوگ نہ مذہب کے صحیح اصول سے واقف تھے نہ سیاست کے نہ تمدن کے نہ معاشرت کے۔ نہ ہی علم ان کے اندر تھا نہ ان کے تعلقات بیرونی لوگوں سے کچھ تھے۔ نہ ان میں کوئی اتفاق و اتحاد تھا۔ نہ ایک قوم کی حیثیت رکھتے تھے۔ غرض ہر پہلو سے یہ قوم اصلاح طلب تھی اور خطرناک جہالت میں مبتلا تھی۔ صرف یہی نہیں بلکہ یہودی اپنا پورا زور ان کی اصلاح پر صرف کر چکے۔ عیسائی پورا زور لگا چکے اور دونوں ایسے ناکام ہوئے۔ کہ کسی ایک امر میں بھی ملک کے اندر اصلاح پیدا نہ کر سکے بلکہ جو کیفیت کی اندرونی تحریک بھی پیدا ہو کر ختم ہو چکی تب آنحضرت صلعم کا ظہور ہوا اور چند ہی سال کے عرصہ میں ایک ایسا انقلاب پیدا کر

دکھایا کہ ملک عرب کی زمین و آسمان بدل گئے۔ ذلیل سے ذلیل بت پرستی اور توہم پرستی سے نکال کر توحید کے اس بلند سے بلند مقام پر پہنچا دیا جس پر نہ اس سے پہلے کوئی قوم پہنچی نہ بعد میں پہنچ سکے گی۔ پھر اس توحید کے لئے ایسا جوش کہ دنیا کے ممالک میں چاروں طرف نکل گئے اور دور دور کے کونوں میں جا ندا سے حق کو بلند کیا۔ خدا کی عبادت میں ان لوگوں کا مقام تمام راہبوں اور دنیا سے کنارہ کشی کر لینے والوں سے بڑھکر تھا اس لئے کہ وہ دن کو کاروبار میں گزارتے ہوئے اللہ اکبر کی ندا سن کر دیوانہ وار خدا کے حضور جا کھڑے ہوتے تو راتوں کو بیداری میں گزارتے ہوئے عبادت الٰہی میں مصروف ہوتے۔ وہ دنیا میں ہونے کے باوجود دنیا سے قطع تعلق رکھتے تھے اس لئے جو لذت اور جو خضوع خشوع ان کو عبادت میں حاصل ہوتا تھا۔ وہ کسی گوشہ نشین زاہد کو حاصل نہیں ہو سکتا۔ پھر اگر روحانیت کے لحاظ سے عبادت کے اعلےٰ سے اعلےٰ مقام پر کھڑے تھے تو دنیوی نقطہ نگاہ سے بھی اس اعلےٰ سے اعلےٰ مقام پر پہنچ گئے تھے جس پر انسان پہنچ سکتا ہے یعنی وہ دنیا کے عظیم الشان فاتح بنے بڑی سے بڑی سلطنتیں ان کے سامنے یوں گرتی چلی گئیں کہ گویا ان کی کچھ حقیقت ہی نہ تھی۔ پھر وہ صرف فاتح ہی نہ تھے۔ بلکہ فتح کے بعد ہر ملک میں ایسا انتظام قایم کیا کہ پچھلے لوگوں کی غفلت کے باوجود بارہ صدیوں تک اس سلطنت کو کچھ نقصان نہ پہنچا۔ غرض وہ زاہدوں میں سب سے بڑے زاہد۔ اور فاتحوں میں سب سے بڑے فاتح ہوئے۔ اور ان دونوں باتوں کے باوجود تیسری بات جس میں انہوں نے کمال کر دکھایا وہ علم تھا انہوں نے زہد اور فتوحات کے ساتھ ساتھ علم کو ایسا کمال پر پہنچایا کہ آج انہی کی بدولت دنیا علم کے نور سے منور ہے۔ غرض حضرت نبی کریم صلعم نے ملک عرب کو ایسی حالت میں پایا جس سے بڑھ کر گری ہوئی حالت کسی ملک کی متصور نہیں ہو سکتی اور دنیوی اور روحانی ترقی

کے اُس اعلیٰ مقام پر پہنچایا جس سے آگے کوئی مقام نہیں۔ اور یہ سب کچھ بیس برس کے عرصہ میں ہو گیا۔ اس میں یہ بھی دکھانا مقصود تھا کہ آپ کی تعلیم قوائے انسانی کی کل شاخوں پر مشتمل ہے اور دنیا کی کوئی بیماری نہیں جس کا علاج آپ کی تعلیم میں نہیں جس طرح سب سے بڑا طبیب وہ نہیں جو سب سے بڑھ کر دعویٰ کرتا ہے بلکہ وہ ہے جو سب سے زیادہ بیماروں کو اچھا کرے۔ اسی طرح مصلحین عالم میں سب سے بڑا وہ نہیں جیسا بعض کا خیال ہے جو سب سے بڑھ کر دعویٰ کرے بلکہ وہ ہے جو سب سے بڑھ کر اصلاح کرے۔ اور یہ وہ بات ہے جو محمد رسول اللہ صلعم کو دنیا کے کل انبیاء اور کل مصلحین کا سرتاج بناتی ہے ✤

دنیا میں ہر ایک نبی ایک قوم کی اصلاح کے لئے آیا۔ وہ نور اور ہدایت لایا مگر صرف ایک خاص قوم اور خاص ملک کے لئے۔ اس کے دنیا میں آنے کی غرض انسانوں کا تزکیہ نفس تھا مگر انہی کا جن کی طرف وہ بھیجا گیا لیکن محمد رسول اللہ صلعم کل دنیا کی ہدایت کے لئے مبعوث ہوئے وہ نور اور ہدایت جو آپ کو دیا گیا ایک قوم کے لئے نہ تھا بلکہ دنیا کی کل قوموں کے لئے۔ تزکیہ نفوس کے لئے آپ کی عقد ہمت کا دائرہ اس قدر وسیع ہوا کہ تمام دنیا کو اپنے اندر شامل کر لیا یہی وہ بات ہے جس کی طرف آیت مندرجہ عنوان میں توجہ دلائی گئی ہے اسی قسم کی اور آیات سے قرآن شریف بھرا پڑا ہے لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا ۝ اور فرمایا اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝ پھر فرمایا اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ كَآفَّةً لِّلنَّاسِ۔ پھر فرمایا قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا مصلحت الٰہی کا یوں تقاضا ہوا کہ جس وقت نسل انسانی مختلف ملکوں میں علیحدہ علیحدہ پڑی ہوئی تھی اور قوموں کے باہمی میل جول کے ذرائع بہت کم تھے۔ ان کی ضروریات اور ان کے خیالات بھی محدود تھے تو اس نے ہر قوم کی اصلاح کے لئے ایک نبی بھیج دیا۔ بالعض قوموں میں کئی کئی نبی

بھی بھیج دیئے۔ ان انبیائ نے اپنے اپنے زمانہ کے مطابق ان قوموں کی اصلاح کی مگر جس طرح وہ قوم محدود تھی اسی طرح ان کا عقد ہمت بھی اسی دائرہ کے اندر تھا۔ اور نہ صرف مکان کے لحاظ سے بلکہ زمانہ کے لحاظ سے بھی ان کی قوت قدسی کا دائرہ ایک جگہ آکر ختم ہو جاتا جہاں یا جب دوسرے نبی کی ضرورت پیش آتی لیکن جہاں اس طریق سے اللہ تعالیٰ نے کل عالم کی ربوبیت روحانی کا سامان کر دیا۔ اس کے ساتھ ہی انسانوں کی تنگ ظرفی کی وجہ سے ہر قوم میں یہ خیال پیدا ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے فلاں خاص قوم کو ہی اپنی ربانیوں کے لئے چن لیا ہے اور دوسری کسی قوم کو اس نعمت سے حصہ نہیں ملا پس ایک خطرناک قومی تفریق پیدا ہو گئی اور ملکی حد بندیوں نے تعلقات انسانی کے اندر ایسی قیود پیدا کر دیں کہ ہر ایک قوم اپنے سوائے دوسروں کو ہیچ سمجھنے لگی اس لئے اللہ تعالیٰ نے یوں مقدر فرمایا کہ تمام انبیاء کے آخر پر ایک ایسا نبی بھیجے جو کل قوموں کی طرف مبعوث ہو اور جس کی قوت قدسی جس طرح مکان کے لحاظ سے ساری زمین پر محیط ہو اسی طرح زمانہ کے لحاظ سے اس کا دائرہ قیامت تک وسیع ہو۔ اس لئے جب قومی نبیوں کا دائرہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر منتہی ہو گیا اور حضرت عیسیٰ کو بھی یہی کہنا پڑا کہ میں بنی اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے سوائے اور کسی کی طرف نہیں بھیجا گیا۔ تو رحمۃ للعالمین کا ظہور دنیا میں ہوا۔ انبیائے سابقین کی مثال ایسی تھی جیسے ایک اندھیری رات میں مختلف مکانات میں مختلف چراغوں کی روشنی ہو۔ ان کا وجود تاریکی کے اندر ایک شمع نور افگن تھا۔ مگر جس طرح چراغ ایک کمرہ کے اندر ہی روشنی دے سکتا ہے اسی طرح ان کے نوران کی ہدایت ان کی قوت قدسی کا دائرہ بھی اس قوم کے اندر محدود تھا مگر محمد رسول اللہ صلعم کا ظہور آفتاب عالمتاب کا طلوع ہے جس کے ساتھ دنیا کے چاروں کناروں میں روشنی

پہنچ جاتی ہے جس کی شعاعیں زمین کے ہر کونہ کو منور کر دیتی ہیں انبیائے عالم سب روشن چراغ تھے مگر محمد رسول اللہ صلعم آفتاب عالمتاب تھے۔ چراغ کی روشنی ایک مکان کے اندر محدود ہوتی ہے اور ایک وقت کے بعد وہ ختم ہو جاتی ہے یہی حالت ان انبیاء کی تعلیم کی تھی۔ آفتاب کل عالم کو روشن کرتا ہے اور اس کی روشنی قیامت تک اس عالم کو منور کرتی رہے گی یہی کیفیت محمد رسول اللہ صلعم کی تعلیم کی ہے پس یہ دوسری بات ہے جو آپ کو مصلحین عالم میں ممتاز کرتی ہے

دنیا میں کوئی ترقی بغیر ایک قید لگانے کے ممکن نہیں۔ اس لئے ہر قوم نے اپنی قوم کی ترقی کو ہی اپنا نصب العین قرار دیا ہے لیکن اگر محمد رسول اللہ صلعم انہی لوگوں کا اتباع کرتے تو آپ کے آنے کی اصل غرض ہی پوری نہ ہوتی تھی۔ آپ کے آنے کی بہت سی اغراض میں سے ایک غرض قومی اور ملکی قیود کو توڑ کر ایک عالمگیر مذہب کی بنیاد رکھنا تھا اور ایک عالمگیر اخوت کا سلسلہ قایم کرنا تھا اگر غور کیا جائے تو قومی اور ملکی قیود مصنوعی قیود ہیں۔ پس ایک فطری مذہب مصنوعی قیود کو قایم نہ رکھ سکتا تھا۔ اگر اور مذاہب کی غرض افراد کو اکٹھا کرکے ایک قوم بنانا تھا تو اسلام کی غرض قوموں کو اکٹھا کرکے نسل انسانی کا ایک اتحاد پیدا کرنا تھا۔ اس لئے اسلام کی تعلیم نے قومی قیود کو اسی طرح توڑ کر نسل انسانی کی وحدت کی بنیاد ڈالی ہے جس طرح مختلف مذاہب نے شخصیت کی قیود کو توڑ کر قومی وحدت کی بنیاد رکھی تھی وہ بھی ایک بڑا کام تھا جو پہلے انبیاء کے سپرد کیا گیا مگر یہ کام اس سے بدرجہا بڑا ہے۔ اس کی مشکلات کا کوئی اندازہ نہیں ہو سکتا۔ بلاشبہ شخصیت کی قیود کو توڑ کر قومی وحدت کا پیدا کرنا ایک بڑا کام ہے مگر قومی تفریقوں کو دور کرکے نسل انسانی کی وحدت کے پیدا کرنے کے سامنے ہیچ ہے۔ یہ تیسری خصوصیت ہے جو نبی کریم صلعم کو تمام انبیاء میں ممتاز کرتی ہے

کہ وہ قومی وحدت قومی ترقی کا راز سکھانے آئے آپ نسل انسانی کی وحدت نسل انسانی کی ترقی کے عظیم الشان راز کے انکشاف کے لئے ظاہر ہوئے ؛

چوتھی خصوصیت جو آپ کو تمام مصلحین پر ممتاز کرتی ہے یہ ہے کہ جہاں ہر ایک نبی فطرت انسانی کی ایک خاص شاخ کے نشو و نما کیلئے آیا اور اس کے وجود میں اخلاق انسانی کا ایک خاص پہلو ظہور پذیر ہوا۔ محمد رسول اللہ صلعم نے فطرت انسانی کی ساری شاخوں کی ایسی کامل تربیت کی اور آپ کے وجود مبارک میں اخلاق انسانی کے سارے پہلو ایسے روشن ہوئے کہ آپ کے بعد کسی نبی کی حاجت دنیا میں نہ رہی۔ سلسلہ بنی اسرائیل میں کتنے نبی آئے ہیں مگر ہر ایک فطرت انسانی کی ایک خاص شاخ کے نشو و نما کے لئے۔ انسانی زندگی کے لئے ایک خاص پہلو میں نمونہ بن کر۔ مگر اُمت محمدیہ میں ایک ہی آتا ہے۔ اور وہ اُن پہلوں سے بڑھ کر ہر ایک پہلو میں خود ہی نمونہ ہے۔ وہ موسیٰ کی جوانمردی۔ ہارون کی نرمی۔ یشوع کی جرنیلی۔ ایوب کے صبر۔ داؤد کی سپہگری۔ سلیمان کی شان و شوکت یحییٰ کی سادگی۔ مسیح کی فروتنی اور حلیمی سب کو۔ مگر ہر ایک سے بڑھ کر اپنے اندر جمع رکھتا ہے۔ اگر سلسلہ موسوی کے سرتاج حضرت موسیٰ مظہر جلال ہیں اور اس کے آخری نبی حضرت عیسیٰ مظہر جمال ہیں تو محمد رسول اللہ صلعم ان دونوں سے بہت بڑھ کر کمال کو لئے ہوئے جامع جمال و جلال ہیں۔ اگر آپ وحشیوں اور اخلاق سے عاری قوموں کو متمدن اور با اخلاق انسان بنا سکتے ہیں تو متمدن اور با اخلاق انسانوں کو با خدا بنا سکتے ہیں ؎

حسن یوسف دم عیسیٰ ید بیضا داری ؎
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

پانچویں خصوصیت یہ ہے کہ جہاں ہر ایک صاحب کمال کا کمال فطرت یا حالات انسانی کے کسی خاص حصہ سے تعلق رکھتا ہے۔ آنحضرت صلعم کے کمالات

فطرت انسانی اور حالات انسانی کے تمام پہلوؤں پر حاوی ہیں ۔

اگر کوئی شخص دنیا میں اس لئے بڑا کہلاتا ہے ۔ کہ اس نے اپنی قوم کو پستی سے نکال کر بلندی پر پہنچا دیا تو یہ بڑائی سب سے زیادہ اس شخص میں پائی جاتی ہے جس نے ایک نہایت ہی گری ہوئی قوم کو جو کبھی اپنے ملک سے باہر نکلی تھی ۔ نہ تہذیب اور علم ہی کا اس میں کوئی چرچا تھا چند سال کے اندر نہ صرف دنیا کے ایک بڑے حصہ کا فاتح بلکہ فتوحات کے ساتھ ساتھ تہذیب و تمدن اور علوم و فنون کی روشنی کو تاریک سے تاریک کونوں تک پہنچانے والا بنا دیا ۔

اگر کوئی شخص اس لئے بڑا کہلا سکتا ہے کہ اس نے اپنی قوم کے بکھرے ہوئے اجزا کو اکٹھا کر دیا تو اہل عرب جیسی بکھری ہوئی قوم کو جس کا ایک ایک قبیلہ پشتہا پشت کی خانہ جنگیوں سے ہمیشہ کیلئے ایک دوسرے سے جدا ہو چکا تھا ایک کرنے والے سے بڑھکر کون شخص بڑا کہلا سکتا ہے جس نے ریت کے ذروں کو جمع کر کے ایک مضبوط پہاڑ بنا دیا ۔ وہ پہاڑ جو حوادث روزگار کی خطرناک سے خطرناک ٹکروں کے مقابلہ کے بعد آج بھی ویسا ہی مستحکم ہے جیسا پہلے روز تھا ۔

اگر کوئی شخص اس لئے بڑا ہے کہ اس نے خدائے واحد کے نام کو دنیا میں بلند کیا تو محمد صلعم سے بڑا دنیا میں اور کون ہو سکتا ہے جس کی بعثت کا منشاء ہی اعلاء کلمۃ اللہ تھا اور جس نے اس منشاء کو ایسے بے مثل انداز میں پورا کیا کہ بت پرستی اور شرک کے چہرہ پر جو نقاب پڑا ہوا تھا وہ ہمیشہ کے لئے اُٹھ گیا اور توحید کے نور سے دنیا جگمگا اٹھی ۔

اگر کوئی شخص اس لئے بڑا کہلا سکتا ہے ۔ کہ اس نے اعلیٰ درجہ کے اخلاق کی تعلیم دنیا میں پھیلائی تو اس سے بڑا آدمی دنیا میں اور کون ہوگا جو اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيمٍ کا مصداق اعظم ہے جس کے اخلاق کی شمیم سے فضاء عالم معطر و معنبر ہے اور جس کا احسان اس لحاظ سے دنیا پر ابد الآباد تک رہیگا ۔ یہ خوشبو جسے سونگھنی ہو وہ قرآن کریم کے اوراق کی ورق گردانی کرے ۔

اگر کوئی شخص فاتح اور کشور کشا ہو کر بڑا ہو سکتا ہے تو کون شخص بڑا ہے اس جہانکشا سے جس نے یتیمی کی حالت میں پرورش پائی اور باوجود بے یار و مددگار ہونے کے نہ صرف

فاتح بلکہ شہنشاہ بلکہ شہنشاہ گر بن گیا اور اس عظیم الشان سلطنت کا بانی ہوا جو آج تیرہ سو سال بعد بھی دنیا کی متفقہ کوششوں کا جو اس کے بیخ و بن سے اکھاڑنے کیلئے جاری ہیں مقابلہ کر رہی ہے +

اگر امانت یا دیانت یا راست کرداری بڑائی کا کوئی معیار ہے جس کا مہذب دنیا کو آج کل نظری طور پر اقرار مگر عملی طور پر انکار ہے تو اس سے بڑا اور کون ہوگا جو مہد سے لیکر لحد تک اپنے ہمچشموں اور ہم اثروں میں الامین کے سعادت آفرین لقب سے ملقب ہو۔

اگر کوئی شخص اس لئے بڑا کہلا سکتا ہے کہ اس کا نام ایک بڑی قوم کیلئے ایک زندہ طاقت کا کام دیتا ہے۔ تو یاد رکھو کہ محمد صلعم کے نام میں جو طاقت ہے اس سے بڑھکر اور کوئی طاقت نہیں۔ اس لئے کہ یہ نام شمال و جنوب اور مشرق و مغرب کے چالیس کروڑ مسلمانوں کو بلا تفریق رنگ بلا امتیاز ملک وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا کی ربانی رسی میں باندھنے والا ثابت ہوتا رہا ہے۔ اور رہوتا رہے گا۔ ہاں اگر پیروؤں کے لئے یہ نام ایک زندہ طاقت کا کام دیتا ہے۔ تو دشمنوں کے لئے بھی نصرت بالرعب مسیرۃ شہر (مجھے ایک مہینہ کی مسافت سے کام کرنے والے رعب کے ساتھ مدد دی گئی ہے) کا کام دے رہا ہے اور اسلام کی تباہی چاہنے والے سارے سامانوں کے باوجود اور مسلمانوں کی اس گری ہوئی حالت میں بھی ان سے خائف ہو رہے ہیں +

(۶) چھٹی خصوصیت یہ ہے۔ کہ جہاں ہر ایک صاحب کمال نے اس پہلو میں کمال دکھایا ہے جسے اس زمانہ یا اس کی قوم یا اس کے ملک کی حالت پیدا کرنے کی قابلیت رکھتی ہو آنحضرت صلعم کے کمالات ایسے ہیں کہ آپ کے زمانہ اور آپ کے ملک اور آپ کی قوم کی حالت انکے پیدا کرنے کی قابلیت اپنے اندر نہ رکھتی تھی۔ جب کسی قوم یا ملک میں توحید کا چرچا ہو تو ایک موحد کا پیدا ہو جانا جب فلسفیانہ تحقیق کا عام رواج ہو تو ایک بڑے فلسفی کا پیدا ہو جانا جب قوم یا ملک کی حالت بیرونی حملوں کے باعث قوم کے اندر جنگ کا جوش پیدا کر رہی ہو۔ تو ایک بڑے فاتح کا پیدا ہو جانا

جب قوم کی توجہ عام طور پر اخلاق کی طرف ہو تو اخلاق کے ایک بڑے معلم کا پیدا ہو جانا جب قوم میں شعر و شاعری کا شوق بڑھ رہا ہو تو ایک بڑے شاعر کا پیدا ہو جانا عین ان حالات انسانی کے مطابق ہے جن کا مشاہدہ تاریخ ہمیں کراتی ہے۔ مگر ایک سخت بت پرست قوم کے اندر جو شرک کی نجاست میں لتھڑی ہوئی ہو اور توحید سے مطلقاً نا آشنا ہو ایک ایسے شخص کا پیدا ہو جانا جس کی فطرت کے اندر ہی بتوں سے تنفر ہو اور پندرہ سولہ سال کی ہی عمر میں لات اور عزیٰ کا واسطہ دیئے جانے پر نہایت جرأت سے یہ کہدے کہ مجھے دنیا میں کسی چیز سے اس قدر نفرت نہیں جتنی ان پتھر کے معبودوں سے ہے۔ اور جو خالص توحید کا معلم واحد ہو۔ ایک ایسی قوم کے اندر جو توہم پرستی میں حد سے گزری ہوئی ہو ایک اعلیٰ درجہ کے فلسفیانہ دماغ رکھنے والے دشمن توہم پرستی کا پیدا ہو جانا۔ ایک ایسی قوم کے اندر جس تک علم کی روشنی کی ایک کرن بھی نہ پڑی ہو۔ اس روشنی کو دنیا کے تاریک سے تاریک کونہ تک پہنچانے والے انسان کا پیدا ہو جانا۔ ایک ایسی قوم کے اندر جو شیرازہ جمعیت کے بکھر جانے کے باعث اس بات کے سمجھنے سے بھی عاری ہو چکی ہو کہ قومی وحدت بھی کوئی چیز ہے وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا کی ندا کے بلند کرنے والے کا پیدا ہو جانا۔ ایک ایسی قوم کے اندر جو اخلاق فاضلہ سے اس قدر دور جا پڑی ہو کہ اخلاق رذیلہ پر فخر کرنا اس کا شیوہ ہو چکا ہو خلق عظیم کا سبق دینے والے اور تخلقوا باخلاق اللہ کا نعرہ مارنے والے کا پیدا ہو جانا۔ ہاں اس قوم کے اندر جو شراب نوشی اور قمار بازی میں دنیا کی کل قوموں پر فوقیت لیجا چکی ہو۔ دنیا سے شراب نوشی اور قمار بازی کے استیصال کی ایک ہی کوشش کرنے والے کا پیدا ہو جانا۔ پھر اس قوم کے اندر جو عورت کو اس قدر ذلیل سمجھتی ہو کہ زندہ لڑکی کو گاڑ دینا اس کے بڑے آدمیوں کا فخر ہو۔ عورتوں کی عزت اور عورتوں کے ان حقوق کے قائم کرنے والے کا پیدا ہو جانا جو آج کل کی تہذیب بھی طبقہ نسوان کو نہیں عطا کر سکی۔ اور بالآخر اس قوم کے اندر جس میں صدیوں کی باہمی لڑائیوں سے جنگجوئی کو فخر انسانیت سمجھا جاتا تھا ایک ایسے

شخص کا پیدا ہو جانا جو دنیا میں صلح اور اتحاد اور نسل انسانی کی اخوت کی بنیاد رکھنے والا ہو۔ یہ وہ باتیں ہیں جن کے لئے تاریخ کسی دوسرے آدمی کا نمونہ نہیں دکھا سکتی اور جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسی ظلمتوں اور نجاستوں کے اندر اس نور اس لطافت کو تیار کرنے والا وہی خدا تھا جو زمین اور سمندر کی تاریکیوں میں ہیرے اور موتی پیدا کرتا ہے اور محمد صلعم کے وجود میں اس نے اپنی اس قدرت کاملہ کا وہ کامل نمونہ دکھایا ہے جس کی نظیر نہیں ملتی۔

ساتویں اور سب سے بڑی خصوصیت جو آپ کو تمام انبیاء پر ممتاز کرتی ہے۔ اور تمام عالم کے لئے رحمت ٹھہراتی ہے آپ کا ایک عظیم الشان صلح کی بنیاد رکھنا ہے نہ صرف مختلف انسانوں میں نہ صرف مختلف قوموں میں بلکہ ان سب میں مشکل کام یعنی مختلف مذاہب میں صلح کی بنیاد رکھنا۔ تمام انسانوں میں مساوات کا رنگ یوں پیدا کیا کہ بڑے سے بڑے انسان کے متعلق بھی یہ تعلیم دی قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ میں بھی تمہاری طرح ہی ایک انسان ہوں۔ مرد اور عورت۔ نوکر اور آقا۔ جاہل اور عالم بادشاہ اور رعیت سب ایک دوسرے پر حقوق رکھتے ہیں اور ہر ایک دوسروں کے متعلق ایک ذمہ داری کے نیچے ہے۔ انسانیت کی صف میں وہ سب ایک مقام پر کھڑے ہیں حج کے اندر اس کا ایک عملی نظارہ بھی دکھا دیا کہ لاکھوں انسان ایک لباس میں ایک حیثیت میں ایک شکل میں اکٹھے کر کے دکھا دیئے۔ وہ مساوات نسل انسانی جس کا نظارہ دنیا میں کہیں نظر نہیں آتا۔ خانہ کعبہ کے گرد اور منیٰ اور عرفات کے مقاموں میں وہ نظارہ ہر ایک آنکھ دیکھ سکتی ہے۔ پھر پانچ وقت کی نمازیں بھی کم و بیش یہی مساوات کا نظارہ نظر آتا ہے خدا کے حضور بادشاہ اور درویش دوش بدوش کھڑے ہوتے ہیں۔ ملکی انتظام میں ایک غلام کو قریش پر حاکم مقرر کر کے دکھا دیا حصول علم میں کوئی فرق مرد اور عورت کا نہیں رکھا۔ نہ چھوٹے اور بڑے کا۔ قومی مساوات کے لئے یہ قاعدہ تجویز فرمایا کہ یہ قومیں اور قبیلے ایک دوسرے پر بڑائی کرنے کے لئے نہیں بلکہ صرف شناخت کے لئے ایک دوسرے کو

پہچاننے کے لئے ہیں۔ اور بڑائی کا معیار اب دنیا میں قومیت نہ رہے گی بلکہ تقویٰ ہوگا
اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ تم میں سے زیادہ معزز وہ ہے جو سب سے زیادہ حقوق کی
حفاظت کرتا ہے۔ کالے گورے کا فرق مشرقی اور مغربی کا فرق سب مٹا دیا اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ
اِخْوَۃٌ سب ایک باپ کے بیٹے ہیں اور پھر سب سے مشکل کام بھی کرکے دکھا دیا یعنی
مذاہب میں صلح۔ جو دنیا کے کسی مصلح کے وہم میں بھی نہ آیا تھا۔ عام اصول قایم
کر دیا کہ سب قوموں میں رسول ہوتے رہے ہیں۔ کوئی قوم خدا کے نعمائے روحانی سے
محروم نہیں رہی۔ اور ایک مسلمان کا فرض قرار دے دیا کہ نہ صرف اپنے رسول پر ایمان
لائے بلکہ جس قدر مختلف قوموں میں دنیا میں نبی اور رسول ہوئے سب پر ایمان لائے
آپ سے پہلے کسی شخص کے مُنہ سے یہ کلمہ نہ نکلا تھا کہ دنیا کی ہر قوم میں رسول آتے
رہے ہیں جب ہم نے سب دنیا کے پیشواؤں کو سچّا مان لیا تو نسل انسانی میں ایک
ایسے اتحاد کی بنیاد رکھ دی جو کبھی برباد نہیں ہو سکتا۔ ہم سب بھائی بھائی ہو گئے۔ پھر
سب پیشواؤں کی عزت کرنا ہمارا فرض قرار دیا یہانتک کہ جن کو ہم باطل معبود بھی سمجھتے
ہیں ان کو بھی گالی دینا منع کر دیا لَا تَسُبُّوا الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ پھر حقیقی پیشوایان
قوم کی عزت کیوں نہ کریں۔ پھر نہ صرف مذاہب میں صلح کی بنیاد ڈالی بلکہ مختلف
اعتقادات میں بھی جو ایک دوسرے کے خلاف نظر آتے ہیں صلح کی راہ بتا دی اور
وہ یہ کہ فرمایا تَعَالَوْا اِلٰی کَلِمَۃٍ سَوَآءٍ بَیْنَنَا وَبَیْنَکُمْ جو امور مشترک سب مذاہب میں پائے
جاتے ہیں ان کو بطور ایک بنیاد کے صحیح قبول کر لیا جائے اور پھر تمام اعتقادات کو اس
امر مشترک پر پرکھا جائے۔ کہ وہ اس کے خلاف تو نہیں +

مختصر یوں کہ اگر ایک طرف آپ نے اللہ تعالیٰ کی عزت و جبروت کو دنیا میں قایم کیا اور اس کی
توحید کو تمام آلایشوں سے پاک کر دیا تو دوسری طرف مساوات اور وحدت نسل انسانی کو بھی کمال تک
پہنچایا اور انسان کی عزت کو دنیا میں بلند کیا اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ

ترجمۃ القرآن انگریزی

مجلّد

مصنفہ حضرت مولانا مولوی محمد علی صاحب ایم۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی۔

انگریزی زبان میں ترجمہ قرآن شریف مع عربی متن۔ فٹ نوٹوں میں نہایت لطیف تفسیر کی گئی ہے۔ لکھائی چھپائی نہایت عمدہ۔ انگلستان اور ہندوستان کے مشہور اہل قلم نے اس ترجمہ کے متعلق نہایت عمدہ آرا کا اظہار کیا ہے

یہ ترجمہ دو ایڈیشنوں میں چھاپا گیا ہے +

قسم اول۔ انڈیا پیپر نہایت خوبصورت لچکدار جلد قیمت بیس روپیہ عـہ۲۰ علاوہ محصول ڈاک +

قسم دوم۔ موٹی مضبوط جلد۔ ولایتی کاغذ قیمت پندرہ روپیہ عـہ علاوہ محصول ڈاک +

نوٹ

ایک نسخہ تقریباً عہ پیکنگ اور محصول ڈاک خرچ ہوتا ہے + +

ترجمۃ القرآن اُردو

انگریزی ترجمہ کی اشاعت پر کثرت سے احباب نے اس بات کی خواہش کی کہ اُردو ترجمہ بھی اسی نہج پر شائع کیا جائے اور گو یہی ارادہ تھا کہ انگریزی کی طرح اُردو ترجمۃ القرآن اکٹھا ایک ہی جلد میں شائع ہو۔ مگر شایقین کے اصرار نے مجبور کیا کہ اس کی اشاعت ایک ایک پارہ کرکے ہوتی رہے اور اس میں یہ بھی فائدہ نظر آیا کہ شایقین کے لئے بھی یہ سہولت رہے گی کہ وہ ساتھ کا ساتھ پڑھتے رہیں گے اور اقساط میں نکلنے کی وجہ سے ادائگی قیمت میں بھی کم استطاعت احباب کو سہولت رہے گی۔ اس وقت اُردو ترجمہ کاتب کے ہاتھ میں ہے اور پہلا پارہ قریب الاختتام ہے۔ صرف کاغذ کا انتظار ہے اور غالباً یکم جنوری سنہ ۱۹۲۱ء سے ایک ایک پارہ ماہوار شائع ہوتا رہے گا۔ شایقین کو چاہئے کہ درخواستیں درج رجسٹر کرانے میں توقف نہ کریں۔ قرآن کریم نہایت اعلیٰ درجہ کا خوشخط۔ اعلیٰ درجہ کے سفید ولایتی کاغذ پر۔ لفظی مگر بامحاورہ ترجمہ بین السطور نیچے لغت کی پوری تشریح اور ضروری مقامات کی تفسیر مع حوالجات جس کا اندازہ وہ لوگ آسانی سے کرسکتے ہیں۔ جنہوں نے "نکات القرآن" کو پڑھا ہے۔ مگر "نکات القرآن" اور انگریزی ترجمہ دونوں سے زیادہ بسط و شرح اس تفسیر میں ہے۔ مسلمانوں کی موجودہ ضروریات۔ حالات زمانہ۔ مخالفین کی نکتہ چینیوں کو مدنظر رکھا گیا ہے۔ قیمت ہر پارہ کی اس کے حجم کے لحاظ سے ہوگی۔ اور یہ غالباً عموماً آٹھ آنے اور ایک روپیہ کے درمیان ہوگی +

المشتہر منیجر بک ڈپو احمدیہ انجمن اشاعت اسلام احمدیہ بلڈنگس لاہور

بادۂ عرفان کے چند قطرے

۱۔ سلسلہ تصنیفات احمدیہ جلد اول (براہین احمدیہ) مذہبی دنیا کے فاتح ملت بیضا کے مجدد اعظم مسیح موعودؑ کی معرکۃ الآرا تصنیف قیمت مجلد کاغذ ولایتی ۱۲ بیجلد عہ دیسی کاغذ مجلد عہ بیجلد ۱۲

۲۔ ملفوظات احمدیہ۔ مجدد دوران حضرت مسیح موعودؑ کی برق فگن اور کفر سوز تقاریر کا مجموعہ عہ

۳۔ توضیح مرام و فتح اسلام۔ دعاوی مسیح موعودؑ پر مدلل اور مسکت تصنیف از حضرت مسیح موعودؑ قیمت ہر دو ۱۰

۴۔ ٹیچنگز آف اسلام (انگریزی) تعلیمات اسلامیہ کا فلسفہ حقائق و معارف قرآنیہ کا خزینہ جو ایک بہت بڑی مذہبی کانفرنس میں پڑھا گیا تجلید اعلیٰ ولایتی قیمت عہ

تصنیفات حضرت مولانا مولوی محمد علی صاحب۔ ایم۔ اے

۵۔ جمع قرآن۔ حفاظت قرآن کریم پر بےنظیر تالیف تاریخی واقعات کو نہایت تحقیقات سے لکھا گیا ہے قیمت ۱۲

۶۔ نکات القرآن۔ قرآن کریم کے ابتدائی پانچ پاروں پر تفسیری نوٹ۔ رموز و حقائق قرآنی کا گلدستہ ۱۲ ۲ ، ۷ ، ۳ ، ۱۰ ، ۴ ، ۶۰

۷۔ النبوت فی الاسلام۔ ختم نبوت و رسالت اور مجددیت و محدثیت پر اصولی بحث مقام مسیح موعود کا حقیقی تعین قیمت فی جلد مجلد عہ بیجلد عا

۸۔ مسیح موعود۔ چودھویں صدی کے مجدد اور نزول ابن مریم کی حقیقی تعبیر قیمت مجلد عہ بیجلد ۱۲

۹۔ مقام حدیث۔ فرقہ اہل قرآن کے وساوس کا ازالہ اور ضرورت صداقت جمع اور تنقید حدیث پر مفصل بحث قیمت عا عہ

۱۰۔ ضرورت مجدد۔ مفت

۱۱۔ عیسائیت کا آخری سہارا۔ مفت

تعلیم اسلام۔ یعنی اسلامی اصول کی فلاسفی۔ لیکچر جلسہ مذاہب۔ قیمت عصہ

المشتہر مینیجر بک ڈپو احمدیہ انجمن اشاعت اسلام۔ احمدیہ بلڈنگس۔ لاہور